بسم اللہ الرحمن الرحیم

انشاء نامہ

انٹرویو

سلسلے وار ناول

ناولٹ

افسانے

مکمل ناول

☆☆☆

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! مارچ 2014ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

ہمارے ہاں خواتین کے حقوق کے حوالے سے صورتحال نہایت تشویشناک ہے۔ بعض علاقوں میں تو بالکل دور جاہلیت کی سی حالت ہے۔ جہاں گھروں میں ان پر تشدد ہوتا ہے، موروثی جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا، ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے، جنسی استحصال اور غیرت کے نام پر قتل کی وارداتیں عام ہیں، تعلیم حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ حالانکہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور اسلام پہلا مذہب ہے جس نے معاشرے میں خواتین کی اہمیت کو تسلیم کیا اور ان کے حقوق کا تعین کیا اور ان کی پاسداری یقینی بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ اب خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لئے حکومت پنجاب نے ''کمیشن برائے نسواں'' کا بل کثرت رائے سے منظور کیا ہے، اس بل کی منظوری خواتین کو معاشرے میں بہتر مقام دلانے، ان کے مسائل کی نشاندہی اور ان کا حل تلاش کرنے کے سلسلے میں اہمیت کی حامل ہے۔

خواتین کے حقوق کے سلسلے میں یہ بل نہایت خوش آئند ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ خواتین کے تحفظ اور ان کے حقوق کے سلسلے میں قوانین تو پہلے بھی موجود ہیں، اصل ضرورت تو ان پر عمل کرنے کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جب تک اس سلسلے میں معاشرتی شعور بیدار نہیں ہوگا، قانون سازی اپنا مقصد پورا نہیں کر سکے گی۔

اس شمارے میں:۔ اک دن حنا کے ساتھ میں قرۃ العین رائے اپنے شب و روز کے ساتھ، صبا جاوید اور رمشا احمد کے مکمل ناول، مبشرہ انصاری اور سعدیہ عابد کے ناولٹ، تحسین اختر، نازیہ ضیاء، در نجف، صائمہ حجاب، شمشاد اختر اور فرحت عمران کے افسانے، اُم مریم اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناول کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

خدا کی معرفت ہے بالیقیں قرآں کا حاصل
کہا ''لاتقنطو'' یہ رحمت رحمٰن کا حاصل

بڑا فیاض ہے وہ، فیض پہنچاتا ہے بندوں کو
وجود رحمتہ اللعالمینؐ فیضان کا حاصل

نہ وہ بچہ کسی کا ہے، نہ اس کا کوئی بچہ ہے
احد ہے وہ، صمد ہے وہ، یہی ایمان کا حاصل

نہ اس کا کوئی ہمسر ہے، نہ اس کا کوئی ثانی ہے
یقیناً سورۂ اخلاص ہے ایقان کا حاصل

رحیم اللہ، وہ رحمٰن، یہ آغاز قرآں کا
یہی نکتہ ہے پیہم دل کے اطمینان کا حاصل

شب تار الست انساں، وہ تیرا ''بلیٰ'' کہنا
سمجھ عرفان خالق ہے اسی پیمان کا حاصل

کہا باغ سخن میں پھول نے اس کو نہ بھولو تم
خدا کی حمد اور نعت نبیؐ دیوان کا حاصل

نعت رسول مقبول ﷺ

میں مدینے چلا، میں مدینے چلا
پھر کرم ہو گیا میں مدینے چلا

کیف سا چھا گیا میں مدینے چلا
جھومتا جھومتا میں مدینے چلا

اے شجر اے حجر تم بھی شمس و قمر
دیکھو دیکھو ذرا میں مدینے چلا

وہ احد کی زمیں جس کے اندر مکیں
میرے حمزہ پیا میں مدینے چلا

اشک تھمتے نہیں پاؤں جمتے نہیں
لڑکھڑاتا ہوا میں مدینے چلا

میرے آقا کا در ہو گا پیش نظر
میرے دل کی صدا میں مدینے چلا

کیا کرے گا اِدھر باندھ رخت سفر
چل عبید رضا میں مدینے چلا

سید اختر ناز

شہرت کے لئے نیکی

حضرت جندب (بن عبداللہ بن سفیان) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو دکھلاوا کرے گا، اللہ اس کی حقیقت ظاہر کردے گا اور جو شہرت کے لئے نیکی کرتا ہے، اللہ اس کی تشہیر کرے گا۔''

فوائد ومسائل:۔

ریا کاری کرنے والا اس لئے کرتا ہے کہ لوگوں میں اس کی خوبی کی شہرت ہو اور وہ اس کی تعریف اور عزت کریں لیکن اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے اس کی یہ بری نیت ظاہر کردیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بدنام ہو جاتا ہے اور اس کی عزت ختم ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب مخلوق کے سامنے یہ ظاہر فرمادے گا کہ یہ شخص اخلاص کے ساتھ نیکی نہیں کرتا تھا جس سے سب کے سامنے اس کی بے عزتی ہو جائے گی۔

حسد کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''حسد (رشک) صرف دو ہی کاموں میں جائز ہے، ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور اسے حق کی راہ میں خرچ کرنے پر لگا دیا، (اس سے رشک کرنا چاہیے) اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے (دین کی) سمجھ دی، وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

فوائد ومسائل:۔

''حسد'' کا اصل مفہوم یہ ہے کہ کسی کو اللہ کی طرف سے نعمت ملی ہو تو اسے دیکھ کر یہ خواہش پیدا ہو کہ اس کی یہ نعمت ختم ہو جائے، یہ جذبہ رکھنا بہت بڑا گناہ ہے، اس حدیث میں حسد سے مراد ''رشک'' ہے، یعنی یہ خواہش کرنا کہ جیسی نعمت اس کے پاس ہے ویسی مجھے بھی مل جائے یہ جائز ہے۔

حسد تو کسی پر بھی جائز نہیں، رشک بھی دنیا کی دولت، شہرت اور حکومت پر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ کسی کا نیک عمل ہی اس قابل ہے کہ اس طرح کا عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

خوبیوں میں سب سے زیادہ قابل رشک دو خوبیاں ہیں سخاوت اور علم، یہ عمل بھی تب خوبیوں میں شمار ہو سکتے ہیں، جب اللہ کی رضا کے لئے خلوص کے ساتھ انجام دیے جائیں ورنہ شہرت کے لئے حاصل کیا جانے والا علم اور خرچ کیا جانے والا مال سخت ترین سزا اور شدید عذاب کا باعث ہوگا، اللہ محفوظ رکھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''حسد (رشک) صرف دو کاموں میں

جائز ہے ایک اس آدمی سے (رشک کرنا چاہیے) جسے اللہ نے قرآن (کا علم) دیا، وہ رات کے اوقات میں بھی اس پر قائم رہتا ہے اور دن کے اوقات میں بھی اور (دوسرا) وہ آدمی جس کو اللہ نے مال دیا، وہ رات کے اوقات میں بھی اسے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتا ہے اور دن کے اوقات میں بھی (اس پر رشک کرنا چاہیے)۔''

فوائد ومسائل:۔

یقوم بہ کا مطلب اس پر عمل کرنا بھی ہے اور نماز کے قیام میں اس کی تلاوت بھی، خواہ فرض نمازوں میں ہو یا نوافل وتہجد میں۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

مسجدوں کے میناروں اور دیواروں کی زیب وزینت کی بجائے علماء اور طلباء خرچ کرنا زیادہ ثواب ہے، اسی طرح مسجد کے مفلس یا مقروض نمازی اور مسجد کے قرب وجوار میں رہنے والے مدد کے مستحق غریب آدمیوں کو دینا زیادہ ضروری ہے، مسجد سادہ رہے تو افضل ہے۔

حسد

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اور صدقہ گناہوں (کی آگ) کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی (دنیا کی) آگ کو بجھا دیتا ہے، نماز مومن کا نور ہے اور روزہ جہنم سے (بچانے والی) ڈھال ہے۔''

ظلم وزیادتی

حضرت ابوبکرہ (نفیع بن حارث ثقفی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''زیادتی اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جس کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی جلدی دے دیتا ہے جب کہ اس کے ساتھ اس کے لئے آخرت کا عذاب بھی سنبھال رکھتا ہے۔''

فوائد ومسائل:۔

ظلم وزیادتی سے پرہیز کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اسلام کی اہم خوبی عدل اور رحم ہے۔

ظلم اور رشتہ داروں سے بدسلوکی کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی، خواہ ظلم کسی انسان پر کیا جائے یا کسی حیوان پر۔

جلد ثواب

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''سب سے جلدی ثواب نیکی اور صلہ رحمی (رشتہ داروں سے حسن سلوک) کا ملتا ہے اور (اسی طرح) سب سے جلدی سزا زیادتی اور قطع رحمی (رشتہ داروں سے بدسلوکی) کی ملتی ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''انسان کے لئے اتنی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، (یا اسے حقیر جانے)۔''

فوائد ومسائل:۔

مسلمان کو ذلیل کرنا یا اسے حقیر اور کم تر سمجھ کر بدسلوکی کرنا بہت بڑا جرم ہے۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی میں صرف

یہی عیب ہو، کوئی اور عیب نہ ہو تو اسے برا آدمی قرار دینے کے لئے یہی عیب کافی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ تواضع اختیار کرو اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔''

فوائد و مسائل:۔

مسلمان پر ہر قسم کی زیادتی کرنا حرام ہے۔

احتیاط اور تقویٰ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت عطیہ (بن عروہ) سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بندہ تقویٰ کے (بلند) مقام تک نہیں پہنچتا حتیٰ کہ حرج والی چیز سے بچنے کے لئے وہ چیز بھی چھوڑ دے جس میں حرج نہیں (لیکن شک ہے کہ شاید منع ہو)۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا۔

''کون سا آدمی افضل ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہر صاف دل والا، سچی زبان والا۔''

صحابہؓ نے عرض کیا۔

''سچی زبان والا تو ہم جانتے ہیں، صاف دل والا کون ہوتا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''پرہیزگار، پاک باز، جس (کے دل) میں نہ کوئی گناہ ہو، نہ زیادتی، نہ کینہ، نہ حسد۔''

فوائد و مسائل:۔

دل کی صفائی اور پاکیزگی آخرت میں نجات کا باعث ہے۔

متقی آدمی دوسروں سے افضل ہے۔

کینہ کا مطلب ہے دل میں ناراضی رکھنا تاکہ موقع ملنے پر بدلہ لیا جاسکے، یہ بہت ہی بری عادت ہے۔

اللہ کا ڈر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مجھے ایک فرمان، اور عثمان راوی نے کہا ایک آیت معلوم ہے، اگر سب لوگ اس پر عمل کر لیں تو ان کے لئے کافی ہو جائے۔''

صحابہؓ نے عرض کیا۔

''اللہ کے رسول کون سی آیت؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یہ آیت ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا۔

ترجمہ:۔ جو کوئی اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لئے (ہر مشکل سے) نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے۔''

اچھی رائے عامہ

حضرت ابوزہیر (معاذ بن رباح) ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نباوہ یا بناوہ کے مقام پر ہم سے خطاب فرمایا۔

''یہ مقام طائف کے قریب ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہوسکتا ہے تم جنتیوں ور جہنمیوں کو الگ الگ پہچان لو۔''

ہم نے عرض کیا۔

''اللہ کے رسول! کس علامت سے؟''

فرمایا۔

''اچھی رائے کے اظہار سے اور بری رائے کے اظہار سے، تم ایک دوسرے پر اللہ کے گواہ ہو۔''

فوائد و مسائل:۔

نیک متقی آدمی اسی کی تعریف کرسکتا ہے، جس میں وہ واقعی اچھی صفات دیکھے کیونکہ متقی خوشامد اور چاپلوسی نہیں کرسکتا۔

نیک متقی آدمی اسی کو برا کہے گا، جس میں واقعی بری عادات موجود ہوں کیونکہ وہ جھوٹ بول کے کسی کو بدنام نہیں کرتا۔

اچھی تعریف (یا لوگوں کی اچھی رائے) سے مراد ہر قسم کے عوام کی رائے نہیں بلکہ توحید و سنت پر کاربند نیک لوگوں کی رائے مراد ہے، جن میں سب سے بلند مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے، لہٰذا جس شخص کے بارے میں ایسے عظیم افراد اچھی رائے رکھتے ہوں، وہ یقیناً نیک اور جنتی آدمی ہوگا۔

خوارج، معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کے گمراہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ صحابہؓ اور تابعین نے ان کی آراء کو غلط قرار دیا ہے اور پوری قوت سے ان کی تردید فرمائی ہے۔

اچھا کام

حضرت کلثوم (بن علقمہ) خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی نے حاضر ہو کر عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول! جب میں نیکی کروں تو مجھے کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ میں نے اچھا کام کیا ہے اور جب میں گناہ کر بیٹھوں تو کیسے معلوم ہوگا کہ میں نے برا کام کیا ہے؟''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب تیرے ہمسائے کہیں، تو نے اچھا کام کیا ہے تو (یقین کرلے کہ) تو نے اچھا کام ہی کیا ہے اور جب وہ کہیں تو نے برا کام کیا ہے تو پھر تو نے برا کام ہی کیا ہے۔''

فوائد و مسائل:۔

عام نیکیاں اور برائیاں ایسی ہیں کہ عام مسلمان انہیں اس حیثیت سے پہچانتے ہیں، خواہ عملی طور پر وہ نیکیوں میں سست اور برائیوں کے عادی ہوں۔

اخلاقی خوبیاں اور خامیاں سب سے زیادہ ہمسایوں کو معلوم ہوتی ہیں، جب کسی شخص کو معلوم ہوا کہ ہمسائے اسے اچھا نہیں سمجھتے تو اسے چاہیے کہ اپنی اصلاح کی کوشش کرے۔

آج کل علم کی کمی کی وجہ سے اور غلط رسم و رواج زیادہ ہو جانے کی وجہ سے بعض اچھے کام چھوٹ گئے ہیں، جب اس پر عمل کیا جائے تو عوام تنقید کرتے ہیں اور بعض غلط کام ایسے مشہور ہو گئے ہیں کہ لوگ انہیں شرعی حکم سمجھ کر عمل کرتے ہیں، جب ایسی بدعت سے اجتناب کیا جائے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ سنت کا انکار کیا جارہا ہے، ایسے مسائل میں عوام کی رائے کو اہمیت حاصل نہیں بلکہ ایسے علماء سے دریافت کرنا چاہیے جو صحیح اور ضعیف احادیث میں امتیاز کرسکتے ہیں اور قرآن و حدیث کی نصوص سے مسائل سمجھ سکتے ہیں، محض چٹ پٹی تقریریں کرنے والے واعظوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

☆☆☆

شام حسرتوں کی شام

رات تھی جدائی کی

صبح صبح ہرکارہ

ڈاک سے ہوائی کی

نامۂ وفا لایا

پھر تمہارا خط آیا

پھر کبھی نہ آؤ گی

موجۂ صبا ہو تم

سب کو بھول جاؤ گی

سخت بے وفا ہو تم

دشمنوں نے فرمایا

دوستوں نے سمجھایا

پھر تمہارا خط آیا

ہم تو جان بیٹھے تھے

ہم تو مان بیٹھے تھے

تیری طلعت زیبا

تیرا دید کا وعدہ

تیری زلف کی خوشبو

دشت دور کے آہو

سب فریب سب مایا

پھر تمہارا خط آیا

ساتویں سمندر کے

ساحلوں سے کیوں تم نے

پھر مجھے صدا دی ہے

دعوت وفا دی ہے

تیرے عشق میں جانی

اور ہم نے کیا پایا

درد کی دوا پائی

درد لا دوا پایا

کیوں تمہارا خط آیا

☆☆☆

ایک دن حنا کے ساتھ

مہمان ـــــــ قرۃ العین رائے

قاری کا منصف سے دلی و جذباتی تعلق ہوتا ہے، ایسا تعلق جوان کے دلوں کو جکڑے رکھتا ہے، ہماری قارئین بھی مصنفین سے ایسی ہی دلی وابستگی رکھتی ہیں اور وہ مصنفین کے بارے میں جاننا چاہتی ہیں کہ ان کی ذاتی زندگی، خیالات، احساسات وہ جاننا چاہتی ہیں کہ کیا مصنفین بھی عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں یا ان کے شب و روز میں کچھ انوکھا ہے ہم نے قارئین کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک سلسلہ شروع کیا ہے "ایک دن حنا کے نام" جس میں ہر ماہ ایک مصنفہ اپنے ایک دن کا احوال لکھیں گی کو صبح آنکھ کھلنے سے لے کر رات نیند کو خوش آمدید کہنے تک وہ کون کون سی مصروفیات ہے لکھنے کے علاوہ جو وہ انجام دیتی ہے، امید ہے آپ کو یہ سلسلہ پسند آئے گا۔

فوزیہ شفیق

السلام علیکم ڈیئر قارئین!

"فوزیہ جی آپ کی شرارتیں!" فوزیہ جی بالکل کسی بن بلائے اہم مہمان کی طرح کوئی فرمائشیں لئے آدھمکتی ہیں اور ہماری حالت اس میزبان کی طرح ہوتی ہے جو اسی دن ملگجا حلیہ لئے گھر کو اتھل پتھل کیے بڑے اہتمام کے ساتھ ہر سو پھیلاو بکھرائے سلیقہ مندی اور نفاست کے تمام اعلیٰ ثبوت توڑتے ہوئے مہمان کو ہارٹ اٹیک بھی دے سکتا ہے پر وہ کیا ہے کہ فوزیہ جی ہمیشہ ہمیں اپنی میٹھی پیاری شخصیت کے ساتھ سرپرائز دینے کو تیار رہتی ہیں ہم جو اتنے مزے سے ایک افسانہ بھجوا کر دوسرے افسانے کو بھی کبھار موڈ کے ساتھ لکھتے ہوئے پرسکون سے تھے فوزیہ جی کے SMS نے وہی حالت کی جو اوپر بیان کی ہے ہڑبڑا کر رہ گئے خود کو سنوارے یا گھر کو سمیٹے دو دن تو اسی اڈھیر بن میں گزر گئے کو آپ کو ایک روز کا حال بتائے تو بتائے کس طرح اور فوزیہ جی نے اکیلے تو دھاوا بولا نہیں آپ سب پیارے قارئین بھی تو ہماری ایک روز کی زندگی میں جھانکنے کو بے تاب کھڑے ہیں تو آیئے پھر پورا ایک دن گزاریے ہمارے ساتھ اچھا یا برا، مزے کا یا بورنگ یہ آپ پر چھوڑا۔

صبح تو جناب صبح سویرے ہی ہوتی ہے (درمیان میں میرے اپنے بارے میں ہمدردانہ غم ناک اور کہیں خوش ناک تبصروں سے بھی لطف اندوز ہوتے رہیے گا ایکسٹرا ٹرٹ کا ہے)۔

ہاں تو ہم نے ابھی ایک فلسفہ جھاڑا تھا (جو آپ کی طرح میرے سر سے بھی گزر گیا، میری باتیں دوسروں کے ہی نہیں میرے اپنے سر سے بھی گزر جاتی ہیں لہٰذا اپنی ذہانت پر مشکوک مت ہویئے گا)۔

کہ صبح تو ہماری صبح کے ساتھ ہی ہوتی اور آج تک سمجھ نہیں آیا کہ یہ صبح اتنی جلدی کیوں ہوتی ہے اصل میں نائٹ پرسن ہوں (میری زندگی کا المیہ، آگے معلوم ہو جائے گا۔)

Early riser بالکل نہیں مگر مجھے فجر کی اذان کے ساتھ اٹھنا ہوتا ہے اور سردیوں میں تو اور دشوار ہے میرے لئے میں تو روز کمبل کو چھوڑتی ہوں مگر کمبل مجھے ہرگز نہیں چھوڑتا عالم تو یہ ہے کہ الارم ہمیشہ پندرہ بیس منٹ پہلے کا لگاتی ہوں تاکہ پندرہ بیس منٹ سولوں خیر فجر کے وقت اٹھنے کی وجہ نماز ہے اور اس کے بعد تلاوت قرآن پاک کوشش ہوتی ہے کہ روزانہ ہو مگر سردیوں میں یہ روز کا معمول نہیں ادھر نماز پڑھی اور ادھر کمبل میں گھس کر تسبیح کرتے ہوئے دس پندرہ منٹ کی جھپکی لے لی آہ بے حد حسرت ہے کہ نماز کے بعد ایک گرم پرسکون نیند لے سکوں پر یہ ممکن نہیں اب آپ جلدی جلدی میرے ساتھ دوڑے لگائے اور اتنی تیزی کے ساتھ بھی نہیں بھئی گرنا نہیں سنبھل کر ناشتہ بنانا ہے، بیٹی کو جگانا ہے ناشتہ بنانا بے حد آسان بیٹی کو سکول کے تیار کرنے تک کا مرحلہ پہاڑ چڑھنے کے مصداق ہے تو پانچ سال کی لیکن غلطی سے بھی چھوٹی بچی مت کہیے گا محترمہ شدید خفا اور اس شخص کی ہمیشہ کے لئے جانی دشمن بن جاتی ہیں، جو انہیں "چھوٹی سی گڑیا" چھوٹا بچہ یا بچی جیسے القاب سے نوازے بقول میاں کے چونکہ یہ میری فوٹو کاپی ہے لہٰذا حرکتیں وہی ہے میں تمہیں بھگتتا ہوں تم اسے بھگتو (لو کر لو بات اور میں دونوں کو بھگتتی ہوں) محترمہ بیس منٹ تک سنک پر کھڑی منہ دھوتی ہیں اور ہم کبھی اسے آوازیں لگانے اور کبھی روٹی بیلنے پر ہوتے ہیں (یاد رکھیے یہ آوازیں شریں اور مدھر آواز میں بالکل نہیں ہوتیں لہٰذا جو قارئین نازک سماعت کے حامل ہیں حفاظتی تدبیر کے طور پر کانوں پر ہاتھ دھرے بھئی اپنے کانوں پر) خیر اک ہنگامہ ہے جو پونے گھنٹے تک چلتا ہے، "لنچ نہیں لے جانا" "مجھے دینا ہے" "لوشن نہیں لگانا" "مجھے لگانا ہے" "دودھ نہیں پینا" "تیری تو اماں بھی پیے گی" (جو کہ ہرگز نہیں پیتی) جیسے تکرار بھرے جملے جاری ہیں "میاں صاحب مجھے دیر ہو گئی" "میری پچکار" "اللہ حافظ" "بائے بائے" گیٹ کھول کر رخصت کیا۔

لیجئے ہر سو خاموشی امن شانتی پھیل گئی ہوں آپ کے حواس بھی پرسکون ہو گئے چلے ٹھیک ہے اب جلدی سے پھلاوے سمیٹتے ہوئے کانوں پر ہیڈ فون لگا کر ایف ایم سننا شروع کیا اور ساتھ ہی جوگرز پہن کر جاگنگ مشین پر جاگنگ شروع آف دنیا کا بے حد بورنگ کام ہے یہ ایکسر سائز وغیرہ لیکن کرنی ہے تو چلے ہو جائے شروع آدھے گھنٹے بعد دودھ والا آ گیا (اللہ تیرا بھلا کرے جان چھوٹی) دودھ رکھا چولہے پر ابالنے کے لئے اور ساتھ ہی چائے گرم کر کے ناشتہ کیا اور چائے پیتے ہوئے ہفتہ وار میگزین سے لطف اندوز ہونا اچھا لگتا ہے تب تک میڈ آ جاتی ہے اور اسے کام سمجھایا ساتھ میں اس پر نظر رکھی اور اب کچھ وقت میرا اپنا ہے ڈیئر قارئین میں نہایت ہی غیر مستقل مزاج ہوں روز ایک جیسا میں ہرگز نہیں گزار سکتی مجھے ہر روز چینج چاہیے لہٰذا اس وقت میں موڈ ہو تو

ٹی وی دیکھتی ہوں یا نیٹ پر سرچ وغیرہ اپنے کسی افسانے کی ٹاپک کے لئے یا پھر اپنے اور بیٹی کے کپڑے سینا جو بقول میری نندوں اور ساس کے کہ کس بوتیک سے کم سلے نہیں ہوتے (شوخی نہیں ہے) یا پھر پینٹنگ کا موڈ ہے تو وہ کرتی ہوں یا کوئی شو پیس بنانا، فلاور میکنگ کرنا وہ ہوتا ہے اگر موڈ ہوں تو افسانہ بھی لکھتی ہوں لکھنے کا میرا کوئی مخصوص ٹائم نہیں اس کے لئے میں اپنے موڈ اور آمد کی پابند ہوں موڈ ہو گا تو چلتے ٹی وی کے پاس بھی سب کے دوران لکھتی چلی جاؤں گی ورنہ رات کی تنہائی میں بھی لکھتی ہوں یا کبھی کوئی کتاب پڑھنا۔

خیر آج کل دعا کے فراک سینے ہیں لہٰذا نیٹ سے اچھا سا ڈائزین دیکھ کر اور پہلے سے اپنا مائنڈ میں تیار خاکے کو اس کپڑے پر اتارتی ہوں کاٹ کر سلائی شروع اور میرے ان تمام مشاغل میں اب جنون شامل ہو جائے جب تک ختم نہ کر لوں اٹھتے بیٹھتے اسی کا خیال پھر جناب آ گئے دوپہر کے کھانے پر آج کل سردیوں میں خوب سبزیوں کی بہار آئی ہوئی سو سبزیاں پک رہی ہیں فش کا بھی لطف لیا جا رہا ہے، میں مائنڈ میں ہفتہ بھر کا مینو سیٹ رکھتی ہوں لہٰذا آج کیا پکاؤں جیسے الجھے سوال میں اپنا وقت ہرگز برباد نہیں کرتی، آج میرا موڈ گاجر، مٹر، آلو کے ساتھ بھری مرچیں پکانے کا ہے جو ویجی ٹیرئین ہیں آ جائے کچن میں۔

نہیں وہ صبر کرئے ویسے آپس کی بات ہے میں بھی ہرگز ویجی ٹیرئین نہیں ہوں لہٰذا سبزیاں کبھی خوش ہو کر نہیں کھاتی لیکن میاں نے پیار سے میری اس عادت کافی سدھار لیا ہے (اور بھی بہت سے عادتوں کو سدھارا ہے ان سے پوچھے گے تو زخم ہرے ہو جائیں گے اور لمبا کھاتہ کھلے گا لہٰذا اس بات کو ٹھپ ہی رہنے دے) ارے آپ مجھے بگڑی شخصیت ہرگز مت سمجھیئے گا بس میں شدت پسند ہوں، حد سے زیادہ حساس ہوں، لوگوں کے دوہرے رویوں پر گھبرا جانے والی اور کھانے پینے کے معاملے میں خود حد درجہ لاپرواہ، سو میری ایسی باتوں کو وہ ہی کنٹرول کرتے ہیں صبح بھی فروٹ وہ کاٹ کر دیتے ہیں تو کھا لیتی ہوں ورنہ نہیں کوکنگ ہو گئی جھٹ پٹ ساتھ ہی موبائل پر ایف ایم پر نئے گانے سننا مجھے پسند ہے نماز کا وقت حلیہ سنوار کر نماز پڑھی اتنے میں طوفان آنے کی مانند گیٹ سے باہر ہی بیٹی کی فرمائشوں کی بلند آواز آنا شروع ہو جاتی ہے، شوہر صاحب تو کھانا کھا کر پھر کام پر چلے جاتے ہیں عصر کی نماز پڑھ کر اور اب میرا سارا وقت میری بیٹی کا اس کے ساتھ کھیلنا ہے، کارٹون دیکھنے ہیں، کمپیوٹر پر گیم کھیلنی ہے، یا باربی موویز دیکھنی سب میں اس کے ساتھ کرتی ہوں اور پھر اسے پڑھانا بھی ہے جو جوئے شیر لانے کے مصداق ہے ماشاءاللہ بہت ذہین پر اماں کی طرح بے حد موڈی موڈ ہو تو بہت اچھی رائٹنگ کے ساتھ نیٹ ہوم ورک موڈ نہیں تو بس چل چلاؤ دعا کے سکول جانے کے بعد اپنی ذاتی مصروفیات میں مشغول ہوتی ہوں لیکن دعا کے آنے پر صرف اس کی مصروفیات میں مشغول رات کا کھانا خرم (میاں صاحب) آنے پر ہم کھاتے ہیں جو تقریباً ساڑھے چھ بجے کا وقت ہوتا ہے تھوڑی دیر تک مزید کارٹون دیکھے جاتے ہیں کہ دعا کی موجودگی میں، میں ٹی وی پر اور کوئی پروگرام نہیں دیکھتی سوائے اس کے پسند کے کارٹون کے علاوہ کہ ہمارے اپنے کچھ ڈرامے (افسوس اور معذرت کے ساتھ) اب

بچوں کے ساتھ دیکھنے والے نہیں رہے وہ سو جاتی اور اسے سلانے کا کام اس کے بابا کا ہے اس دوران چیزیں سمیٹتی ہوں اور عشاء کی نماز پڑھتی ہوں اللہ کا فضل ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے ہیں اور پھر میرا بیڈ روم جو خرم کے خراٹوں سے لرز رہا ہوتا ہے جا کر جگاتی ہوں نماز پڑھنے کا کہتی ہوں اس دوران ٹی وی پر کوئی اچھا سا پروگرام دیکھتی ہوں اور پھر ان کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد انہیں نیم گرم دودھ دیتی ہوں اور ان کی گھوری پر خود بھی پیتی ہوں ساتھ میں ہلکی پھلکی گپ شپ اور پھر سونے کی تیاری ڈیئر قارئین یہ تو میرا آج کل کا معمول ہے ویسے ہمارا ویک اینڈ بالکل مختلف ہوتا ہے اس روز ہم یا تو دعا کے ددھیال چلے جاتے ہیں یا ننھیال اور وہاں جا کر میرے معمول اور طرح سے ہیں بڑی بہو اور بڑی بیٹی ہونے کے ناطے میں اپنی ذمہ داریوں کو باخوبی نبھاتی ہوں اس لئے میرے سسرال والے اور میکے والے سبھی مجھ سے مطمئن ہیں وہاں جا کر میں انہیں کے رنگ میں رنگ کر ہلکے پھلکے انداز میں معمول گزارتی ہوں اپنے سامنے والے کو Comfortable رکھتی ہوں اور پریکٹیکل رہتی ہوں اس لئے وہ مجھ سے خوش میں ان سے خوش یہ سب اپنی شادی شدہ بہنوں کو ٹپ کے طور پر بتایا ہے، اس کے علاوہ آؤٹنگ کرنا، سردی میں دھند میں لانگ ڈرائیونگ پر جانا، ڈھابے سے چائے پینا، سب میرے معمولات میں شامل ہے، شاپنگ کرنا جو عموماً میں اکیلی کرتی ہوں میاں کی کرنی ہو تو وہ ساتھ ہوتے ہیں کہ میری چوائس کے ساتھ ہی اپنی چیزیں خریدتے ہیں میں ذرا ایڈونچر پسند بھی ہوں، ان کے واقعات لکھوں گی تو بات لمبی ہو جائے گی، خیر یہ ہے میرا ایک روز کا احوال اور اس ایک روز میں مہمانوں کی آمد بھی رہتی ہے سو ان کے ساتھ بھی روز کے کاموں کو نبٹاتے ہوئے وقت دیتی ہوں اور مجھے مہمانوں کی آمد بہت خوش کرتی جیسی آپ کی ہے یہ ہے قارئین میرے مصروف اور موڈی سے روز و شب

امید ہے آپ کا میرے ساتھ ایک روز اچھا گزرا ہو گا یوں تو زندگی نشیب و فراز کا نام ہے دکھ سکھ ساتھ ہیں لیکن میں نے Depresive باتوں سے دانستہ پرہیز کیا ہے تا کہ مجھ سے آدھی ملاقات آپ کی ہلکے پھلکے انداز میں رہے اور آپ کو مجھ سے مل کر اچھا لگے ہو نہ کہ دل بوجھل، ارے ارے میری بیٹی اور میاں صاحب کی سواری بھی تشریف لے آئی ہے آپ سے باتیں کرتے وقت کا پتہ ہی نہیں چلا اور اب گھر میں اک شور ہے اور ہنگامہ بیٹی کی فرمائشیں میاں کی بظاہر تنگ کرنے والی شرارتیں اور دونوں کا ساتھ دیتی ہوئے میں اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

☆☆☆

ام مریم

انتیسویں قسط کا خلاصہ

زینب، تیمور کی حویلی میں شدید ترین آزمائش سہہ رہی تھی، جسمانی، روحانی اور ذہنی آزمائش مگر اس نے ہر اذیت کو خود پہ سہنے کا عہد، جسے خود سے باندھا تھا جبھی شاہ ہاؤس کے مکینوں تک اس کی اذیت کی خبر نہیں پہنچی، مگر جہان لاشعوری طور پہ بے قرار ہے۔

پرنیاں کی پریگننسی کی خبر شاہ ہاؤس کے ہر مکین معاذ سمیت کو خوشگواری عطا کرتی ہے مگر پرنیاں معاذ کے رویئے کی بدولت اپنا مستقبل غیر محفوظ خیال کرتے اسی خوشی پہ خوش نہیں۔

جہان کی شادی کی تقریبات جاری ہیں مگر وہ ہرگز خوش نہیں ہے، زینب کے منہ سے سن کر کہ وہ خوش نہیں ہے جہان کے وجود کے اندر ببول اگ آئے ہیں۔

مسز آفریدی اپنی فتح پہ نازاں ہیں مگر جہان انہیں قدم قدم پہ احساس دلاتا ہے کہ وہ جیت کر بھی جیت نہیں سکی ہیں۔

پرنیاں تعلیم جاری نہیں رکھنا چاہتی مگر معاذ ہر صورت اسے پڑھائی جاری رکھنے پہ مجبور کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

تیسویں قسط

معصوم محبت کا اتنا سا فسانہ ہے
کاغذ کی حویلی ہے اور بارش نے بھی آنا ہے
کیا شرط محبت ہے کیا شرط دنیا ہے
آواز بھی زخمی ہے اور گیت بھی گانا ہے
اس تک پہنچنے کی امید بہت کم ہے
کشتی بھی پرانی ہے طوفاں کو بھی آنا ہے
عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
یہ اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کر جانا ہے

سردیوں میں دن انتہائی مختصر ہوتے ہیں، ایسا لگتا تھا ابھی دن پوری طرح چڑھا بھی نہیں اور اتر بھی گیا، جب سے وہ یہاں آئی تھی گھر کے چھوٹے چھوٹے کام ہی اسے اتنا مگن اور مصروف رکھتے کہ وقت کا پتہ ہی نہ چلتا، جہان کا ہر چھوٹا بڑا کام وہ خود کرتی تھی اپنے ہاتھ سے، کھانا تیار کرنے سے لے کر اس کے کپڑے دھونے سے استری کرنے تک، اس وقت بھی وہ کھانا تیار کر کے نکلی تو لان میں درختوں کے سائے لمبے ہو کر زمین پہ دور تک لیٹے نظر آ رہے تھے، سورج افق کے پار اترنے کی تیاری پکڑ رہا تھا، اس کی الوداع کہتی کمزور شعاعوں نے ہر شے کو اپنے رنگ میں ڈھانپ لیا تھا، وہ شال درست کرتی برآمدے کی سمت آ گئی، کچن کے گرم ماحول سے نکل کر یہاں کھلی فضا میں سرد ہوا کے خنک جھونکوں نے اسے ٹھٹھرا کے رکھ دیا اس نے گرم شال سے سر کے ساتھ ساتھ ناک اور ہونٹوں کو بھی ڈھانپا مگر سانس کے ذریعے منہ سے نکلتی بھاپ سرد فضا میں شدت سے محسوس ہونے لگی، نگاہوں کے سامنے سبزہ اور ہریالی تھی، شاہ ہاؤس میں جب پہلی بار اس نے کچن میں مما کے ساتھ ہاتھ بٹانا چاہا تھا تو انہوں نے ایکدم اس کے ہاتھوں کو نرمی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

”نہیں بیٹے! ابھی نہیں، ابھی تو آپ کے ہاتھوں کی مہندی بھی نہیں اتری اور آپ نے کام کا آغاز کر دیا، ہمارے ہاں تو دلہن کا ہاتھ پہلے میٹھے میں ڈلوایا جاتا ہے، کہیں تمہیں جہان نے تو کام کا نہیں کہا؟“ اور ژالے اس درجہ محبت پہ بے اختیار مسکرا دی تھی۔

”ایسی بات نہیں ہے چچی جان میں اپنی مرضی سے کرنا چاہ رہی ہوں، مجھے اچھا لگتا ہے نا۔“ اس کے جواب پہ مما نے اسے نہال سے انداز میں گلے لگا لیا تھا۔

”جیتی رہو بیٹا سدا سہاگن رہو، خدا ہزاروں خوشیوں سے نوازے، بیٹے آپ جہان کی دلہن ہو، جہان اس گھر کا سب سے پیارا اور لاڈلہ بچہ ہے، اس کی دلہن کے لئے تو ہمارے دل میں ارمان ہی بہت ہیں، بس ہم نے سوچا ہوا تھا کہ جب تک جہان کم از کم ایک بچے کا باپ نہیں بن جاتا اس کی دلہن صرف گھومے پھرے گی خوش رہے گی، تم بنا کام کے ہی ہم سے میٹھا بول بولو گی تب ہی ہمارے دلوں پہ چھا جاؤ گی، ہم تو صرف اتفاق اور محبت کے متمنی ہیں بیٹے! روایتی بہوؤں کی طرح کام کی مشقت سہہ کر سسرالیوں کا دل جیتنے کی تکلیف میں پڑنا نہیں پڑے گا تمہیں۔“ وہ جھینپ گئی تھی پھر ان کے ساتھ لگ کر پیار سے اپنی بانہیں ان کے گلے میں حمائل کر دیں۔

”اللہ نے چاہا تو آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی چچی جان!“ پھر جب وہ کمرے میں آئی تھی

تو جہان جیسے اسی کا منتظر تھا، اسے دیکھتے ہی انتہائی درشت سے بولا تھا۔

”چچی جان کی باتوں پہ اوقات سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں، ان کی عادت ہے ہر کسی سے بے لوث محبت کرنا مگر یہاں تمہیں اسی صورت جگہ مل سکتی ہے اگر تم میرے رشتوں کو اہمیت اور محبت دو گی اور یاد رکھنا میں اپنی بات دہرانے کا عادی نہیں ہوں۔“ ژالے نے محض سر کو اثبات میں جنبش دی تھی اور نگاہ بھر کے حکم دینے والے کو دیکھا تھا، گرے کلر کے سوٹ میں وہ اتنا خوبرو لگ رہا تھا گو کہ خود ژالے بھی مکمل حسن کی مالک تھی لیکن اس کے سامنے ایسے دب جاتی تھی جیسے چاند کی روشنی کے آگے ستاروں کی روشنی ماند پڑ جایا کرتی ہے۔

”میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی شاہ!“ جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ اس نے اپنے مخصوص مدھم مگر فرمانبردار انداز میں کہا تھا مگر اس کے باوجود جہان کے چہرے پہ رعونت سی پھیل گئی تھی۔

”مجھے بہت اچھی طرح سے اندازہ ہے جتنی اچھی ہو تم۔“ وہ خواہ مخواہ جھلایا تھا، اسے ہمیشہ اس پہ غصہ آتا رہتا تھا جو اس کی حد درجہ بے زاری اور نفرت کا ہی غماز ہو سکتا تھا، یہاں آنے کے بعد تو وہ اس نفرت کے اظہار کو اور بھی آزاد ہو گیا تھا، ژالے اس روز سے الگ کمرے میں سو رہی تھی، شاید وہ اس کی شکل دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا، ہارن کی آواز پہ ژالے نے چونکتے ہوئے گردن موڑی، جہان کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی، پھر وہ پورٹیکو سے اسے اسی جانب آتا نظر آیا، بلیک ٹو پیس میں اس کی رنگت دہک رہی تھی اور آنکھوں میں گویا خون سا اتر آیا تھا، اسے سرے سے نظر انداز کیے وہ اس کے پاس سے ہو کر اندر چلا گیا، وہ اپنے ٹائم سے پہلے گھر آیا تھا، اس کے چہرے پہ ایک نگاہ ڈال کر ہی ژالے کو اس کی طبیعت کی خرابی کا اندازہ بخوبی ہو گیا تھا، کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ کچن میں آ گئی، کچھ عجلت میں چائے بنائی اور ٹرے سجا کر اس کے کمرے میں آ گئی، جہان کمبل میں گھسا ہوا بری طرح سے چھینک رہا تھا۔

”یہ چائے لیجئے۔“ اس نے ٹرے میز پہ رکھی تھی۔

”یہ دراز کھولو، اس میں وکس بام ہوگا، نکال کر لے آؤ۔“ جہان اتنی سی بات کے دوران تین بار چھینکا تھا، ژالے نے پلٹ کر دراز سے بام نکالی تھی۔

”کب سے خراب ہے آپ کی طبیعت؟ دوا لی؟“ اسے بے چین اور تکلیف میں محسوس کر کے ژالے کی اپنی جان گویا مٹھی میں آ گئی تھی۔

”یہ چائے واپس لے جاؤ۔“ جہان نے اس کے ہاتھ سے وکس کی شیشی اچک کر اس کے سوال نظر انداز کر دیئے تھے، ژالے کچھ متذبذب سی کھڑی رہ گئی۔

”اب کیا ہے؟“ جہان نے اسے سر پہ سوار دیکھ کر شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے تلخی بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

”م...... میں بام لگا دیتی ہوں۔“ اس نے جھجک کر کہا تھا مگر جواب میں جہان کی آنکھیں سلگ اٹھی تھیں۔

”آؤٹ، میں جانتا ہوں بہت گریز ہے تمہیں میرے نزدیک آنے کا مگر......“ ہاتھ سے دروازے کی سمت اشارہ کرتے ہوئے وہ حلق کے بل چلایا، ژالے کا چہرا فق ہو کر رہ گیا، یہ جہان کی تلخی اور توہین

کی انتہا تھی گویا۔

ژالے تیزی سے چھلکتی آنکھیں لئے اندھا دھند باہر بھاگی تھی اور باہر برآمدے کی سیڑھیوں پہ ٹھنڈ کی پرواہ کیے بغیر بیٹھ کر روتی رہی، موسم شدید ہوا تھا مگر وہ اندر نہیں گئی، وہ خود کو معاف نہیں کر سکتی تھی اس محبت پہ جس نے اتنی ذلت اس کا نصیب ٹھہرادی تھی، اس رات ہوائیں بھی اس سے ٹکرا ٹکرا کر بین کرتی رہی تھیں، بارش کی بوندیں اس کے آنسوؤں کے ساتھ مل کر اپنا وجود کھوتی رہیں وہ سردی کے باعث ٹھٹھرنے لگی مگر اندر نہیں گئی، دوسری جانب جہان تھا، خود اپنے آپ سے جنگ میں مصروف، پتہ نہیں وہ خواہش کے باوجود اس کی اس انداز میں تذلیل کیوں نہیں کر پا رہا تھا جیسا اس نے سوچا تھا، پتہ نہیں وہ کیوں اتنی مقدس لگتی تھی کہ وہ اس کا احترام کرنے پہ خود کو مجبور پاتا تھا، وہ اچھی نہیں تھی بری تھی اس میں شک تھا نہ گنجائش، پھر وہ اسے برباد کرنے انتقام کی آگ بجھانے کی خواہش پہ عمل پیرا کیوں نہیں ہو پاتا تھا، ایسے میں اسے پپا اور معاذ کی باتیں یاد آتیں جو انہوں نے اس کی معصومیت اور کردار کے متعلق کی تھیں تو کچھ اور جھنجلا جاتا حالانکہ پرسوں رات جب اس نے اس کے اسی پاکیزگی اور معصومیت کو پرکھنے کو ایک حربہ آزمایا تھا تو کتنا گھبرا گئی تھی وہ، جہان نے جو مووی لگا کر اسے دیکھنے پہ مجبور کیا تھا، وہ اس قابل ہرگز نہیں تھی کہ وہ خود بھی دیکھ سکتا مگر اس نے ژالے کو اس کام پہ مجبور کیا تھا، وہ اس کی سوچ اور ارادے سے انجان تھی عام مووی سمجھ کر بھی وہ انکار کرتی رہی تھی۔

"مجھے مووبز پسند نہیں ہیں شاہ! میں نے کبھی مووبز نہیں دیکھیں۔" جہان کو ظاہر ہے اس کی بات پہ یقین نہیں آسکا تھا، جبھی ہونٹوں کی تراش میں تلخی بھری مسکان بکھر گئی تھی۔

"یہ مووی کچھ الگ ہے، آئی ایم شیور تمہیں پسند آئے گی۔" اس کے اتنے اصرار کے آگے ژالے نے ہار تسلیم کرلی تھی، مگر جب مووی اسٹارٹ ہوئی تو پہلی نظر ڈال کر ہی ژالے نے فق چہرے کے ساتھ اسے دیکھا تھا اور پھر فی الفور اس سے بھی نگاہ پھیر لی تھی، جہان نے دیکھا تھا اس کا چہرا دھواں دھواں تھا اور ہونٹوں پہ کپکپاہٹ تھی کچھ کہے بغیر وہ منہ پہ ہاتھ رکھے جیسے ہی اٹھ کر بھاگی جہان نے سرعت سے اسے دبوچ لیا تھا۔

"مجھے چھوڑ دیں، جانے دیں مجھے۔" وہ وحشت زدہ سی چیخ اٹھی تھی، اس کا سارا وجود تیز ہواؤں کی زد پہ آئے ہوئے پتے کی طرح سے لرزتا تھا۔

"کیوں جانے دوں؟ یہ سب کچھ تمہارے لئے ہرگز میں نیا نہیں ہے، جبھی تو تم سے اپنے جذبات نہیں سنبھالے گئے اور تم نے اتنی گھٹیا پلاننگ کر کے مجھے حاصل کرلیا، بہت پسند تھا نا میں تمہیں؟ اب ہوں تمہارے پاس، اپنی اداؤں سے راغب کرو نا مجھے اپنی طرف۔" وہ برس پڑا تھا، اس کے آہنی ہاتھوں کا وحشیانہ دباؤ ژالے کی ساری مزاحمتی صلاحتیں بے کار کر رہا تھا مگر وہ پھر بھی اس کی گرفت میں مرغ بسمل کی طرح سے تڑپ اٹھی تھی۔

"مجھے معاف کر دیں شاہ! میں ایسی نہیں ہوں، میں قسم کھا سکتی ہوں آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔" وہ کتنی شدتوں اور بے قراری سے روتی اپنی صفائیاں پیش کرتی رہی تھی، جہان نے طیش نفرت اور برہمی کے عالم میں اس کے منہ پہ زناٹے دار تھپڑ پے در پے مارے تھے۔

"تم سولی پہ چڑھ کر بھی مجھے اپنی بے گناہی کا یقین دلاؤ گی تو میں یقین نہیں کروں گا، اب دفع ہو

جاؤ یہاں سے۔" جہان نے شدید جھلاہٹ کی کیفیت میں اسے بیڈ سے دھکیل دیا تھا، وہ منہ کے بل گری تھی مگر پلٹ کر دیکھے بغیر وہاں سے بھاگ گئی تھی، جہان کے اندر ایک عجیب سی کیفیت اتر آئی تھی، اگر وہ واقعی نفس پرست تھی تو پھر اس موقع پہ اس سے وہ اپنی اصلیت چھپا نہیں سکتی تھی کہ اس جیسے مردانہ وجاہتوں کی سحر انگیزی سے بھرپور مرد کے ساتھ اس ماحول اس درجہ قربت میں بھی وہ بہکنے کی بجائے ہراساں اور سراسیمہ ہوتی رہی تھی حالانکہ وہ اس کا محرم تھا، وائے......؟ وہ سوچ سوچ کر پاگل ہوتا رہا، وہ واقعی معصوم تھی یا پھر بہت گھاگ اور پختہ تھی اپنے کام میں، مگر جانے کیوں دوسری بات پہ دل آمادہ نہیں ہوتا تھا، وہ جھنجلاتا رہا تھا، اسے اس حرکت کے اس پرکھ کے بعد ژالے کے مقابلے میں اپنا وجود بونا سا لگنے لگا تھا، وہ تو شبنم کی طرح پاکیزہ تھی، اس کی دعوت برائی پہ بھی نہ بہکنے نہ بھٹکنے والی، جہان کو اس کی یہ مضبوطی ہی خار دلا رہی تھی جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی، اندازہ غلط ثابت ہوا تھا تو گویا وہ جھوٹا ثابت ہوا تھا، اس کی انا کو یہ گوارا نہیں تھا، جبھی وہ اس کے وجود کے ٹکڑے کر دینا چاہتا تھا، اس دن سے اب تک وہ اسی تلخی اسی کڑواہٹ میں مبتلا تھا، یہ ذہنی خلفشار ہی تھا جو بخار کی صورت ظاہر ہوا تھا اور اس نے اپنی کچھ اور کڑواہٹ اس پہ نکال دی تھی مگر اب آرام سے سونے کی بجائے بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا تو وجہ اس کی فطری، رحم دلی اور خدا ترسی ہی تھی، آج تک اس نے بے جا کسی پہ زیادتی کی تھی نا دانستہ دکھ پہنچایا تھا، مسز آفریدی کی حرکات نے اسے منتقم مزاج ضرور بنایا تھا مگر اس کے اندر کی اچھائی بہرحال ختم نہیں ہوئی تھی، کچھ دیر مزید کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد وہ بالآخر بستر چھوڑ کر اٹھ گیا، ژالے کی تلاش میں پہلے اس نے ساتھ والا کمرا دیکھا تھا، جہاں تاریکی تھی، اس نے لائٹ آن کی، کمرا سنسان اور بستر بے شکن تھا، جہان کا دل دھک سے رہ گیا، اگر وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی تو پھر کہاں تھی، وہ سرعت سے باہر آیا تو باہر کی سرد ہواؤں نے اس کی شرٹ کے بغیر وجود کو یکدم ٹھٹھرا کے رکھ دیا مگر وہ پرواہ کیے بنا ایک ایک کمرا دیکھتا تیزی سے برآمدے کی جانب آیا تھا، وہاں اندھیرا تھا اور بارش کی بوچھاڑ کے باعث نمی کا احساس معاً نیم تاریکی میں اسے ٹھوکر لگی تھی جہان نے گرنے سے سنبھلنے کی خاطر ستون کا سہارا لیا تھا، تب ہی اسی ستون کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی وہ اسے نظر آ گئی تھی۔

"ژالے!" وہ بری طرح چلایا مگر جواب ندارد تھا، جہان نے غصے میں اس کا کاندھا جھنجھوڑ ڈالا جس کے نتیجے میں وہ ایک طرف کو لڑھک گئی تھی، جہان کی ریڑھ کی ہڈی میں کسی خیال نے سرد لہر دوڑا دی تھی، اس کے سرد وجود کو بانہوں میں سنبھالے وہ تیزی سے اندر لپکا تھا، کمرے میں لا کر اسے لٹایا اور کمبل اوڑھنے کے بعد پلٹ کر ہیٹر کی اسپیڈ بڑھائی تھی، وہ بالکل سن ہو رہی تھی سردی کے باعث ہونٹ بھی نیلے تھے اور سانس تھم تھم کے آتی تھی، جہان کو تو صحیح معنوں میں لینے کے دینے پڑ گئے تھے، گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں وہ اسے ہوش میں لانے کو مختلف تدابیر کرتا رہا تھا، تب کہیں جا کے اس کی حالت سنبھلنے لگی تھی، جس پل اس نے لرزتی پلکوں والی آنکھوں کو نیم وا کر کے جہان کو دیکھا وہ اس کی پیشانی پہ بام کا مساج کر رہا تھا۔

"وہاں اتنی ٹھنڈ میں جا کر اس لئے بیٹھ گئیں تھیں کہ مر مرا کے مجھے پھانسی کے پھندے پر چڑھا جاؤ، یعنی جاتے جاتے بھی میرے لئے مصیبت کھڑی کرنا ضروری تھا۔" وہ اتنا جھلاہٹ زدہ تھا کہ اس کی حالت کی پرواہ کیے بغیر ڈانٹتا چلا گیا تھا، ژالے نے جواب میں کچھ نہیں کہا، وہ بس اس احساس اس

توجہ کو محسوس کرتی وجود میں زندگی کے احساس کو بیدار ہوتا پاتی رہی تھی۔

"ہونا تو یہی چاہیے تھا کہ یہ خودکشی میں تمہیں کرنے دیتا مگر میں تمہاری طرح گمراہ ہوں نہ ہی بے حس، آج تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں اس لئے یہاں لیٹی رہو، کل اپنی جگہ پہ چلی جانا۔" اس نے احسان جتلانا ضروری سمجھا تھا، ژالے پھر بھی کچھ نہیں بولی، بس اسے دیکھتی رہی، جہان نے لیٹنے کے بعد آنکھوں پہ بازو رکھ لیا، اس کا غضب کی مردانگی لئے شاندار سراپا بھرپور تحفظ اور اپنائیت کا احساس دلاتا اس کے نزدیک تھا، وہ اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوتی رہی، پھر جب اس نے اپنے طور پہ یہ محسوس کیا تھا کہ وہ سو گیا ہے تو ژالے بہت آہستگی سے اپنی جگہ سے سرکی تھی اور درمیانی فاصلہ گھٹا کر اس کے نزدیک آ گئی، اپنا سر اس کے کاندھے پہ رکھا تھا اور مسکراتے ہوئے سکون سے آنکھیں موند لیں، اس کے بعد وہ اتنی مطمئن ہوئی تھی کہ اسے گہری نیند کی آغوش میں اترنے میں محض چند منٹ درکار تھے اور جہان جو سو نہیں رہا تھا، اس کے اس طرح نزدیک آنے پہ سناٹے کی زد پہ آ گیا تھا دم سادھے اس کے اگلے اقدام کا منتظر تھا مگر چند لمحوں بعد اس کے ہموار سانسوں کا زیر و بم اس کی گہری نیند کا پتہ دینے لگا تو جہان کے جسم کا تناؤ ڈھیلا پڑ گیا تھا، اس نے گہرا سانس کھینچا تھا، نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں اس کے ساتھ لگ کر بے خبر سوئی، وہ بے حد نازک سی لڑکی اپنی تمام تر معصومیت اور پاکیزگی کے ساتھ اتنی دلربا لگ رہی تھی کہ اسے دیکھتے جہان کو ایک بار پھر معاذ اور پپا کی باتوں کی بازگشت سنائی دینے لگی تھی، اس کا ذہن الجھاؤ اور تناؤ کا شکار ہونے لگا تو بے اختیار سچائی اور حقیقت کی آگاہی کی خدا سے درخواست کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

"آج آپ کو ڈاکٹر شائستہ کے پاس بھی جانا ہے بیٹے، ذرا آرام کر لو تا کہ شام تک فریش ہو جاؤ۔" وہ ابھی کالج سے لوٹی تھی، معاذ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا جبکہ وہ ان کے پاس کچن میں آ گئی تھی، چہرے پہ صرف تھکن ہی نہیں تھی وہ نڈھال بھی لگتی تھی۔

"آج بھی طبیعت ٹھیک نہیں رہی آپ کی۔" انہوں نے فریش جوس کا گلاس اس کے آگے رکھا اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"وومیٹنگ ہوتی رہی بار بار، سب لڑکیاں وہاں میرا مذاق اڑاتی ہیں مما! مجھے بہت اکورڈ لگتا ہے، کتنا کہا تھا نہیں جانا مجھے مگر زبردستی......" اس کی زبان کو ایکدم بریک لگا، معاذ کچن کے دروازے میں کھڑا تھا، پرنیاں نے گالوں پہ پھسل آنے والے آنسوؤں کو رخ پھیر کے صاف کیا۔

در پردہ رقیبوں سے گلے شکوے نہیں اچھے
تمہیں جو بھی شکایت تھی ہمارے روبرو کرتے

وہ گلا کھنکارتا ہوا اندر آ گیا، مما نے خود کو رقیب کہنے پہ اسے گھورا پھر ہنسی دبا کر اسے ایک دھپ لگائی تھی۔

"شرم تو نہیں آتی آپ کو معاذ ماں کو دشمن بنا لیا؟"

"کیا کروں مام! یہ شعر کچھ ایسے تھا نا۔" وہ سر کھجا کر کہہ رہا تھا۔

"انہیں گلوکوز پلائیں مام اور ساتھ میں یہ تسلی بھی دے لیں کہ ایگزیم کی ڈیٹ شیٹ کنفرم ہو گئی ہے، جلدی جان چھوٹ جائے گی بمعہ سمیت پڑھائی سے بھی۔" اس کا لہجہ بے پناہ سرد ہو گیا تھا، مما نے دہل کر

اسے دیکھا۔

"معاذ کیا کہہ رہے ہو بیٹے؟ خدا سے معافی مانگو، اللہ عمر دراز عطا فرمائے آپ کو۔" وہ جیسے روہانسی ہو گئی تھیں، معاذ کی سلگتی نگاہیں پرنیاں پر تھیں، جو سر جھکائے ساکن بیٹھی تھی۔

"کیوں پریشان ہو رہی ہیں مما! میں کوئی مرنے ورنے کی بات نہیں کر رہا، انہیں ہر وقت پڑھائی کی وجہ سے تنگ کرتا ہوں نا، اس لئے تسلی دے رہا تھا۔" اس نے مما کی تشفی کرائی تھی، مما نے گہرا سانس بھر لیا۔

"نماز کی تو بہت پابند ہیں آپ، دعا کیوں نہیں مانگتیں کہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے جان چھوٹ جائے، ہر معاملے میں کتنا جبر کیا ہے نا میں نے آپ پہ۔" مما کسی کام سے باہر گئیں تو معاذ نے اس کے روبرو آ کر میز کی سطح پہ دونوں ہتھیلیاں جمائیں اور جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتا ہوا زہر خند سے بولا تھا، پرنیاں کے جیسے دل پہ کسی نے بے دردی سے خنجر پھیر دیا، اس نے تڑپ کر آنسوؤں سے چھلکتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

"پلیز انف۔" اس کے ہونٹ کانپے تھے اور دو آنسو بہت بے تابی سے گالوں پہ پھیل گئے۔

"کیا پلیز......؟ ان آنسوؤں کی وضاحت ضرور کیا کرو، بہت اریٹیٹ کرتے ہیں مجھے۔" اس کا لہجہ ہنوز سرد مہر اور بیگانہ تھا، پرنیاں کے آنسوؤں میں شدت آ گئی۔

"دکھ بھی اسی بات کا ہے، آپ نے مجھے کبھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی، خود پرست لوگ آپ جیسے ہی ہو سکتے ہیں۔" اس نے بھراہٹ زدہ آواز میں کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی، معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر کے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

میری لغزشیں نہیں گنا کرو
میری غلطیاں نہ چنا کرو
یہ قدم قدم کی حدود کیا
میرے ساتھ ساتھ چلا کرو
میں کھلے مزاج کا شخص ہوں
میں تکلفات سے ماورا
یہ جو مہربانی کا لفظ ہے
اسے تم نے مجھ سے کہا کرو
کہیں تم نہ ہو جاؤ بے سکوں
کوئی بد دعا نہ تمہیں لگے
یہ جو کھوئے کھوئے سے لوگ ہیں
انہیں دیکھ کے نہ ہنسا کرو
یہ دعا ہے رب رحیم سے
تیری تازگی کو خزاں نہ ہو
یہ بہار تجھ سے جلا کرے

سدا مسکراتے رہا کرو

☆☆☆

اے چاند سنو کچھ بات کہو
تیری بات چلے میری رات کٹے
بات کرو اس رُت کی
بادل، بارش اور مستی کی
یا بات کرو اس بندھن کی
پائل، چوڑی اور کنگن کی
یا بات کرو ان سپنوں کی
جنہیں تم بھی سوچا کرتے ہو
خوابوں میں پوجا کرتے ہو
یا ہوا میں اڑتے آنچل کی
جو جب لہرائے کچھ یاد دلائے
تیرا چین چرائے تیری نیند اڑائے
تم مجھ سے کہو کچھ بات کرو
تیری بات چلے میری رات کٹے

زینب نے بے دلی سے پردہ چھوڑ دیا، تب سے نگاہ کے سامنے کہر میں لپٹا ہوا چاند پردے کی اوٹ میں چھپ گیا اور اس کی آنکھوں سے ستارے بکھرنے لگے، زندگی عجیب سے مقام پہ آ کر جیسے منجمد ہو گئی تھی، تیمور خان جہان کی شادی پہ تو شریک ہوا ہی نہیں تھا بعد میں ڈیڑھ مہینہ ہونے کو آیا تو وہ اسے لینے نہیں آیا تھا اور زینب سب سے نظریں چراتے پھرتی، اس نے متعدد بار تیمور سے خود ڈھیٹ بن کر کہا تھا کہ اگر اس کے پاس ٹائم نہیں ہے تو وہ خود آ جائے گی تیمور نے ہر بار سختی سے ٹوک دیا تھا۔

"میں کہہ رہا ہوں نا زینب ڈلیوری تک تم وہیں رہو گی، ہر تیسرے دن تمہاری طبیعت بگڑی رہتی ہے مجھے ہی لے کر اتنی دور ہاسپٹل بھاگنا پڑتا ہے، سہولیات سے عاری ہیں یہاں سارے ہاسپٹل تو تم جانتی تو ہو۔" وہ کیسے جھلا جھلا کر کہہ رہا تھا، زینب کو خفت کے ساتھ سبکی اور توہین بھی محسوس ہونے لگی تھی۔

"ہمارے ہاں یہ رسم ہے تیمور کہ لڑکی پہلی بار ڈلیوری کے موقع پہ والدین کے گھر ہی آتی ہے مگر وہ لوگ خود شگن وغیرہ کی رسمیں ادا کر کے لے جاتے ہیں۔" وہ منمنائی ہی تھی، یہ نہیں کہہ سکی کہ وہ اسے پہلے ہی دھکا دے چکا ہے۔

"ہاں تو کیا فرق پڑتا ہے اگر تم خود چلی گئیں، اتنی دور کا سفر اس حالت میں بار بار کرنا تمہارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے، تمہیں خود بھی سوچنا چاہیے۔" وہ اسے ڈانٹنے ڈپٹنے لگ گیا تھا اور زینب کی آنکھوں سے بے مائیگی کے احساس سے پانی بہنے لگا تھا، وہ کیسے اس اجڈ بے حس انسان کو سمجھاتی کہ اس کی عزت نفس کس حد تک مجروح ہو چکی ہے، گو کہ یہاں سب نے اسے سر آنکھوں پہ بٹھایا ہوا تھا کسی نے اسے اس کے غلط فیصلے پہ سرزنش کر کے زخموں پہ نمک پاشی نہیں کی تھی بلکہ زخموں پہ مرہم رکھنے کی اپنی سی

کوشش میں مصروف تھے یہ تو زینب ہی تھی جو حساسیت اور ملال کے احساس میں گھرتی سب سے کٹتی جا رہی تھی، دن میں کتنی مرتبہ وہ تیمور کے کسی میسج یا پھر کال کی امید میں سیل فون کو چیک کرتی مگر اس کی امید کبھی بر نہیں آئی تھی، تیمور خان کے محبت کا پرزور دریا اتر گیا تھا، یا شاید وہ محبت تو تھی ہی نہیں اس جذبے یا احساس میں ہوس اور خواہش کا دارومدار زیادہ تھا تبھی بہت جلد وہ اس کے لئے بے کشش ہو گئی تھی، جبکہ زینب کی زندگی میں آنے والا تو وہ وہی تھا جس نے اس کی ساری خواہشیں اور امیدیں ہی نہیں خواب بھی وابستہ ہوئے تھے وہ ان کے ٹوٹنے پہ خود بکھرنے کے عمل سے دوچار تھی، وہ بہت تھکے ماندے سے انداز میں بیڈ پہ آ کر بیٹھی تو اس کا سانس بری طرح سے پھولا ہوا تھا، اس کی ڈلیوری نزدیک تھی تو آج کل ذرا سی مشقت بھی اس کو بے تحاشا تھکن سے دوچار کر دیا کرتی تھی، بستر کے کونے پہ پڑے سیل فون کو اٹھا کر اس نے کچھ تذبذب کی کیفیت میں تیمور خان کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

"ہاں زینب بولو......؟" پہلی سے دوسری بیل پہ کال ریسو کر لی گئی، زینب ایکدم کانشش ہوئی تھی، اسے تو سرے سے اس کی امید نہیں تھی کہ وہ اس کی کال پک کرے گا۔

"کیسے ہیں تیمور آپ؟" گو کہ اس کے اندر دبا دبا جوش اٹھ آیا تھا مگر وہ اس سے بات کرتے وقت اب بہت محتاط رہا کرتی تھی۔

"فائن! تم کیسی ہو؟" آج وہ اسے مسلسل حیران کرنے پہ تلا ہوا تھا، زینب بے ساختہ مسکرائی۔

"آپ یاد آ رہے تھے تو سوچا بات کر لوں۔" زینب نے گویا وضاحت دی جواب میں وہ اس سے کوئی خوبصورت سی بات سننے کی متمنی تھی۔

"اوہ میں سمجھا ہمارا ولی عہد دنیا میں تشریف لے آیا ہے، تم مجھے خوشخبری سنانے لگی ہو۔" تیمور کا لہجہ ہی نہیں انداز بھی بجھ سا گیا تھا، صرف تیمور نہیں خود زینب بھی بجھ کر رہ گئی۔

"ڈلیوری میں تو ابھی خاصے دن ہیں، آپ کو بتائی تو تھی میں نے ڈیٹ۔" اس نے مدھم مگر شکستہ آواز میں کہا تھا، تمام ارمانوں پہ جیسے اوس پڑ گئی تھی۔

"مجھے کہاں یاد رہتا ہے، خیر تم بتا دینا اس وقت مجھے۔" وہ بے نیازی سے بولا تھا جس میں مخصوص قسم کا شاہانہ پن تھا۔

"آپ آ جائیں نا تیمور مجھے ملنے کے لئے۔" وہ بے ساختگی میں کہہ گئی، اتنی رکھائی کے مظاہرے کے بعد اس کی گنجائش نہیں تھی مگر بات صرف انا کی ہی تو نہیں تھی، اسے یہاں بھی اتنے بہت سارے لوگوں میں اپنا بھرم قائم رکھنا تھا جو اسی صورت ممکن تھا۔

"دماغ درست ہے تمہارا؟ ایک ہفتہ ہے تمہاری ڈلیوری میں اور میں اس ایک ہفتے میں بار بار خوار ہوتا پھروں۔" وہ جھڑکتے ہوئے اچھے خاصے توہین آمیز انداز میں کہہ رہا تھا، زینب کا چہرا خفت اور تذلیل کے احساس سے جل اٹھا، بنا سوچے سمجھے اس نے کال ڈسکنکٹ کر دی تھی اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ سیل فون پٹخ دیا تھا، ایک بار پھر وہ زار و قطار رو رہی تھی، اگلے لمحے وہ ایک دم دوہری ہو گئی، اس کی طبیعت اچانک بگڑنا شروع ہو گئی، ہر لمحہ اس کی کربناک چیخیں بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھیں۔

☆☆☆

کسی کی یاد دل میں ہے کوئی احساس باقی ہے

بدلتے موسموں کے درمیاں اک راز باقی ہے
ابھی تو میں سفر میں ہوں ملیں گی منزلیں مجھ کو
مگر ان راستوں کے درمیاں اک ساتھ باقی ہے
کہیں پر شام ڈھلتی ہے کہیں پہ رات ہوتی ہے
ابھی تو چاندنی ہے چاند کی رات باقی ہے
چلے آؤ کسی دن تم ہمارا حال بھی دیکھو
ہمارا جسم مردہ ہے مگر اک سانس باقی ہے
امید ہے پھر بھی ملے گا وہ ہمیں اک دن
بھروسہ ہے خدا پر خدا کی ذات باقی ہے

وہ کچن میں کھڑی چکن روسٹ تیار کر رہی تھی جب جہان بہت عجلت میں وہاں آیا تھا۔
"مجھے ایمرجنسی میں کراچی جانا پڑا ہے، بیگ تیار کر دو میں تب تک ٹکٹ کنفرم کراتا ہوں۔" ژالے نے برنر آف کیا پھر اس کی جانب پلٹی تو چہرے پہ حیرانی کے ساتھ کچھ پریشانی اور تشویش کے بھی آثار نمایاں تھے۔
"خیریت ہے نا وہاں؟" جہان جو پلٹ چکا تھا اس سوال پہ ذرا سا تھم گیا۔
"زینب ہاسپٹل میں ہے، طبیعت کچھ زیادہ خراب ہے، ویسے بھی میرا یہاں کا کام مکمل ہو چکا ہے۔" جہان کے لہجے میں ٹھہراؤ اور رسانیت تھی، ژالے کچن یونہی چھوڑ کر بیڈ روم میں آ گئی تھی اور بہت عجلت بھرے انداز میں جہان کے ساتھ اپنی ضرورت کی چیزیں بھی بیگ میں رکھی تھیں۔
"تمہیں اپنی مما سے ملنا ہوگا، اپنے کپڑے الگ کر لو، میں جاتے ہوئے تمہیں وہاں چھوڑ دوں گا۔" جہان نے اپنی تیاری کرتے دیکھ کر ہی ٹوکا تھا، ژالے ایک دم ساکن ہو کر رہ گئی۔
"میں ممی سے پھر مل لوں گی شاہ! اس وقت مجھے آپ کے ساتھ جانا چاہیے۔" جھکی نظروں کے ساتھ وہ جب بولی تو اس کے لہجے میں التجا سی تھی، جہان نے کچھ دھیان سے اسے دیکھا تھا۔
"میرا روز روز لاہور آنا نہیں ہوتا، پھر نہ کہنا کہ......"
"آپ پریشان نہ ہوں، میں ممی سے فون پہ بات کر لوں گی۔" ژالے نے کچھ عجلت بھرے انداز میں جواب دیا تھا، حالانکہ جہان کے لہجے و انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ساری بات اس پہ ڈال رہا تھا پھر بھی وہ بغیر کسی شکایت و شکوے کے جیسے ہر حال میں مگن اور مست تھی، کیا شے تھی وہ۔
ایک پل کو تو جہان کو اچھی خاصی حیرت نے آن لیا تھا، پھر اس نے کاندھے اچکا دیئے۔
"یہ لباس ٹھیک رہے گا آپ کے لئے؟" ژالے نے اس کے لئے ایش گرے سوٹ نکالا تھا اور اب سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"یہ وقت لباس کی چوائس میں برباد کرنے کا نہیں ہے، ان چکروں میں نہ پڑیں۔" اس کے ہاتھ سے ہینگر جھپٹتے ہوئے وہ جھلا کر کہتا واش روم میں گھس گیا، ژالے کے چہرے پہ اس کے بے اعتماد اور بے حد روکھے انداز پہ تغیر سا پھیل گیا، وہ جان اور سمجھ سکتی تھی جہان اس وقت کس درجہ حساس اور مضطرب ہو سکتا تھا، بات زینب کی تھی جو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی، اس کا سکون تو اسی ایک خبر نے لوٹ

لیا تھا گویا، اس نے گہرا سانس بھرا اور تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بھاگی، ابھی اسے خود بھی تیار ہونا تھا، وہ جہان کو شکایت اور خفگی کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

☆☆☆

"سنیئے، ہاسپٹل جا رہے ہیں تو مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔" معاذ فون پہ مصروف گفتگو سیڑھیاں اتر رہا تھا جب پرنیاں اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی، معاذ نے پلٹ کر سلگتی بھڑکتی نظروں سے اسے دیکھا۔
"تمہیں کسی کی بات کا اثر کیوں نہیں ہوتا پرنیاں؟ کتنی بار تمہیں کہا ہے چلنے پھرنے میں احتیاط کیا کرو، ہر وقت کدکڑے لگاتی پھرتی ہو، بچی نہیں ہو تم کہ بات بات پہ ٹوکنا اور سمجھانا پڑے، اگر اس بچے سے جان چھڑانا چاہتی ہو تو سیدھا سیدھا ابارشن کرا دو۔" سیل کان سے ہٹا کر وہ جیسے اس پہ برس پڑا تھا، پرنیاں نہ صرف وہیں ٹھٹک کر رک گئی بلکہ متغیر ہوتی رنگت کے ساتھ ہونٹ بھی بھینچ لئے تھے، معاذ سخت نالاں سا اسے دیکھ رہا تھا، کالج میں بھی وہ اس کی غیر ذمہ داری اور لاپرواہی پہ اکثر کلسا کرتا تھا، وہ خود ڈاکٹر تھا اور اس معاملے کی احتیاط سے اچھی طرح آگاہ، پھر اپنے بچے کے متعلق اس کی حساسیت بھی کمال درجے کی تھی، پرنیاں کی لاپرواہی کے یہ مظاہرے اس لئے بھی اسے چڑاتے تھے کہ وہ پرنیاں سے بدگمان رہتا تھا۔
"اب کہاں جا رہی ہو، چلنا نہیں ہے کیا؟" پرنیاں لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ مڑی تو معاذ نے جلدی سے اس کا بازو پکڑ کر روکا، اس کی آنکھوں سے برسنے کو تیار آنسو بھی اس کی نگاہ میں سمائے بغیر نہیں رہ سکے تھے، ایکدم ہی اسے اپنے رویئے کی بدصورتی کا احساس ہو گیا تھا۔
"چھوڑیں مجھے، آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔" وہ جیسے رو ہی پڑی تھی، اس کے صبیح چہرے پہ آنسو یوں بکھرے تھے جیسے گلاب کے پھول پہ شبنم کے قطرے۔
"اگر نہیں جانا تھا تو پھر مجھے روکا کیوں تھا؟ سیانے کہتے ہیں کسی کا راستہ نہیں کاٹنا چاہیے۔" وہ مسکراہٹ دبا کر گویا ہوا، پرنیاں کو جیسے آگ سی لگ گئی۔
"گلا گھونٹ دیں میرا اس جرم کی سزا کے طور پہ۔" وہ آنسو پونچھے بغیر چیخی۔
"ضرور گھونٹوں گا مگر ابھی نہیں، تم سے اپنا بچہ لینے کے بعد، بہت حساب نکلتے ہیں تمہاری طرف انہیں چکانا تو پڑے گا تمہیں۔" معاذ نے جارحانہ انداز میں اسے بازو کے حصار میں لے کر جھٹکا دیتے ہوئے پھنکار کر کہا، پرنیاں یکلخت سرد پڑنے لگی تھی سفا کی اور خود غرضی کے اس مظاہرے پہ۔
"مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا، چھوڑیں مجھے۔" معاذ یونہی اسے دبوچے بلکہ ایک طرح سے اٹھائے سیڑھیاں اترنے لگا تو پرنیاں حواسوں میں لوٹتی ہوئی برہم ہو گئی۔
"ابھی کچھ عرصہ تو تمہیں مجھے برداشت کرنا ہی پڑے گا، پھر اس کے بعد ہم اپنی زندگی کا فیصلہ بھی کر لیں گے، تمہیں جو بھی راہ منتخب کرنی ہوگی تمہیں آزادی حاصل ہوگی، میں بھی زبردستی کسی کو ساتھ لٹکائے رکھنے کا قائل نہیں رہا۔" معاذ نے اس کی آنکھوں میں اپنی سرد نظریں گاڑھ کر بہت واضح انداز میں جتلایا تھا، سیڑھیاں اترنے کے بعد اس نے اپنا بازو ہٹا لیا تھا اور خود مضبوط قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا، پرنیاں بے جان سی ہوتی وہیں بیٹھ گئی، اس دن اس نے خود سے ایک عہد کیا تھا، معاذ کی کسی بھی زیادتی پر احتجاج بلند نہ کرنے کا عہد، بہر حال وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی، اب کہ وہ اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑنے کا

سوچتا۔

☆☆☆

یہ شیشوں کے سپنے
یہ دھاگوں کے رشتے
کسے ہے خبر کہ کہاں ٹوٹ جائیں
محبت کے دریا میں تنکے وفا کے
کسے ہے خبر کہ کہاں ڈوب جائیں
لگائے ہیں ہم نے بھی خوشیوں کے پودے
مگر کیا بھروسہ یہاں بارشوں کا
یہ ممکن ہے پودے کہیں سوکھ جائیں
جنہیں دل سے چاہا
جنہیں دل سے پوجا
نظر آرہے ہیں وہی اجنبی سے
سنو اپنا دل دے کے مضبوط رہنا
کیا خبر لینے والے کہاں بھول جائیں

وہ بے دم نڈھال سی بستر پہ لیٹی ہوئی تھی، صبح دم اس کی طویل اور کربناک آزمائش ختم ہوئی تھی اور قدرت نے اسے اپنی رحمت عطا فرمائی تھی، وہ ان رحمتوں میں سے ایک رحمت جس کے بارے میں خود ہی ارشاد فرمایا کہ یہ میری رحمت ہیں مگر لوگ اسے زحمت سمجھیں گے، یہاں بھی اس رحمت کو زحمت سے تعبیر کرلیا گیا تھا، وہ خدا کی رحمت سے منہ موڑنے والی نہیں تھی مگر تیمور کے ردعمل کو سوچ کر اتنی خائف ہوئی تھی کہ خوشی منانا بھول گئی، آنسو بے اختیار اس کی حراساں آنکھوں سے بہہ نکلے تھے، حالانکہ یہاں سب نے صحیح سالم اور خوبصورت بچی کی پیدائش پہ نہ صرف خدا کا شکر ادا کیا تھا، بلکہ باقاعدہ خوشی بھی منائی تھی، معاذ اور زیاد نے تو ماموں بننے کی خوشی میں پورے ہاسپٹل میں ڈھیروں مٹھائی تقسیم کردی تھی۔

''تیمور کو فون کیا آپ نے مما!'' بچی کی پیدائش چونکہ ڈاکٹرز کی دی گئی ڈیٹ سے پہلے ہوگئی تھی جبھی تیمور کے سان و گمان تک بھی یہ بات نہیں تھی۔

''ہاں بیٹے معاذ اور زیاد بھی ان کا نمبر ملاتے رہے ہیں مگر کال ریسو نہیں ہوئی، ڈونٹ وری وہ پھر ٹرائی کریں گے۔'' مما نے اس کا گال سہلا کر تسلی دی تھی اور زینب نے تھک کر آنکھیں موند لی تھیں، وہاں باری باری سب اس سے ملنے آتے رہے، پھولوں کے ساتھ باقاعدہ وش کرتے ہوئے، زینب بجھے ہوئے دل سے مسکراتی رہی مگر دل کا بوجھ ہنوز تھا، اس کے اعصاب پہ تھکن اور نیند سوار تھی، شاید آنکھ لگ گئی تھی، جب دوبارہ کھلی تو اسپتال کے اندر صبح کی مخصوص روٹین کا آغاز ہوچکا تھا، رات دبے پاؤں چلنے والی نرسوں کی جگہ تازہ اور فریش نرسوں نے سنبھال لی، خاکروب بالٹیاں ڈنڈے سنبھالے فرش کو رگڑ رگڑ کر صاف کرنے میں لگے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں دھلی چادروں کا ڈھیر پکڑے ڈاکٹرز کی آمد سے پہلے

پہلے مریضوں کے بستر تکیوں کے غلاف تبدیل کرنے کے لئے آپائیں، یہاں وہاں پھر رہی تھیں، رات کے سناٹے کے بعد سارا ماحول جیسے ایکدم بیدار ہوگیا تھا، زینب نے گردن موڑ کر دائیں جانب دیکھا، مما ایزی چیئر پہ بیٹھی اونگھ رہی تھیں ان سے کچھ فاصلے پہ بچی کاٹ میں بے خبر گہری نیند کی آغوش میں تھی، جانے کس سوچ اور خیال کی بدولت اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں، وہ ہونٹ کچلتی پلکیں جھپک جھپک کر آنسو اندر اتار رہی تھی جب دروازے کے باہر راہداری میں قدموں کی چاپ ابھری پھر کوئی عین دروازے میں آن ٹھہرا، زینب نے چونکتے ہوئے نظر اٹھائی اور جہان کو روبرو پاکے کچھ ثانیوں کو اسے یونہی دیکھتی چلی گئی تھی، ہلکی بڑھی ہوئی شیو، آنکھوں میں رتجگے کی سرخی کا خمار لئے، ایش گرے ٹو پیس میں وہ اپنی پروجاہت شخصیت کے ہمراہ سامنے تھا۔

''کیسی طبیعت ہے زینب؟'' وہ نپے تلے قدم اٹھاتا بیڈ سے کچھ فاصلے پہ رک گیا، زینب کی آنکھوں میں ٹھہری نمی آنکھ کی کوروں سے نکل کر کنپٹیوں سے ہوتی تکیے میں جذب ہونے لگی، وہ چاہنے کے باوجود جہان کی بات کا جواب نہیں دے سکی۔

''آئی ایم ساری، میں کچھ جلدی میں آیا تھا جبھی کوئی فارمیلٹی نہیں نبھا سکا، بیٹی بہت مبارک ہو۔'' بیڈ کے ساتھ رکھی ٹیبل پہ پڑے ان گنت گل دستوں پہ جہان کی نگاہ گئی تو وہ کچھ خفیف سا ہوکر بولا تھا، زینب کے لبوں پہ نافہم سی مسکان لحہ بھر کو جھلک دکھلا کر غائب ہوگئی، جہان نے متلاشی نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھا پھر نگاہ کاٹ پہ جا کر تھم گئی، اس نے پلٹ کر یوں زینب کو دیکھا جیسے بچی تک جانے سے قبل اس کی اجازت کا متقاضی ہو، زینب نے نگاہ پھیر لی، جہان نے رخ موڑا اور جھک کر بچی کو نرمی اور احتیاط سے اٹھالیا، گلابی کمبل میں لپٹی روئی کے گالے جیسی وہ لمبی پلکوں اور ستارہ آنکھوں والی بے حد حسین اور من موہنی سی پری تھی گویا، جہان کی ذہنی رو اسی پل جیسے بہک گئی تھی۔

''یہ تو کرسٹل ڈول ہے مما جان! اسے میں لوں گا۔'' وہ سات سال کا تھا جب زینب کی پیدائش ہوئی تھی، گلابی رنگت اور ستاروں کی مانند دمکتی آنکھوں والی وہ گڑیا اسے دیکھتے ہی وہ گود میں لینے کو مچلنے لگا تھا۔

''یہ بہت چھوٹی ہے ابھی بیٹے! آپ سے گر جائے گی۔'' مما جان نے اس کی ضد کو دیکھ کر سمجھایا تھا۔

''نہیں گراتا پرامس، آپ دیں تو۔'' اس نے مچل کر کہا تھا۔

''بیٹے یہ بڑی ہوجائے گی نا پھر لے لینا۔'' مما جان اتنی چھوٹی بچی کو اس کی گود میں دینے کے خیال سے ہی خائف تھیں۔

''پرامس مما جان پھر آپ مجھے دے دیں گی نا، چلیں ابھی میں اسے آپ کی گود میں ہی پیار کرلیتا ہوں۔'' وہ تب بھی ضدی تھا نہ ہٹ دھرم، بڑوں کی بات مان لیا کرتا تھا۔

''ہاں بیٹے آپ سے پکا پرامس ہے ہم بڑے ہونے پہ آپ کو یہ گڑیا ضرور دے دیں گے ڈونٹ وری۔'' پپا جو تب ہی یہاں آئے تھے اور اس کی آخری بات ہی سنی تھی اسے گود میں بھر کے مسکراتے ہوئے کہا تھا، اسے تو تب سمجھ نہیں تھی مگر پپا نے اپنا وعدہ نبھانے کی پوری کوشش کی تھی شاید تقدیر کو منظور نہیں تھا یہ ملاپ جبھی وہ خود اس فیصلے کے آڑے آگیا تھا۔

"آپ کی بیٹی بہت کیوٹ اینڈ اٹریکٹو ہے زینی آپی بالکل آپ کی طرح۔" وہ بے اختیاری کی کیفیت میں جھک کر بچی کو چوم رہا تھا جب ژالے کی آواز پہ چونک کر حواسوں میں لوٹا، ژالے مما سے ملنے کے بعد زینی کی سمت متوجہ ہوئی تھی مگر جہان کی بے خودی اور آنکھوں کی وہ غیر محسوس نمی دیکھ چکی تھی جس سے شاید وہ خود بھی بے خبر تھا۔

"اسے مجھے دیجئے شاہ۔" زینب کے بعد وہ جہان کی سمت متوجہ ہوئی تو جہان خود کو پوری طرح سنبھال چکا تھا، بچی کو اسے دیا اور خود مما کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"السلام علیکم چچی جان!" مما نے جواب میں اس کی پیشانی چومی اور دعاؤں سے نوازا تھا، وہ ان سے باقی سب گھر والوں کے متعلق پوچھنے لگا۔

"آپ نے اس کا نام سوچا؟" ژالے بچی کو گود میں لئے زینب کے پاس آ گئی تھی، زینب کے لبوں سے سرد آہ نکلی، اس نے محض سر کو نفی میں جنبش دی اور چہرے کا رخ پھیر کر آنکھیں بند کر لیں، وہ اپنی بے بسی اور کمزوری جو آنسوؤں کی صورت آنکھوں میں امڈ رہی تھی کسی پہ عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی، پھر جہان اور ژالے ابھی وہیں تھے جب زیاد بھی نوریہ اور حوریہ کے ساتھ ماریہ کو لئے آ گیا، نوریہ نے بالخصوص زینب کو گلے لگا کر پیار کیا تھا، اس سے ملتے وقت زینب کس طرح بھی خود پہ کنٹرول نہ کر سکی۔

"شادی ایک جوا ہے نوری تم کہا کرتی تھیں نا؟ مجھے لگتا ہے میں یہ بازی ہار رہی ہوں، میری ناؤ ڈوبنے کو ہے، دعا کرنا اس سے پہلے کہ کوئی ایسی صورتحال پیدا ہو میں اس سے پہلے ہی مر......" نوریہ نے بے قراری سے اس کے ہونٹوں پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"اتنی مایوس کیوں ہو رہی ہو زینی!" نوریہ نے ڈانٹا تھا، وہ دونوں ہی سرگوشیاں میں بات کر رہی تھیں، نوریہ اس کے بیڈ کے کنارے ٹکی بیٹھی تھی اور جھک کر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا، سب اپنی اپنی جگہ بات چیت میں مصروف تھے مگر جہان کی نگاہ گاہے بگاہے زینب پہ بھٹکتی تھی۔

"تیمور ابھی تک نہیں آئے، وہ فون بھی نہیں اٹھاتے۔" وہ کچھ اور بھی شدتوں سے سسک اٹھی تھی۔

"کم آن زینی، اتنی سی بات پہ تم نے بدگمانی پال لی، بری بات، جانتی ہو نا وہاں سگنلز پرابلم رہتا ہے، میں خود ٹرائی کروں گی ڈونٹ وری۔" نوریہ اسے نرمی اور محبت کے ساتھ تسلی دے رہی تھی۔

"تمہیں پتہ ہے نا وہ بیٹے کے لئے کس قدر پوزیسو تھے، اب بیٹی......" اس نے وحشت بھرے انداز میں فقرہ ادھورا چھوڑ دیا، اس کی سحر طراز آنکھوں میں ہراس کا غلبہ تھا۔

"اس میں تمہارا تو کہیں بھی کوئی قصور نہیں نکلتا زینی! یہ اللہ کی رضا اور مرضی ہے، پھر اولاد تو مرد کے نصیب سے ہوتی ہے۔" اب کے نوریہ نرمی سے جھنجلائی تھی، زینب خاموش تو ہو گئی مگر اس کا اضطراب اور بیکلی ہنوز تھی، وہ نوریہ کو کیسے بتاتی کہ زمین پہ خود کو خدا سمجھنے والے لوگ ان باتوں کو اہمیت نہیں دیتے، وہ خوف خدا سے محروم ہوتے ہیں تب ہی ایسی باتیں کرتے ہیں اور تیمور میں کس حد تک سرکشی اور یاد خدا سے غفلت تھی یہ زینب اچھی طرح سے جان چکی تھی۔

☆☆☆

"بس کل لاسٹ پریکٹیکل ہے، اس کے بعد میں کالج کی شکل بھی نہیں دیکھوں گی۔" پرنیاں، زینب کی بیٹی کو گود میں لئے بہت ریلیکس سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"کیوں بھابھی خیریت؟ کیا وہاں لالے پہ مرنے والی لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے اور آپ کی برداشت ختم؟" زیاد نے دانستہ اسے چھیڑا تھا، پھر ہنستے ہوئے مزید گوہر افشانی کی۔

"یقیناً وہاں ہر روز آپ کو اسے نظارے دیکھنے کو ملتے ہوں گے کہ کوئی نہ کوئی الہڑ دوشیزہ آ کر لالے سے آ کر اظہار محبت کرتی ہوں گی اور وہ جواباً آپ کی موجودگی کے باعث مصنوعی سنجیدگی کو اختیار کر کے کہتے ہوں گے۔"

ابھی کم سن ہو رہنے دو
کہیں کھو دو گے دل میرا

"مگر جیسے ہی آپ ادھر ادھر ہوتی ہوں گی پھر سے اس دوشیزہ کو پکڑ کر تسلی دیتے ہوئے آس بندھاتے ہوں گے۔"

تمہارے ہی لئے رکھا ہے
لے جانا جواں ہو کر

اس کی بکواس پہ ایک قہقہہ پڑا تھا، پرنیاں بھی پھیکے سے انداز میں مسکرا دی، زیاد نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو پھر متوجہ کیا۔

"ابھی بات مکمل نہیں ہوئی، دوشیزہ جواب میں ٹھنک کر مٹک کر کہتی ہوں گی۔"

نہ کم سن ہوں نہ ناداں ہوں
محبت کو سمجھتی ہوں
تمہارا کیا بھروسہ ہے
مکر جاؤ جواں ہو کر

اس نے پھلجڑی چھوڑی اور خود بھی محظوظ ہو کر ہنسنے لگا۔

"اوئے ہوئے جواں ہو کر یا بڈھے ہو کر۔" اس نے کلس کر کہا تھا، یہی وہ لمحہ تھا جب وہ سب ہنس مسکرا رہے تھے، معاذ کے ساتھ تیمور خان نے ہال کمرے میں قدم رکھا تھا۔

"السلام علیکم!" جو یہاں تھا سب ہی اپنی اپنی جگہ پہ کانشس سا ہو گیا، زینب کے چہرے پہ گھبراہٹ اور خوف کا انوکھا امتزاج دیکھنے میں آیا تھا۔

"تو یہ ہے ہماری بیٹی!" بچی ابھی تک پرنیاں کی گود میں تھی، تیمور خان اسی طرح سے جھک کر بچی کو دیکھنے لگا، پرنیاں اس کی اس حرکت پہ صرف بوکھلائی نہیں بے حد جز بز بھی ہو گئی، اس کی نظر بے اختیاری اور گھبراہٹ میں معاذ کی سمت اٹھی تھی، اس کے چہرے کی ناگواری، تناؤ اور برہمی سرخی کی صورت اس کے چہرے پہ آ ٹھہری تھی، پرنیاں کی وحشت بڑھ کر رہ گئی، اس نے شپٹا کر بچی کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یوں تیمور کی سمت بڑھایا جیسے اس کے حوالے کرنا چاہتی ہو مگر تیمور نے دانستہ اگنور کر دیا اور بچی کو سرسری سا پیار کیا تھا، صاف لگتا تھا اس نے یہ پیار بھی محض اس لئے کیا تھا کہ بچی پرنیاں کی گود میں تھی، اس کی گھٹیا اور گھٹی سوچ کچھ اور بھی مکمل کر واضح ہوئی، بھابھی اور ژالے تیمور کے لئے چائے کا اہتمام کرنے دوڑی تھیں، مما اور مما جان اسے خصوصی پروٹوکول دینے اپنے اپنے کام چھوڑ کر وہاں پہنچیں، معاذ چہرے پہ تناؤ لئے جیسے طوعاً و کرہاً وہاں موجود تھا، پرنیاں بے حد سرعت سے اٹھی اور بچی کو مما کی گود میں دیتی خود پلٹ

کر باہر نکل گئی، وہ گلابی بے حد خوبصورت پرنٹ کے اسٹائلش سے سوٹ میں ملبوس تھی، جس کا دوپٹہ باریک شیفون کا تھا، جو سر پہ اوڑھے ہونے کے باوجود اس کے چمکدار سیاہ چمکیلے بالوں کی بل کھاتی چوٹی کو نمایاں کر کے دکھاتا تھا، تیمور کی نظروں نے اپنے مخصوص آلودہ انداز میں نظر کی آخر حد تک اس کا پیچھا کیا تھا اور معاذ کی جان جل کر خاک ہو گئی تھی، وہ بہت آف موڈ کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے نکلا تھا، تیمور کا تعلق اگر زینب سے نہ بندھا ہوتا اور یہ رشتہ اتنی نزاکت کا مظہر نہ ہوتا تو وہ تیمور کی آنکھیں نکال کر اس کی ہتھیلی پہ رکھ سکتا تھا۔

''اماں یا پھر بابا میں سے کوئی نہیں آیا ساتھ؟'' زینب اس کے ساتھ کمرے میں تنہا ہوئی تو تیمور کی خاموشی سے خائف ہو کر بہت سوچ سمجھ کر یہ سوال ہی اسے مناسب لگا تھا پوچھنے کو۔

''ایسا کون سا کارنامہ انجام دیا ہے تم نے کہ وہ تمہیں سلامی دینے کو یہاں چلے آتے؟ اونہہ بیٹی کو جنم دیا ہے محترمہ نے اور خوش فہمی ملاحظہ ہو، شکر ادا کرو کہ میں خود آ گیا ہوں۔'' وہ بھڑک کر کہتا گویا اس کے گلے پڑ گیا تھا، زینب اتنی خائف ہوئی کہ پھر کچھ بولنے کی جرأت نہیں کر سکی تھی۔

''اگر میرے ساتھ چلنا ہے تو کل تیار رہنا، ورنہ جب جی چاہے آ جانا، مجھ سے بار بار چکر نہیں لگتے۔'' وہ پھنکار کر بولا تھا، زینب کے چہرے پہ ہراسگی چھا گئی، اسے قطعی سمجھ نہیں آئی تھی اس بات کا کیا جواب دے، اس کا سیزیرین ہوا تھا ابھی تو اس سے بغیر کسی کے سہارے کے خود سے اٹھ کر بیٹھنا تک محال تھا، ساتھ کیسے جا سکتی تھی وہ، جبکہ وہ پھر نہ لے جانے کی دھمکی بھی دے رہا تھا۔

''م...... میں چلوں گی آپ کے ساتھ۔'' وہ اتنا سہم گئی تھی کہ یہی کہہ سکی، تیمور نے اس جواب پہ بے زاری سے اسے دیکھا تھا پھر جیب سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکال کر سگریٹ سلگانے لگا۔

☆☆☆

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے زینب؟ حالت دیکھ رہی ہو اپنی۔'' زینب کے اس فیصلے نے سب کو ہی ہلا کر رکھ دیا تھا، مگر معاذ کو تو سنتے ہی تپ چڑھ گئی تھی، وہ اسے بلا دریغ ڈانٹنے آ پہنچا تھا۔

''کچھ نہیں ہو گا مجھے لالے، پلیز مجھے جانے دیں۔'' وہ ستے ہوئے چہرے اور کپکپی ہوئی آواز کے ساتھ بولی تھی، معاذ نے بہت دھیان سے اسے دیکھا۔

''کسی نے کچھ کہا ہے تمہیں؟ کوئی بات ہوئی ہے نا؟'' زینب نے بے ساختہ نظریں چرا لیں۔

''کون کچھ کہے گا لالہ، وہاں حویلی اماں کی طبیعت بہت خراب ہے، میرا جانا ضروری ہے۔'' اس نے صاف جھوٹ بولا معاذ نے ہونٹ بھینچ لئے۔

''میں سچ سننا چاہتا ہوں زینی! ورنہ تم نہیں جاؤ گی۔'' اس کا لہجہ دوٹوک اور قطعی تھا، زینب کی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ سی اتر آئی۔

''کیوں نہیں جاؤں گی میں؟ یہ میرا گھر نہیں ہے، مجھے اپنا گھر آباد رکھنا ہے اور اس کے لئے کیا کرنا چاہیے مجھے، یہ میں جانتی ہوں آپ نہیں جانتے۔'' وہ ضبط کھو کر چیخ پڑی تھی، وہ سارا اضطراب وحشت اور ہیجان جو اس کے اندر سر پٹخ رہا تھا جیسے بند توڑ کر بہہ نکلا، تیمور اس وقت لان میں چائے پینے میں مصروف تھا، جبھی وہ دونوں بہت سہولت سے بات کر رہے تھے، معاذ کو شدید دھچکا لگا تھا زینب کے رویئے سے، وہ کچھ دیر حیرانی سے اسے دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر زینب کو کاندھوں سے تھام لیا تھا۔

''یقیناً تیمور نے تمہیں دھمکایا ہے، تم کہیں نہیں جا رہی ہو زینب تیمور کو میں خود دیکھ لوں گا۔'' اس کے سنجیدہ چہرے پہ اتنا قہر اور آنکھوں میں اتنا خوفناک تاثر تھا کہ زینب لرز اٹھی تھی۔

''لالے پلیز...... پلیز رک جائیں، آپ تیمور کو کچھ نہیں کہیں گے، لالے...... فار گاڈ سیک رک جائیں۔'' معاذ کو آندھی طوفان کی طرح اٹھ کر باہر جاتے دیکھ کر زینب اتنی ہراساں ہوئی تھی کہ زخموں اور تکلیف کی پرواہ کیے بغیر تیزی سے اٹھی اس کے منہ سے نکلنے والی کراہوں اور چہرے کے تکلیف زدہ اثرات پہ ہی نہیں اس کے آخری الفاظ پہ بھی معاذ بے بس سا ہو کر رکا تھا اور واپس آ کر انتہائی عاجزی اور لاچاری کی کیفیت میں اسے تھام کر پھر سے لٹا دیا۔

''دس از ناٹ فیئر زینب، دس از ناٹ فیئر، مجھے بتاؤ کیوں ہر ستم خود پہ سہتی رہیں۔'' معاذ کا لہجہ بے حد بوجھل تھا، تو آنکھوں میں شدت ضبط نے سرخیاں پیدا کر دی تھیں۔

''یہ سب میرا اپنا کیا دھرا ہے لالے، میں کسی کو مورد الزام کیوں ٹھہراؤں۔'' وہ خود اذیتی میں مبتلا ہو کر کہہ رہی تھی، معاذ نے سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

''ہم تمہیں سزا کے طور پہ مصلوب ہونے کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے زینی، ہمیں بیگانگی کا احساس دلا کر شرمندہ نہ کرو۔''

''مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے لالے، تیمور ذرا غصے کے تیز ہیں باقی سب بالکل ٹھیک ہے ڈونٹ وری۔''

''غصے کا تیز ہونا کوئی معمولی خامی نہیں ہے۔'' وہ برہمی سے بولا تھا، زینب دلگیری سے مسکرا دی۔

''یہ خامی تو آپ میں بھی ہے لالے، پر نیاں بھی تو کمپرومائز کر رہی ہے نا، یہ سمجھوتہ ازل سے عورت کا مقدر ہے۔'' اس کے جواب پہ معاذ نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

''محترمہ کے بارے میں تمہاری ہمدردی بے جا اور خیالات ہرگز درست نہیں۔'' معاذ کے تاثرات بدل گئے تھے، زینب آہستگی سے ہنس دی۔

''دیکھا آپ نے مرد ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' معاذ نے اسے غصے سے گھورنا شروع کیا۔

''لالے مرد اپنے رشتوں کے لئے گنجائش نکال لیتے ہیں مگر بیوی کے لئے ہمیشہ پوزیسو رہتے ہیں، وہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی خطا کو بھی معاف نہیں کرتے، بس اتنی سی بات ہے، میں صرف آپ کی بات نہیں کر رہی نوے فیصد یہی کچھ کرتے ہیں، اتنی سی بات پہ گھر تو برباد نہیں کیے جاتے۔'' وہ جیسے بہت تھک کر کہہ رہی تھی، معاذ اپنی جگہ پہ گم صم ہو کر رہ گیا۔

(اس کا مطلب زینب یہ حقیقت ہے کہ تم سب کچھ اپنی جان پہ سہہ رہی ہو۔) اس کا دل اتھاہ گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

''بات سنیں جہان بیٹے۔'' جہان آفس سے آنے کے بعد فریش ہو کر نیچے آ رہا تھا جب زینب کے کمرے سے باہر آتیں مما نے اسے پکارا۔

''جی چچی جان!'' وہ کف لنکس بند کرتا ان کی سمت آ گیا تھا۔

"بیٹے آپ ژالے کو لے کر اس کی ممی کے ہاں نہیں گئے تھے؟" سوال ایسا تھا کہ جہان کچھ جز بز ہوا تھا، اس کی خاموشی پہ مما نے اسے کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا۔

"بہت بری بات ہے بیٹے، مسز آفریدی کیا سوچتی ہوں گی آپ کے متعلق؟" ان کی تادیبی انداز میں تنبیہ بھی تھی اور تاسف بھی۔

"آپ کو ژالے نے بتایا ہوگا؟" جہان کا موڈ یکدم آف ہوا اور آنکھیں شدت غیض سے سلگ اٹھیں۔

"بچی سے بدگمان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے مسز آفریدی نے فون کر کے شکوہ کیا ہے کہ ژالے شادی کے بعد ایک بار بھی ملنے نہیں بھیجا، جبکہ ژالے سے جب میں نے یہی سوال کیا تو وہ کہہ رہی تھی ہم ممی سے مل آئے ہیں، اب آپ بتاؤ یہ سچ کیا ہے؟ مجھے تو لگتا ہے ہر اچھی بیوی کی طرح ژالے آپ کا پردہ رکھ چکی ہے میرے آگے۔" مما کا انداز ایسا تھا کہ جہان خفت سے سرخ پڑ گیا۔

"سوری چچی جان میں بزی اتنا تھا کہ جا نہیں سکا، ان کی بیٹی کو ملنا ہوتا تو چلی جاتی، میں منع تھوڑی کرتا۔" وہ خود کو سنبھال کر جھنجلاتا ہوا بولا۔

"آپ کی اجازت کے بغیر بچی اپنی مرضی سے کیسے چلی جاتی، جبکہ آپ اسے بھیجنے سے انکار بھی کر چکے تھے، ژالے آج کل کی لڑکیوں کی طرح تیز طرار اور بدلحاظ نہیں ہے بیٹے، خوددار بھی بہت ہے، آپ کو اس کے حقوق کا خود خیال رکھنا پڑے گا، ورنہ وہ جتنی مرضی تکلیف سے دوچار ہو جائے مگر تقاضا نہیں کرے گی، میں بچی کی نیچر کو اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔" مما نے اپنی فطرت کے مطابق بہت اچھا تجزیہ پیش کیا تھا، جہان متفق نہیں بھی ہوا پھر بھی احتراماً اختلاف سے گریز برتا۔

"آپ پریشان نہ ہوں چچی جان میری وجہ سے انشاء اللہ آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی، میں ژالے کو آج ہی لاہور بھجوانے کا انتظام کرتا ہوں۔" اس نے رسانیت آمیز لہجے میں کہہ کر گویا ان کی تسلی کرائی تھی تو مما آہستگی سے مسکرا دیں۔

"پہلی بار بچی میکے شادی کے بعد اکیلی آتی اچھی نہیں لگتی بیٹے، آپ ساتھ جانا اس کے۔"

"ابھی تو مشکل ہے چچی جان، میں لے آؤں گا جا کر، پلیز اب لے جانے پہ اصرار مت کیجئے گا۔" وہ عاجز سا ہوا تو مما مسکرا کر اس کا گال تھپتھپتیں چلی گئیں تو جہان وہیں سے پلٹ کر پھر سے اپنے کمرے میں آگیا تھا، ژالے اسی وقت نہا کر نکلی تھی، زرد کھلے کھلے پرنٹ کے سوتی لباس میں وہ خود بھی سرسوں کا پھول لگ رہی تھی، بال سلجھاتے ہوئے اس نے جہان کو دیکھ کر اتار کر سائیڈ پہ رکھا دوپٹہ جلدی سے شانوں پہ ڈالا۔

"اپنی والدہ محترمہ کو سمجھایا ہوتا کہ اب تمہارے فراق میں آہیں بھرنا چھوڑ دیں اگر وہ تمہیں آباد دیکھنا چاہتی ہیں تو۔" وہ جاتے ہی بھڑک کر بولا تھا، ژالے کے ہاتھ سے اس کے موڈ کے پیش نظر ہیئر برش چھوٹ گیا۔

"ک...... کیا ہوا؟" وہ سخت وحشت زدہ سی ہو کر بولی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا تم سے کہ اپنی ممی کے پاس چلی جاؤ تم خود نہیں گئی تھیں، بتائی کیوں نہیں یہ بات تم نے انہیں؟" وہ پھنکارا تھا ژالے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

"ممی نے آپ سے کچھ کہا؟" وہ بوکھلاہٹ اور سراسیمگی کے سب آثار چہرے پہ سجائے سہمی ہوئی سی بولی۔

"انہیں شکایت ہے کہ ہم تمہیں ملنے نہیں دیتے، خیر اپنی تیاری کرو، تم لاہور جا رہی ہو۔" وہ اسی شدید موڈ کے ساتھ بولا تھا، ژالے اسی قدر متوحش نظر آنے لگی۔

"مم...... میں ممی کو منع کر دوں گی، وہ آئندہ ایسی بات نہیں کریں گی، پلیز آپ مائینڈ نہ کریں شاہ!" وہ ہٹپٹائی ہوئی سی کہہ رہی تھی اور گویا کسی بھی پل رو پڑنے کو تیار، جہان نے جھلاہٹ میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟ تمہارا ابھی بھی ان سے ملنے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟" جہان کی صبیح پیشانی پہ بل پڑنے لگے۔

"آ...... آپ کہیں گے تو نہیں ملوں گی۔" وہ بھیگی پلکیں جھپکتے ہوئے کہہ کر جہان کو ششدر کر گئی تھی۔

"دماغ ٹھیک ہے نا تمہارا؟ میں ایسا کیوں کہوں گا۔" وہ چیخ کر رہ گیا تھا۔

"میں جانتی ہوں شاہ آپ ممی کو پسند نہیں کرتے، میں ہر وہ چیز چھوڑنے کو تیار ہوں جو آپکو پسند نہیں، بی کوز اسلام میں خدا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے بعد عورت پہ سب سے اہم اور ضروری شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری ہے، شوہر اگر نہ چاہے کہ وہ اپنے والدین سے ملے تو عورت کو اجازت نہیں ہے۔" وہ جس رسان بھرے انداز میں کہہ رہی تھی جہان پتھر کا ہو کر رہ گیا تھا۔

"مجھے تو تم بھی پسند نہیں ہو ژالے آفریدی، اب اس کا کیا حل ہو؟" خاصی دیر بعد وہ خود کو سنبھال کر زہریلے انداز میں گویا ہوا تھا، ژالے کا رنگ یکدم پھیکا پڑ گیا، اتنا پھیکا کہ اس کے مقابلے میں دریچے سے در آئی دھوپ بھی گویا گہری تھی، اس نے ہونٹ بھینچ کر رخ آہستگی سے پھیر لیا، شاید نہیں یقیناً وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

"اپنی تیاری کر لینا میں تمہاری سیٹ کنفرم کرا رہا ہوں۔" جہان نے نخوت بھرے انداز میں کہا، اس نے محض سر اثبات میں ہلا دیا۔

"جی بہتر۔" عام بیویوں کی طرح نہ اس زیادتی پہ بھی جھگڑا نہ احتجاج نہ ناراضگی، وہ شاید بے حس تھی۔

مما کو اسے سمجھنے میں دھوکہ ہوا تھا، وہ انا پرست اور خوددار نہیں بس بے حس تھی، جہان نے اس کے متعلق حتمی فیصلہ دیا تھا۔

☆☆☆

"مس پرنیاں نہیں ہیں ٹیبل پہ، انہیں کھانا نہیں کھانا؟"

یہ رات کا وقت تھا اور شاہ ہاؤس کے ڈائننگ ہال کی وسیع و عریض ٹیبل کے گرد تقریباً سبھی مرد براجمان تھے جو خواتین غیر حاضر تھیں وہ کچن میں آخری مراحل میں کام نپٹا رہی تھیں اور یہیں آنے والی تھیں، انہی میں پرنیاں کا بھی شمار تھا، ٹیبل پہ انواع و اقسام کے کھانے خوبصورتی سے سجے ہوئے تھے یہ خصوصی اہتمام تیمور خان کی آمد کے باعث تھا، تیمور کے سوال نے ہال میں سناٹا پھیلا دیا، تیمور کی فطرت

کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی اور پرنیاں کی جانب اس کا خصوصی جھکاؤ بھی سب کی نظروں میں تھا تمام تر ناگواری کے باوجود محض رشتے کی نزاکت انہیں چپ چاپ یہ کڑوا گھونٹ پینے پہ مجبور کرتی تھی، اس وقت بھی تیمور کی اس حرکت کے جواب میں معاذ نے بامشکل اپنا غصہ کنٹرول کیا اور اس سے پہلے کہ کوئی اور جواب دیتا وہ خود سرد آواز میں بولا تھا۔

''وہ ہاسپٹل میں ہیں، نائٹ ڈیوٹی ہے آج ان کی، ایکسکیوزمی۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ رکا نہیں تھا، کرسی گھسیٹ کر اٹھا اور باہر نکل گیا، پرنیاں صورتحال سے بے خبر تھی کسی بھی لمحے وہ یہاں آ سکتی تھی، معاذ لمبے ڈگ بھرتا ہوا سیدھا کچن کی سمت آیا تھا، پرنیاں پتیلے سے بریانی ڈش میں نکال رہی تھی، معاذ نے جاتے ہی اس کے ہاتھ سے ٹرے چھین کر سلیب پہ پٹخی اور اس کی کلائی پکڑ کر واپس مڑا تو پرنیاں سخت جز بز ہوئی تھی۔

''واٹ ہیپنڈ؟ مجھے کھانا تو اندر دے کر آنے دیں۔''

''یہ کام تمہارے لئے اتنا ضروری بھی نہیں اور لوگ ہیں نا کر لیں گے۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے پھنکارا۔

''ہاں تو اور کیا، جاؤ بھئی، رومانس کا موڈ انسان کا ہمیشہ تو نہیں ہوتا نا۔'' بھابھی نے مسکراہٹ دبا کر ماحول کو رنگین کرنا چاہا، پرنیاں کی رنگت دہک کر رہ گئی، جبکہ معاذ نے جیسے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا۔

''اس قسم کے باریک دوپٹے جو پردے کے تقاضوں پر پورے نہ اترتے ہوں لینے سے بہتر ہے نہ لئے جائیں۔'' وہ اسے یونہی اپنے ہمراہ کھینچتا اندر لایا پھر اسے صوفے پہ پٹخ کر بے حد تلخی اور تنفر سے بولا تھا، پرنیاں نے گہرا سانس بھر کے اپنے کریب بروشے کے دوپٹے کو دیکھا تھا اور کچھ کہے بغیر اٹھ کر وارڈ روب کے خانے سے اپنی بڑی سی شال نکال لی، دوپٹہ اتار کر شال اوڑھتے وہ معاذ کے موڈ کی تباہی کا اندازہ اس کے مختلف چیزوں کی اٹھا پٹخ سے لگا سکتی تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے باہر جانے کی، بیٹھو یہاں آرام سے، جب تک تیمور ہے یہاں تم ہرگز بھی اس کے سامنے نہیں آؤ گی سنا تم نے۔'' اسے دروازے کی جانب جاتے دیکھ کر وہ زور سے پھنکارا اور اتنے طیش میں اس کی جانب آیا جیسے قتل کر دینے کا ارادہ ہو، پرنیاں سہم کر بے اختیار دو قدم پیچھے ہوئی، محض ایک لمحے کی بات تھی اور ساری الجھن پرنیاں سے سلجھ گئی، ایک بار پھر وہ کچھ کہے بغیر واپس ہوئی تھی اور بیڈ پہ بیٹھ کر ریموٹ اٹھا لیا۔

''دروازہ اندر سے لاک کر کے اٹھ کر۔'' معاذ نے باہر نکلنے سے قبل اسے نصیحت کی تھی، پرنیاں نے حکم کی تعمیل کی تھی، معاذ نیچے ہال میں نہیں گیا، وہ خود بھی تیمور کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ کچن میں چلا آیا تھا، ملازمہ دھونے والے برتن ڈائننگ ٹیبل سے کچن تک لا رہی تھی ساتھ میں بھابھی تھیں۔

''مجھے کھانا نکال کر دیں بھابھی۔'' کچن کی ٹیبل کے گرد موجود کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اس نے بھابھی سے کہا تھا۔

''پری کو کہاں چھوڑ آئے؟ کھانا تو اس نے بھی نہیں کھایا تھا۔'' بھابھی نے بریانی کی ڈش اس کے آگے رکھتے ہوئے فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالتے اہم اطلاع دی۔

''کھا لے گی وہ بھی، ابھی تو مجھے دیں۔'' اس نے برا سا منہ بنایا، بھابھی نے محض سر ہلایا تھا پھر اس کے لئے سالن گرم کر کے پھلکے بنانے لگیں، ساتھ ہی انہوں نے معاذ کے لئے چائے کا پانی رکھ دیا تھا۔

''جزاک اللہ واحسن جزاء۔'' کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر وہ ان سے گرما گرم کافی کا مگ لیتے ہوئے مسکرا کر بولا تو بھابھی نے سائیڈ پہ رکھی ٹرے کی جانب اشارہ کیا جس میں انہوں نے بہت نفاست سے کھانے کے برتن ڈھک کر رکھے تھے۔

''یہ کھانا پرنیاں کے لئے لے جاؤ، ایسی حالت میں اس کا زیادہ دیر تک بھوکا رہنا مناسب نہیں ہے۔'' ان کی بات پہ معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

''ملازمہ کے ہاتھ بھیجیں بھابھی، اب میں محترمہ کی اس قسم کی بھی خدمت کروں گا کیا؟'' وہ بھنا کر بدمزگی سے بولا تو بھابھی نے مصنوعی غصے سے اسے ایک دھپ لگائی تھی۔

''شرم تو نہیں آئی تمہیں، اگر وہ ہر قسم کی تمہاری خدمت کر سکتی ہے تو تم اتنا سا کام کیوں نہیں کر سکتے۔'' بھابھی نے جیسے اسے کچھ دیر قبل کا رویہ جتلایا، اپنے تئیں وہ کسی شدید غلط فہمی کا شکار تھیں، معاذ کا چہرا خفت اور شرم سے دہک اٹھا، اس نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

''اللہ کا نام لیں بھابھی بیگم، اور کچھ شرم بھی کر لیں، یعنی حد ہے بے حجابی کی بھی، آپ جیسی خواتین سے اللہ بچائے۔'' وہ خفت زدہ سا بولا، تو بھابھی نے اسے بے دریغ گھورنا شروع کیا تھا۔

''اچھا بس کرو تم جتنے شائی ہو نا سب پتہ ہے مجھے، میں ٹرے ملازمہ کے ہاتھ بھیجتی ہوں۔'' بھابھی نے اسے کچن سے دھکیلا تھا، وہ سر پہ ہاتھ پھیر کر رہ گیا، بھابھی ہنس کر ابھی بھی اسے چڑا رہی تھیں گویا۔

☆☆☆

اس نے کروٹ بدلی اور سرہانے کے نیچے پڑا سگریٹ کیس اور لائٹر نکال لیا، سگریٹ سلگا کر اس نے کش لینے کے بعد دھواں بکھیرا تو اس دھویں کے مرغولوں میں ایک شبیہ بننے لگی جو اتنی واضح تھی کہ جہان سن ہو کر رہ گیا، معاً وہ سنبھلا تھا اور سگریٹ ایک جھٹکے سے ایش ٹرے میں اچھال دیا، کمرے کے ہر گوشے ہر کونے میں گویا اس کا احساس لپٹا ہوا تھا، پتہ نہیں وہ جتنا اس کے خیال سے جان چھڑانے کی کوشش کرتا تھا وہ اس قدر حاوی کیوں ہو رہا تھا، کیا وہ اسے اپنے حواسوں پہ مسلط کر چکا تھا یا پھر اس کا عادی ہو رہا تھا، اس نے تحیر سے حیرانی کے عالم میں خود سے سوال کیا، اسے گئے آج دوسرا دن تھا، صبح جب وہ آفس جانے کو تیار ہو کر نیچے آیا تو بھابھی اسے دیکھ کر ہنسنے لگی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' وہ حیران رہ گیا تھا۔

''جہان تم نے اپنا کوٹ دھیان سے دیکھا؟ یہ پتلون کے ساتھ کا کوٹ نہیں ہے۔'' جہان ایکدم کھسیا کر رہ گیا تھا، یہ دونوں کوٹ ایک جگہ پڑے تھے اور رنگوں میں معمولی فرق تھا، وہ خاصی توجہ دیئے بغیر یہ غلطی کر چکا تھا اور اب ان سب کے مذاق کا نشانہ بننا پڑا تھا۔

''آئی تھنک تمہیں اب کوٹ پہنانے کی ذمہ داری ثرالے بھابھی کی تھی، وہ گئیں تو تم نے کام غلط کرنا شروع کر دیئے۔'' معاذ بھلا کیوں پیچھے رہتا، جہان نے فی الفور کوٹ اتار دیا تھا، وہ اس سچویشن میں بے حد خفت محسوس کر رہا تھا۔

''ابھی تو بھابھی کو گئے محض ایک دن ہوا ہے اور تم اتنے بوکھلا گئے، جلدی واپس لے آنا انہیں معاملہ

سنگین نہ ہو جائے۔" معاذ نے پھر اسے رگیدا تھا، جہان اتنا جھلایا تھا کہ ناشتہ کیے بغیر وہاں سے چلا گیا تھا پھر مما سے جہان کو جو ڈانٹ پڑی وہ الگ معاملہ تھا، جہان تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اس کے دل میں ژالے جیسی لڑکی کے لئے بھی گنجائش نکل سکتی ہے، جو نا پسندیدگی کی فہرست میں شاید نہیں یقیناً پہلے نمبر پہ تھی، لاشعور طور پہ سہی مگر وہ اس کی کمی محسوس کرنے اور اس کی ذات کو بے دھیانی میں سوچنے لگتا اور پھر چونکتا تو خود کو ملامت کرنا نہیں بھولتا تھا، وہ ایسی ہی کیفیت کے زیر اثر جھنجھلاہٹ کا شکار تھا، جب معاذ اس کے بالکل سامنے آن کر بیٹھ گیا تھا۔

"بھابھی کو مس کر رہے ہو نا؟" اس کے یقین اور پختگی نے جہان کو ششدر نہیں کیا غصہ دلا دیا تھا۔

"فضول باتیں مت کرو معاذ، میرا دماغ خراب نہیں ہوا۔" اس نے بے دریغ ڈانٹا تھا جواباً معاذ کتنے زعم سے مسکرایا تھا۔

"میں تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں جے، سو بہتر ہے خود سے بھاگنا چھوڑ دو۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" جہان کو تپ چڑھنے لگی تھی اس کی بات پہ۔

"مطلب یہ کہ تسلیم کر لو کہ ژالے آفریدی تمہیں اپنا گرویدہ کر چکی ہیں، ان میں ایسی کوالٹیز تھیں جے کہ وہ کسی کو انسپائر کر سکیں۔"

"اونہہ کوئی بہت غیر معمولی حسن نہیں ہے اس کا، لاکھوں لڑکیاں ایسی آسانی سے مل سکتی ہیں۔"

"اوں ہوں میں صورت کی نہیں سیرت کی بات کر رہا ہوں، جو باکمال ہے، تم لکی ہو مان لو، تم ان کی سیرت و کردار سے انسپائر ہوئے ہو ابھی محبت کی بات نہیں کر رہا میں۔" معاذ کا لہجہ ہنوز ٹھوس اور مدلل تھا، پھر مسکراہٹ کو دباتے ہوئے بولا تھا۔

"اعتراف میں کیا حرج ہے یار، بیوی ہیں تمہاری اور وہ نظم یاد ہے تمہیں تمہارے حسب حال ہے بالکل سناتا ہوں، بالکل یہی حال ہے تمہارا۔" معاذ نے کہا تھا پھر اسی وقت لہک لہک کر نظم پڑھنے لگا، آنکھوں میں شرارت تھی۔

میں تمہیں چاہتا نہیں لیکن
پھر بھی جب پاس تم نہیں ہوتیں
خود کو کتنا اداس پاتا ہوں
گم سے اپنے حواس پاتا ہوں
جانے کیا دھن سمائی رہتی ہے
اک خامشی سی چھائی رہتی ہے
دل سے بھی گفتگو نہیں ہوتی
میں تمہیں چاہتا نہیں لیکن
پھر بھی شب کی طویل خلوت میں
تیرے اوقات سوچتا ہوں میں
تیری ہر بات سوچتا ہوں میں
کون سے پھول تجھ کو بھاتے ہیں

رنگ کیا کیا پسند آتے ہیں
کھو سا جاتا ہوں تیری جنت میں
میں تمہیں چاہتا نہیں لیکن
پھر بھی احساس سے نجات نہیں
سوچتا ہوں تو رنج ہوتا ہے
دل کو جیسے کوئی ڈبوتا ہے
جس کو اتنا سراہتا ہوں میں
جس کو اس درجہ چاہتا ہوں میں
اس میں تیرے سی کوئی بات نہیں
میں تمہیں چاہتا نہیں لیکن

معاذ خاموش ہوا تو جہان کی آنکھوں میں حد درجہ خفگی کے رنگ گہرے ہو چکے تھے، دوران نظم اس نے ایک دو بار معاذ کو چپ کرانے کی کوشش کی تھی مگر وہ بھلا کہاں کسی کی سنتا تھا، سو نظم پوری کر کے ہی چپ ہوا اور شرارتی کسی حد تک تائیدی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اس بات کو مان لو جے کہ ژالے اور زینب میں زمین آسمان کا فرق ہے، یہ بات میں زینب کا بھائی ہونے کے باوجود تم سے کہہ رہا ہوں، جے مجھے احساس جرم ستاتا ہے کہ تم ابھی تک سراب کے پیچھے بھاگتے ہوئے اپنی زندگی تباہ کر رہے ہو۔" جہان نے ایک دم سے ہونٹ بھینچ لئے، زینب والا ٹاپک عرصہ ہوا ان کے درمیان زیر بحث نہیں آیا تھا، یہ تکلف وہ رخ تھا زندگی کا جس سے وہ دونوں ہی نگاہ چراتے تھے۔

"میں کسی کی وجہ سے کچھ نہیں کر رہا ہوں، ژالے کی طرف میرے اپنے کچھ حساب نکلتے ہیں، میں منافق نہیں ہوں معاذ سو دوغلی زندگی نہیں جی سکتا۔" اس نے پوری صداقت و دیانتداری سے جواب دیا تھا۔

"ایسا کب تک چلے گا جے؟" معاذ کے لہجے میں آنکھوں میں تشویش لہرانے لگی۔

"جب تک خدا کو منظور ہو گا، ژالے کے متعلق اب میں کسی حد تک متذبذب ہوں، مجھے تمہاری باتوں کا کچھ کچھ یقین آنے لگا ہے، مگر معاذ تم جانتے ہو نا میں اپنے لئے کیسا لائف پارٹنر کا خواہش مند تھا، بات اتنی سی ہے کہ جب تک ژالے کے کردار کا جھول ہے میری نظروں میں، میں اسے قبول نہیں کر سکتا، اسے تم میری ضد سمجھو یا پھر میرا فیصلہ۔" معاذ نے گہرا سانس کھینچا تھا، پھر آہستگی سے گویا ہوا۔

"خدا تمہاری حق اور سچ کی طرف رہنمائی فرمائے آمین۔"

"آمین، میں خود بھی یہی دعا کر رہا ہوں۔" جہان نے جواباً تائید کی تو معاذ پہلی بار کھل کر مسکرایا تھا۔

☆☆☆

دور نیچے سبزے کے درمیان بل کھاتی سڑک پہ پجارو سرعت سے دوڑ رہی تھی، اگرچہ دوپہر کا وقت تھا مگر آسمان پر چھائے بادل کے ٹکڑے سورج سے آنکھ مچولی کھیلنے میں معروف تھے، کبھی سیاہ بدلی کے

شریر ٹکڑے سورج کے آگے آجاتے تو کبھی سورج ان کی گرفت سے نکل کر اپنی شعاعیں دھرتی پہ بکھیرنے لگتا، دھوپ چھاؤں کا، منظر جاری تھا، گاڑی دلکش سبزہ زاروں بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان بنے راستوں سے گزر رہی تھی، ماحول میں ان علاقوں کی مخصوص ویرانی اور خاموشی پھیلی ہوئی تھی، سبزے کو چھوتی، پھولوں سے مہکی ہوا اسے چھو چھو کر گزرنے اور اس کی کمر پہ سیدھے گرتے بالوں کو اڑانے لگی۔

سیاہ بادل ہر سو چھا گئے تھے جن کے باعث اندھیرا سا پھیلا تو نیچے وادی میں سڑک پہ دوڑتی گاڑی بھی نگاہ سے اوجھل ہو گئی، اسے آج یہاں آئے چوتھا دن تھا، معاذ نے اسے ایسی ادویات تجویز کر دی تھیں جن سے اس کے زخم تیزی سے بھر رہے تھے، اب وہ پہلے سے قدرے بہتر تھی مگر تیمور خان کی بے اعتنائی کے زخم کہاں بھرنے والے تھے، وہ اسے یہاں لا کر پھر سے منظر سے غائب ہو چکا تھا، اس کی بیٹی کا ابھی تک کوئی نام تجویز نہیں ہو سکا تھا، وہ سوچتی تو گلا غم سے بھرنے لگتا، کیا اس کی بیٹی اس سے بھی زیادہ ہلکے نصیب لے کر پیدا ہوئی تھی، سرد ٹھنڈی ہواؤں نے اسے ٹھٹھرا سا دیا مگر وہ کمرے میں نہیں گئی، موسم کی دلربائی عروج پہ تھی، وادی میں سبز درختوں اور رنگ رنگ کے پھولوں کے علاوہ پھلوں کی بھی بہتات تھی، حویلی کے اس ٹیرس سے وادی کا بہت خوبصورت نظارہ ہوا کرتا تھا، بے شمار جھرنے مختلف پہاڑوں سے گرتے دکھائی دیتے تھے، سامنے بلند بھورا پہاڑ تھا جس کی چوٹی پر ایکدم سرخ سیبوں سے لدا درخت تھا، وہ بے دلی سے اطراف کا جائزہ لیتی رہی اور وقت گزرتا رہا، سورج مغرب میں غروب ہونے جا رہا تھا، اندھیرا مکمل طور پہ دھرتی پہ چھایا تب وہ تھک کر اندر آئی تھی، ملازمہ بچی کو چینج کرانے میں مصروف تھی اور بچی رو رو کر ہلکان۔

"تم چھوڑ دو میں خود کر لوں گی یہ کام۔" زینب نے بچی کو اس سے لے لیا تھا، ابھی وہ اس کام سے فارغ نہیں ہوئی تھی کہ تیمور اپنے مخصوص دبنگ انداز میں دندناتا ہوا کمرے میں آ گیا۔

"میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" زینب نے بیڈ کی چادر درست کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا، تو تیمور جو جوتوں سمیت بستر پہ دراز ہو چکا تھا، نیم باز آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیوں کر رہی تھیں انتظار؟ ابھی تو ہمیں ہی تمہارا انتظار کرنا ہے، کب تم ٹھیک ہو گی، کب......"

زینب کا دل اس کے اس رومینٹک موڈ پہ عجیب سے غبار سے بھرنے لگا۔

"ہماری بیٹی کا ابھی تک کوئی نام نہیں رکھا گیا ہے تیمور۔" اس نے جیسے نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کیا تھا، تیمور کی پیشانی پہ ناگواری کی شکنیں ابھریں۔

"تم اگر چاہتی ہو کہ اس کا نام میں رکھوں گا تو یہ خوش فہمی دل سے نکال دو، جو مرضی آئے نام دے دو اسے، یہ تھوڑی بات نہیں ہے کہ تم بیٹی اٹھا کر لے آئی ہو اور میں نے تمہیں کچھ نہیں کہا، ورنہ ہمارے ہاں پہلی بیٹی کو جنم دینے والی عورت کو منحوس سمجھا جاتا ہے، اماں کہتی ہیں جو عورت پہلی بار ہی بیٹی کو جنم دے وہ پھر ساری بیٹیاں ہی جنتی ہے، مجھے تو تم سے اولاد نرینہ کی امید ہی چھوڑ دینی چاہیے۔" وہ حسب عادت پھنکارنے اور غرانے لگا تھا، جہالت سی جہالت تھی، اس کا ایک ایک فقرہ گویا قابل مذمت تھا، زینب رنج صدمے اور کرب سے شق ہوتے دل کے ساتھ پتھرائی ہوئی سی بیٹھی رہ گئی، اسے ایک بار پھر اپنا زیاں شدت سے محسوس ہوا، اسے ایک بار پھر جہان کو کھونے کا تاسف آ گیا، اسے ایک بار پھر تیمور کی گھٹیا فطرت نے دہلا دیا تھا۔

(جاری ہے)

''ہادیہ ایک بات پوچھوں۔'' عفرا نے بھاپ اڑاتی بلیک کافی کا فل سائز مگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں پوچھو، تم بلا جھجک ہر بات مجھ سے پوچھ سکتی ہو۔'' ہادیہ نے تلخ کافی کو اپنے اندر انڈیل کر اندر کی تلخی کو کم کرنا چاہا تھا۔

''کیا تمہیں واقعی سلیمان کے علاوہ کسی اور سے......''

''تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔'' ہادیہ نے پھیکا سا قہقہہ لگایا تھا اور عفرا کی بات مکمل ہونے سے پہلی ہی بولی تھی۔

''یہی تو مسئلہ ہے اگر میں تمہیں ایسا سمجھتی تو بہت آرام سے اس گتھی کو سلجھا لیتی لیکن اب میں کچھ بھی سمجھنے سے قاصر ہوں۔''

''عفرا! سلیمان کے علاوہ میرے لئے آج بھی کوئی اہم نہیں ہے، وہ سب کچھ مجھے اپنی انا اور اپنا آپ بچانے کے لئے کہنا اور کرنا پڑا تھا، تم تو جانتی ہو زندگی میں کبھی کبھی ایسا مشکل مقام آ جاتا ہے جب اپنی ذات کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے میں بھی ایک حصہ اپنے لئے بچا کر دوسرا سلیمان کے پاس گروی رکھ آئی ہوں، تم بھی تو ایسا ہی کر کے آئی ہو نا، اپنی ذات کا ایک حصہ باسم بھائی کے پاس چھوڑ آئی ہو ہے، نا، سچ کہہ رہی ہوں نا میں۔''

''ہم دونوں کا مقدر ایک جیسا کیوں ہو گیا ہے ہادیہ، میں نے باسم کو ٹوٹ کر چاہا اور وہ کسی اور کے پیچھے خوار ہو رہا ہے اور تم نے سلیمان کو زندگی میں اول و آخر جانا اور وہ......''

''چھوڑو عفرا! شام گہری ہو گئی ہے، میرے خیال میں مجھے چلنا چاہیے، امی جان انتظار کر رہی ہوں گی۔'' ہمیشہ کی طرح اس نے عفرا کی بات کاٹ کر کہا تھا وہ شروع سے ہی ایسی تھی جو بات اذیت بن کر جسم و جاں میں دوڑنے لگتی تھی وہ اس بات کو ایسے ہی ختم کر دیا کرتی تھی۔

''ڈنر تک تو رکو نا۔'' عفرا نے خالی مگ سائیڈ پر رکھے تھے۔

''نہیں یار! پھر کبھی سہی۔'' وہ اپنا بیگ اٹھا کر اس سے مل کر باہر نکل آئی تھی۔

شام ڈھلتے ہی روشنیاں چاروں اطراف جلنے بجھنے لگی تھیں وہ سبک روی سے گاڑی چلاتے ہوئے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے سوچوں میں گم تھی، آج چودہ فروری کا دن سارا بہت بوجھل اور بے کیف گزرا تھا اور اب شام کا سارا حسن بے نام سی اداسی میں ڈھلتا جا رہا تھا، گاڑی ''ڈی گراؤنڈ'' کے علاقے سے گزر رہی تھی، یہاں سے اس کا گھر قریب ہی تھا گھر جانے کے بھی دل نہیں چاہ رہا تھا، اپنی ذات کی ساری اداسیاں گھر کے در و دیوار سے پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں، لیکن ہادیہ جانتی تھی امی جان اس کا شدت سے انتظار کر رہی ہوں گی، جونہی گلابوں کی مسحور کن خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی اس نے چونک کر خوشبو کا سراغ لگانے کے لئے اِدھر اُدھر دیکھا تو اسے اپنے دائیں طرف پھولوں کی ایک بڑی سی شاپ نظر آئی جس پر بے تحاشا رش تھا، اس کے پاؤں خوامخواہ بریک پر جا پڑے تھے حالانکہ یہاں سے اسے کچھ نہیں خریدنا تھا۔

''باجی یہ دیکھیں کتنے تازہ پھول ہیں اور ان کی خوشبو تو سونگھیں کس قدر اچھی ہے یہ آپ خرید یں گی۔'' گاڑی رکتے ہی ایک نو عمر سا لڑکا اس کے قریب بھاگا آیا تھا۔

''نہیں بیٹا مجھے پھول نہیں خریدنے۔'' اس نے سہولت سے اس بچے کو انکار کر دیا تھا اس کا جواب سن کر بچے کی آنکھوں کی جوت یک دم بجھ سی گئی تھی۔

''رکو تو ذرا۔'' اسے لگا تھا ان ننھی منھی آنکھوں کی جوت بجھنے سے خوشبو بھی کہیں اڑ گئی ہے، اس نے بچے کو آواز دی تھی۔

''جی باجی۔'' وہ تیزی سے گاڑی کے قریب آیا تھا۔

''انہیں پیچھے سیٹ پر رکھ دو۔'' اس نے پچھلا شیشہ نیچے کرتے ہوئے کہا تھا۔

''کتنے پیسے دوں۔''

''ڈیڑھ سو روپیہ باجی۔''

''یہ لو، سارے رکھ لو۔'' اس نے دو سو روپیہ اس کی طرف بڑھایا تھا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی، تقریباً پانچ منٹ بعد وہ گھر کے گیٹ پر تھی، گاڑی پارک کر کے وہ شال اپنے اردگرد مضبوطی سے لپیٹ کر اندر چلی آئی تھی، پھول گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑے مہک رہے تھے، اس نے ایک بار بھی انہیں نہیں دیکھا تھا، پھول اس کی جان تھے لیکن جب دل مر جائے تب کچھ ہی اچھا نہیں لگتا۔

''ہادیہ بڑی دیر کر دی تم نے۔'' اندر داخل ہوتے ہی اسے امی جان کی آواز سنائی دی تھی۔

''امی جان عفرا کا تو پتہ ہی ہے نا آپ کو، اس کی باتیں ہی ختم نہیں ہوتیں، میں تو کب سے آ جاتی۔''

''کھانا گرم کروں تمہارے لئے۔'' انہوں نے پھر پوچھا تھا۔

''نہیں میں خود کر لوں گی، آپ نے کھانا کھا لیا۔''

''بیٹا میں اس شوگر کی وجہ سے خالی پیٹ کہاں رہ سکتی ہوں دل نہ بھی چاہے تب بھی پیٹ کھانے کچھ نہ کچھ مانگتا رہتا ہے۔''

''آپ آرام کریں پھر، میں خود گرم کر لیتی ہوں۔'' انہیں اپنے کمرے میں لٹا کر وہ کچن کی طرف آ گئی تھی۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں آئی تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس نے یونہی وقت گزاری کے لئے میگزین اٹھایا اور بستر پر نیم دراز ہو گئی، میگزین اس کے سامنے کھلا پڑا تھا جبکہ دل اور دماغ کہیں اور پہنچے ہوئے تھے۔

☆☆☆

سلیمان حیدر، آسیہ بیگم کا دور پار کا رشتہ دار تھا، اس کے ماں باپ ایک حادثے میں انتقال کر گئے تھے، اس کا ایک بھائی اور ایک بہن اور بھی تھے، سلیمان سب سے بڑا تھا، اس کے باپ کا کپڑے کا خوب جما جمایا کاروبار تھا جس کی دیکھ بھال اب سلیمان تنہا ہی کر رہا تھا، ایک خالص خاندانی تقریب میں سلیمان حیدر نے آسیہ بیگم کے ساتھ کومل سی ہادیہ رحمان کو دیکھا تو اس پر دل ہار بیٹھا، اس نے پل بھر میں ہی ہادیہ کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، دوسری طرف آسیہ بیگم رحمان صاحب کی وفات کے بعد ہادیہ کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتی تھیں جیسے ہی سلیمان نے اپنی ایک خالہ کو آسیہ بیگم کے پاس بھیجا انہوں نے پلک جھپکتے ہی ہادیہ کے لئے ہاں کر دی وہ سلیمان کے والدین کو بہت اچھی طرح جانتی تھیں پھر سلیمان کے بارے میں لوگوں کی رائے بھی بہت اچھی تھی اس لئے مزید کچھ چھان بین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، ہادیہ اس وقت ایم اے کے پہلے سال میں تھی، آسیہ بیگم کی نظر میں سلیمان حیدر کا پروپوزل اتنا اچھا تھا کہ انہوں نے ہادیہ کی پڑھائی چھڑوا کو اس کی شادی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

دن گزرتے کون سا دیر لگتی ہے وہ دن بھی بہت جلد آ پہنچا جب ہادیہ سلیمان حیدر کے سنگ اس کے آنگن کی رونق بڑھانے چلی آئی تھی، سلیمان حیدر نے اپنی تمام تر چاہتیں اور محبتیں ہادیہ پر نچھاور کرنے میں ذرا بھی کنجوسی سے کام نہیں لیا تھا، ہادیہ کے کورے دل پر بننے والا پہلا پہلا نقش سلیمان حیدر کی محبت کا ہی تھا ویسے بھی وہ شادی کے بعد کی محبت کی قائل تھی، اس کی بہت گہری دوست عفرا سلیم نے باسم سے پہلے محبت اور بعد میں شادی کی تھی اور جس طرح عفرا نے

اپنی محبت کو حاصل کیا تھا اس سے وابستہ لوگ بہت اچھی طرح جانتے تھے اسے صحیح معنوں میں باسم کے پیچھے ذلیل وخوار ہونا پڑا تھا دن رات تڑپنا پڑا تھا تب کہیں جا کر باسم کا دل موم ہوا تھا، عفرا کے برعکس ہادیہ کی اپنی سوچ تھی وہ کہا کرتی تھی کہ جس چیز کی میں خواہش کروں وہ مجھے نہ ملے تو میں ٹوٹ کر بکھروں گی نہیں بلکہ خاموشی سے مر جاؤں گی اس لئے محبتیں وہی پائیدار اور مضبوط ہوتی ہیں جو واضح بندھن اور مستحکم رشتے کی ڈور میں بندھ کر ابھرتی ہیں اس سے نہ ملنے کا خدشہ تو نہیں رہتا نا، وہ اپنے قول میں سچی ثابت ہوئی تھی، اس نے اپنے دل میں اگر کسی کی محبت کا بیج بویا تھا وہ سلیمان حیدر ہی تھا۔

''دیکھیئے جناب ہماری دلہن جیسا ہے کوئی۔'' ولیمے کے بعد فوٹو سیشن ہو رہا تھا، وہ بیک وقت بہت سے کیمروں کی زد پر تھی، اس کے اردگرد خوب رش تھا، سب مہمان دلہن کے اردگرد جمع ہو گئے تھے، وہ نروس ہو گئی تھی ایک تو کیمروں کی چکا چوند اور دوسرا شوخ نوجوانوں کے ذومعنی فقرے، جب اس نے سلمان کی آواز سنی تھی سب نے زوردار طریقے سے ہوٹنگ کی تھی اور وہ مزید اپنے آپ میں سمٹ گئی تھی۔

''سلمان صاحب دلہن تو واقعی آپ کی بہت خوبصورت ہے، لیکن آپ کا احساس برتری کیا ابھی تک برقرار ہے۔'' ہادیہ نے ایک اور شوخ نسوانی آواز سنی تھی۔

''یار احساس برتری سے تو بندہ خود کو بادشاہ سمجھتا ہے اور بادشاہ کب پسند کرتا ہے اپنی مسند سے نیچے اترنا۔'' کسی اور نے کہا تھا۔

''اچھا اب تم لوگ بس کرو، یہ بحث بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔'' کسی نے آگے بڑھ کر کہا تھا ہادیہ کو ایک لفظ بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا، ویسے بھی تھکن سے برا حال تھا اور کسی کو اس کا خیال نہیں آ رہا تھا، خیر اللہ اللہ کر کے فوٹو سیشن ختم ہوا اور اس کی جان بخشی ہوئی۔

☆☆☆

سلمان حیدر اس کا شوہر اور محبوب تھا، دلہناپے کے دن ختم ہوئے تھے اور اس نے آہستہ آہستہ گھر کی ساری ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں، ویسے بھی کون سا یہاں اس کی ساس نندیں بیٹھی تھیں جو اس کے لاڈ اٹھاتیں، ایک چھوٹی نند تھی سلمان نے جس کی شادی اپنی شادی سے بھی پہلے کر دی تھی ماں باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی ذمہ داری سے جلد از جلد سبکدوش ہو گیا تھا اور چھوٹا بھائی ڈاکٹر تھا جس کی پوسٹنگ فی الحال لاہور میں تھی، ہادیہ سلیمان کا خیال کسی بچے کی طرح رکھتی تھی اس کی ضرورت کی ہر چیز تیار رکھتی، اپنے ہاتھوں سے اس کے لئے مزے مزے کے کھانے تیار کرتی اور اس کے آنے سے پہلے اچھی طرح تیار ہو کر اس کا استقبال کرتی، سلمان کو چند ہی دنوں میں اپنا گھر جنت کے مشابہہ لگنے لگا تھا۔

ایک دن موسم بہت خوشگوار اور رومانٹک سا ہو رہا تھا، ہادیہ نے سلیمان کی پسند کی چکن بریانی بنائی اور سویٹ ڈش میں اسے کھیر پسند تھی بڑی محنت سے وہ بنائی اور خود بھی خوب اچھی طرح تیار ہو کر اس کا استقبال کرنے پہلے باہر لان میں ہی ٹہلنے لگی۔

''مجھے پتہ ہوتا کہ اتنی شدت سے میرا انتظار ہو رہا ہے تو میں بہت پہلے چلا آتا۔'' اس کے قریب آ کر پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''آج موسم بھی تو اتنا اچھا ہو رہا ہے میرا بھی دل کر رہا تھا آپ جلدی گھر آ جائیں۔'' ہادیہ نے اپنی اخروٹی زلفیں سنبھالتے ہوئے اسے جواب دیا تھا۔

''تو جان من فون کی سہولت کس لئے ہے تم نے مجھے بلا لیا ہوتا نا۔'' وہ اس کی تیز ہوا سے

لہراتی زلفوں کو اپنے ہاتھ میں سمیٹتے ہوئے مخمور سے لہجے میں بولا تھا۔

''میں نے کہا آپ ڈسٹرب ہوں گے۔''

''یار تمہارا ہی انداز تو ہمیں لوٹ لیتا ہے، ویسے بھی اس لباس میں تو تم غضب ڈھا رہی ہو۔''

''یہ کلر اچھا لگ رہا ہے۔'' وہ پوچھنے لگی تھی۔

''صرف اچھا، مجھے نہیں پتہ تھا یہ گلابی رنگ تم پر سج کر اس قدر حسین ہو سکتا ہے۔'' اس نے دل کھول کر ہادیہ کی تعریف کی تھی، ہادیہ بلش ہوئے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر آ گیا تھا۔

''آپ فریش ہو جائیں میں کھانا لگاتی ہوں۔''

''کھانے میں کیا ہے؟''

''چکن بریانی، کباب، رائتہ اور کھیر۔'' اس نے مینو بتایا۔

''واہ کسی کی دعوت ہے۔''

''ہاں ہے تو، آپ کی۔'' وہ ہنستے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی تھی۔

''کھانا بہت مزے کا بنا ہے۔'' وہ چکن بریانی سے دوبارہ پلیٹ بھرتے ہوئے بولا تھا۔

''ساجدہ کھیر بھی لے آؤ۔'' ہادیہ نے ملازمہ کو آواز دی تھی۔

''یہ لیں بی بی جی۔'' ساجدہ نے ڈونگا لا کر میز پر رکھا تھا۔

''کیا ہوا کھائیں نا۔'' ساجدہ ڈونگا رکھ کر دوبارہ کچن میں گھس گئی تھی، جبکہ سلمان کے ہاتھ ساکت ہو گئے تھے اور وہ ایک ٹک ڈونگے کو دیکھے جا رہا تھا۔

''تمہیں کس نے کہا تھا یہ کلر پہنو آج۔'' پل بھر میں اس کی ٹون اور لہجہ دونوں چینج ہوئے تھے۔

''کیا ہوا؟'' اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا، وہ گھبرا گئی تھی۔

''ہونا کیا ہے ملازمہ اور مالکہ دونوں ایک ہی کلر میں گھوم رہی ہوں یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''ویسے بھی جو فرق وہ نظر آنا چاہے۔''

''لیکن سلمان!'' اس نے بات ہی اتنی عجیب کی تھی، وہ کچھ بھی بول نہ پا رہی تھی۔

''لیکن ویکن کیا، تمہیں میرے ساتھ رہتے ہوئے دو تین مہینے تو ہو گئے ہیں نا اور کس کی پسند ناپسند جاننے کے لئے اتنا عرصہ بہت ہوتا ہے، میری ہر چیز ہمیشہ سے بہت یونیک اور منفرد رہی ہے اور میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری پسند کسی اور سے ملتی جلتی ہو، اب تم بھی میری ذات کا ایک حصہ ہو اس لئے تمہیں بھی یہی عادت اپنانی ہو گی۔'' اسے سختی سے سمجھا کر وہ ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ گیا تھا۔

ہادیہ تو سن سی بیٹھی رہ گئی تھی، اتنی عجیب عادت میں کیسے اپناؤں گی، اسے پھر شادی کی پہلی رات والی بات یاد آئی تھی، سلمان نے اس کی کلائی میں بریسلیٹ پہناتے ہوئے اسے کہا تھا کہ یہ میں نے خود آرڈر پر بنوایا ہے جو پہلے سے تیار تھے، وہ جانے کتنے لوگوں نے خریدے ہوں گے اور پھر ولیمے کے روز جب اس نے کہا تھا کہ میری دلہن جیسا کوئی ہے تو کسی لڑکی نے کہا تھا کہ تمہارا احساس برتری آج تک کم نہیں ہوا، ان باتوں کو سن کر وہ یونہی سن کر پس پشت ڈالتی آئی تھی لیکن آج اس وقت احساس ہوا تھا کہ سلمان حیدر کس قدر احساس برتری میں مبتلا ہے اور اپنی خودی اور ذات کے زعم میں وہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا ہے اور ایسے لوگ جھک کر لوگوں سے نہیں ملتے بلکہ دوسروں کو جھکانے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں، یا اللہ میں کیسے سلمان کی اس عادت کو چھڑواؤں، وہ جتنا سوچتی جا رہی تھی اتنا ہی الجھ رہی تھی۔

"بی بی جی! برتن اٹھا لوں۔" ساجدہ نے اسے گم صم بیٹھے دیکھ کر پوچھا تھا۔
"ہاں اٹھا لو۔" وہ بے دلی سے سب کچھ چھوڑ کر سلمان کے پیچھے چلی آئی تھی۔
"سلمان آپ کھانا تو کھالیں۔"
"میں نے کھالیا ہے۔"
"سلمان پلیز۔"
"اچھا پہلے یہ کپڑے تو بدلو۔" وہ روکھے سے لہجے میں بولا تھا۔
"اوکے میں ابھی بدل لیتی ہوں، لیکن آپ اپنا موڈ تو صحیح کریں۔" وہ لجاجت سے کہتی ہوئی ڈریسنگ روم میں گھس گئی تھی۔

☆☆☆

بعض لوگوں کی ذات پرت در پرت، تہہ در تہہ بہت پیچیدہ ہوتی ہے، سلیمان حیدر بھی ہادیہ کو ملنے والا وہ جگسا پزل تھا جسے وہ حل کرنے کی کوشش میں الجھتی جارہی تھی، وہ اپنے لئے بہت پوزیسیو تھا، ہادیہ شروع ہی سے شاپنگ کی بہت شوقین تھی اب سلمان کے ساتھ اسے شاپنگ پر جانا کسی عذاب سے کم نہیں لگتا تھا، وہ بازاروں میں پھر پھر کر اسے ہلکان کر دیتا، معمولی سے معمولی چیز بھی خریدتے وقت وہ اس بات کا خیال رکھتا کہ وہ چیز بہت یونیک اور منفرد ہو، ہادیہ کو بعض اوقات کوئی سوٹ اس کا کلر اور ڈیزائن بہت پسند آتے اور وہ یہ کہہ کر ریجکٹ کر دیتا کہ کوئی اور پسند کرلو یہ فلاں نے پہنا تھا، ہادیہ جلتے کڑھتے شاپنگ ادھوری چھوڑ کر گھر چلی آتی، بھلا ایسی بھی انفرادیت کیا کہ بندہ دل اور نظر کو اچھی لگنے والی چیز بھی خرید نہ سکے، اس نے ہادیہ کا گلابی سوٹ بھی ساجدہ کو دلوا دیا تھا وہ سوٹ ہادیہ کو بہت پسند تھا، ساجدہ کو دیتے وقت اسے سلمان پر غصہ بھی آیا تھا لیکن پھر دل مسوس کر رہ گئی تھی، سلمان پر غصہ آنے کے باوجود وہ غصہ کر نہیں سکتی تھی اس نے اس بات کا ذکر عفرا سے بھی کیا تھا، عفرا ان دنوں باسم کو پا کر ہواؤں میں اڑ رہی تھی اس کی محبت اسے مل گئی تھی اسے تو گویا کل کائنات ہی مل گئی تھی اس نے ہادیہ کی بات کو سن کر چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔
"ہادیہ اور ویسے تو تم بہت ذہین ہو سلمان بھائی کی اتنی سی عادت نہیں چھڑوا سکتی ہو، یار اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرو کیا ہو گیا ہے تمہیں۔"
"عفرا بعض عادتیں پختہ ہو کر اس طرح مزاج کا حصہ بن جاتی ہیں کہ انہیں کبھی بھی نہیں چھوڑا جا سکتا، سلمان کی یہ احساس برتری والی عادت بھی ایسی ہی ہے اور رہی بات میرے ہر فن مولا ہونے کی تو یار ہم عورتوں کی ساری صلاحیتیں ہم سے شروع ہو کر ہم پر ہی ختم ہو جاتی ہیں، جہاں بات آتی ہے صنف مخالف کی وہاں ان تمام صلاحیتوں کو زنگ لگنا شروع ہو جاتا ہے، ہم چاہے کچھ بھی کرلیں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔" اس نے ہارے ہوئے انداز میں کہا تھا۔
"ابھی تو زندگی شروع ہوئی ہے تم ابھی سے تھکنے لگی ہو۔" عفرا نے منہ پر کریم کا مساج کرتے ہوئے اسے آئینے میں غور سے دیکھا تھا۔
"شاید۔" اس نے مختصر سا جواب دیا تھا۔
"یار ایسے مت کہو وہ آہستہ آہستہ بدل جائے گا۔"
"وہ بدل جائے گا یا میں ٹوٹ جاؤں گی، کس کو پتہ ہے۔" اس نے ہولے سے کہا تھا اور عفرا کو خدا حافظ کہہ کر گھر لوٹ آئی تھی۔

☆☆☆

اس دنیا میں بہت کم مردوں کی تعداد ایسی ہوتی ہے جو خود کو بدل لیتی ہے، سلمان حیدر اس کم تعداد میں شامل نہیں تھا، وہ برتری کے زعم میں مبتلا تھا جبکہ ہادیہ اسے عام انسانوں کی طرح دیکھنے کی تمنائی تھی، کبھی کبھی تو وہ اسے کوئی پاگل ہی لگتا تھا دوسروں کی طرح نہ پہنو، دوسروں جیسا نہ کھاؤ، دوسروں جیسا نہ جیو، یہ حرکتیں نارمل کہاں

تھیں، عفرا کے سوا ہادیہ یہ باتیں کسی سے بھی شیئر نہ کر سکتی تھی، ماں کو یہ سب بتا کر وہ دکھی نہ کرنا چاہتی تھی، لوگ تو اس کی زندگی کو قابل رشک گردانتے تھے، اتنا بڑا گھر تھا، ٹھیک ٹھاک قسم کا کاروبار تھا، پیار کرنے والا شوہر تھا، کسی نند ساس کا جھنجھٹ نہ تھا بظاہر تو سب کچھ ٹھیک تھا، اس دنیا میں ان سب کے سوا کیا چاہیے ہوتا ہے لیکن وہ لوگوں کو کیسے بتاتی کہ ان سب آسائشات کے ساتھ ایک دکھ ایسا بھی ہے جو اس کی ذات کو گھن کی طرح کھوکھلا کیے جارہا ہے، اس دن تو حد ہی ہو گئی، سلمان کے کچھ دوست آئے ہوئے تھے، سلمان نے اندر آکر پہلے ہادیہ کے لئے ایک ڈریس سلیکٹ کیا اور پھر اسے کہا کہ وہ اچھی طرح تیار ہو کر ڈرائینگ روم میں آجائے۔
"لیکن سلمان یہ ڈریس بھی تو دیکھیں اس کو پہن کر میں آپ کے دوستوں کے سامنے آؤں گی۔" اس نے بیڈ پر پڑی سلیولیس شرٹ اور ٹراؤزر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔
"ہاں تو کیا ہے اسے، یہ ڈریس پہن کر تمہیں بازار میں تو کھڑا نہیں کر رہا ہوں تمہیں یہ اپنے گھر کے اندر ہی پہننا ہے۔"
"میں اسے آپ کے لئے گھر کے اندر بخوشی پہن سکتی ہوں لیکن آپ کے دوستوں کے سامنے نہیں۔"
"ہادیہ کم آن، کیسی باتیں کر رہی ہو، وہ پہلی دفعہ تم سے ملیں گے، پہلی دفعہ تمہیں دیکھیں گے میں جن کے سامنے بلند بانگ دعوے کیا کرتا تھا اب شرمندہ نہیں ہونا چاہتا، انہیں پتہ تو چلے میرا انتخاب کوئی عام سی لڑکی نہیں ہے، ہادیہ سلمان، لاکھوں کروڑوں میں ایک ہے، تمہیں یہ پہننا ہے میں جا رہا ہوں، جلدی سے آجاؤ، اٹھو ہری اپ۔" وہ اسے حکم دے کر باہر نکل گیا تھا۔
"ہادیہ وہ سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں، تم ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہو۔" پورے تیس منٹ بعد وہ دوبارہ اندر آیا تھا اور اسے بیڈ پر گم صم بیٹھے دیکھ کر غصے میں آگیا تھا۔
"سلمان پلیز میں کوئی اور ڈریس پہن کر آجاتی ہوں۔"
"ہادیہ تم انتہائی فضول اور ضدی لڑکی ہو، کیا تمہیں میری بات کی سمجھ نہیں آرہی ہے۔" بیڈ روم کا دروازہ بند کر کے وہ اس پر غرایا تھا۔
"سلمان یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔" اس نے کہا تھا اور ساتھ ہی آنکھیں بھر آئی تھیں۔
"Go to hell"۔ وہ دروازہ زور سے بند کر کے باہر چلا گیا تھا۔
وہ لوگ جا چکے تھے ہادیہ سمجھ رہی تھی کہ قیامت آکر ٹل گئی ہے لیکن اسے یہ نہیں پتہ تھا کہ اصل قیامت تو آنے والی ہے، وہ اپنے دوستوں کو رخصت کر کے اندر آیا تھا۔
"میں نے ان لوگوں کو یہ بتا کر رخصت کر دیا ہے کہ تمہاری طبیعت خراب ہے یہ نہیں بتایا کہ اصل میں تمہارا دماغ خراب ہے۔"
"سلمان وہ......" اس کا انداز اور غصہ دیکھ کر وہ گڑگڑائی تھی۔
"شٹ اپ، مجھے تم سے اس کی توقع نہیں تھی، تم نے میری انسلٹ کی ہے اور کروائی ہے۔"
"اس میں انسلٹ کی کیا بات ہے۔" وہ بولی تھی۔
"تمہارے لئے تو یہ معمولی بات ہے لیکن میری انسلٹ ہوئی ہے، تم اتنی ضدی اور ہٹ دھرم ہو گی آج سے پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا لیکن ہادیہ بیگم یہ یاد رکھو یہ پہلی دفعہ ہے اس لئے چھوڑ رہا ہوں آئندہ میں ایسی کوئی غلطی برداشت نہیں کروں گا بلکہ آئندہ ایسی کوئی غلطی ہوئی تو تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہاری ماں کے پاس چھوڑ آؤں گا۔"
"کک...... کیا...... سلمان کیا کہہ رہے ہو تم؟" یہ گھر جس کی تعمیر میں اس کا کوئی حصہ نہیں

تھا لیکن یہاں آتے ہی اس نے اس گھر کی فضاؤں میں ہواؤں میں محبت کی چاشنی گھول دی تھی، اپنی ذات کو مٹا کر اس گھر میں شامل کر دیا تھا، ایک معمولی سی بات پر وہ اس کو اس گھر سے نکالنے کی بات کر رہا تھا، کیا عورت کی حد صرف یہاں تک ہی ہوتی ہے، وہ شاک میں تھی۔

''وہی جو تم نے سنا۔'' وہ بے نیازی میں عروج پر تھا۔

''ٹھیک ہے پھر میں ابھی سے چلی جاتی ہوں کیونکہ یہ غلطی نہیں تھی، میں نے جو بھی کیا اپنی مرضی سے کیا، اس لئے میں اس گھر سے جا رہی ہوں۔'' چند پل ہی لگے تھے اسے ایک فیصلہ کرنے میں، اس نے سلمان سے کہا تھا اور اپنے کپڑے نکالنے لگی تھی، سلمان نے اسے نہیں روکا تھا، الماری سے کپڑے اور دوسرا سامان نکال کر ایک بڑے سے بیگ میں ٹھونسنے تک اس کا دل بار بار یہ چاہتا رہا تھا کہ وہ بڑھ کر اسے روک لے، اس گھر سے نہ جانے دے، اسے کہہ دے کہ آئندہ میں تمہیں ایسی کسی بات کے لئے مجبور نہیں کروں گا، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا، وہ بیگ گھسیٹ کر باہر نکل آئی تھی، وہ بے نیاز بنا رہا تھا، وہ اپنے گھر تک پہنچ گئی تھی اسے کسی آواز نے واپس نہیں بلایا تھا۔

پل میں دوری ہو جاتی ہے
ذات ادھوری ہو جاتی ہے
آنکھوں میں نیند آتی نہیں
رات پوری ہو جاتی ہے
پہلے تو ہوتی ہے چاہت
پھر مجبوری ہو جاتی ہے
کچھ لوگوں کی لمحہ بھر میں
خواہشیں پوری ہو جاتی ہے
حد سے پیار گزر جائے تو
اکثر دوری ہو جاتی ہے

☆☆☆

''عفرا یہ کب ہوا تم نے مجھے بتایا ہی نہیں، اتنی بڑی بات ہو گئی اور تم نے مجھے بے خبر رکھا۔'' وہ عفرا کے پاس اپنا دکھ کہنے آئی تھی لیکن یہاں آ کر اسے جو بات پتہ چلی تھی اس نے ہادیہ کو لرزا دیا تھا، باسم عفرا کو طلاق دے کر واپس اپنوں میں لوٹ گیا تھا، عفرا رونے پیٹنے کی بجائے جامد و ساکت بیٹھی تھی، دکھ کی ایک کیفیت یہ بھی ہوتی ہے جب بندہ ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے، عفرا نے باسم کو حاصل کرنے کے لئے کیا کیا جتن کئے تھے یہ وہی جانتی تھی اور وہ سنگدل صرف چند ماہ اس کے ساتھ رہ کر نئی دنیائیں کھوجنے چل پڑا تھا۔

''ہادیہ میں تمہیں کیا بتاتی، سب کچھ تو ختم ہو گیا تھا، میرے پاس تو کسی کو بھی کچھ بتانے کو ایک لفظ نہیں بچا تھا، یہ دیکھو میں خالی ہاتھ خالی دامن ہوں۔'' اس نے اپنے ہاتھ ہادیہ کے سامنے پھیلائے تھے۔

''عفرا وہ تمہاری محبتوں کے قابل ہی نہیں تھا۔'' اس نے عفرا کے ہاتھ چوم کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا، اس کا مہربان لمس پا کر عفرا کے دل پر چھائی جمود کی کیفیت پانی بن کر بہنے لگی تھی، وہ دونوں جتنا رو سکتی تھیں روئی تھیں، نمکین آنسو پھر بھی تہی داماں ٹھہرے تھے، کھویا ہوا ایک پل بھی واپس نہیں آ سکا تھا، محبت انجان بنی ان دونوں کی حالت پر ہنستی رہی تھی۔

محبت کب سمجھتی ہے
محبت کب سمجھتی ہے کہ کوئی دشت وحشت ہے
جو خوابوں میں بسی آنکھوں کو جانے کب کہاں
ڈس ڈالے گا
محبت کب سمجھتی ہے کہ جو سانپ سا اندر ہی اندر
سانس لیتا ہے
نجانے کب کہاں یہ کون سی معصوم خواہش کو
یونہی جھنجھوڑ ڈالے گا
محبت کب سمجھتی ہے کہ یہ جو شفاف رہتے ہیں

در منزل پہ رکتے ہیں
تھکن
تحفہ نہیں دیں گے
کہیں بھٹکا نہیں دیں گے
محبت کب سمجھتی ہے کہ ان شفاف رستوں سے
کوئی دکھ درد کی جانب
اسے نہ موڑ ڈالے گا
محبت کب سمجھتی ہے
کہ کوئی توڑ ڈالے گا

☆☆☆
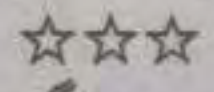
''بیٹا بڑے دن ہو گئے ہیں سلمان تمہیں لینے کیوں نہیں آیا۔'' ہادیہ ایک صبح ناشتے کے بعد گھونٹ گھونٹ گرم چائے اپنے اندر اتارتے ہوئے گہری سوچوں میں گم تھی جب امی جان نے اسے کہا تھا، وہ کئی دنوں سے اسے ایسے ہی الجھا الجھا دیکھ رہی تھیں، لیکن پوچھنے کی ہمت اس لئے نہ کر سکی تھیں کہ ہادیہ کیا سوچتی، چند دن ماں کے پاس رہنے کے لئے کیا آئی ہوں انہیں مصیبت پڑ گئی ہے، لیکن جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے ماں کی فطری پریشانی اور تشویش بڑھتی جا رہی تھی، شادی کے بعد اتنے دن وہ کبھی نہیں رکی تھی اور پھر جس دن سے وہ یہاں آئی تھی سلمان نہ تو خود آیا تھا اور نہ ہی اس نے فون وغیرہ کیا تھا۔

''امی جان وہ شاید اب کبھی نہ آئے۔'' جو بات کل کو کھلنا تھی وہ آج ہی کھل جانے میں کیا حرج تھا پھر وہ اس غم کا بوجھ تنہا ڈھوتے ڈھوتے تھک گئی تھی، عفرا اپنے دکھ میں الجھی ہوئی تھی جس سے وہ ہر بات شیئر کر لیا کرتی تھی اب اک ماں تھی اس کے سوا کوئی ایسا نہ تھا جسے وہ سب کچھ بتا کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیتیں۔

''کیوں؟'' وہ بے تابی سے بولی تھیں، پل بھر میں ان کا چہرہ کسی انہونی کے ڈر سے بجھ سا گیا تھا۔

''وہ مجھے رکھنا نہیں چاہتا اور میں اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اس لئے آسان سی بات ہے وہ اپنے گھر میں ہے اور میں اپنے گھر آ گئی ہوں۔''

''ہادیہ بچے یہ تمہارا گھر نہیں ہے، تمہارا اصل گھر تو وہی ہے اور پھر ایسا کیا ہوا کہ تم دونوں یوں الگ ہو گئے۔''

''اصل گھر، ہونہہ، عورت کا اصل گھر ہوتا ہی کہاں ہے، آپ کہتی ہیں یہ گھر میرا نہیں وہ کہتا ہے وہ گھر میرا نہیں، پھر مجھے بتائیں میرا گھر کون سا ہے۔'' وہ پھٹ پڑی تھی۔

''ہادیہ کیا ہوا ہے آخر؟'' وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر بولی تھیں، ہادیہ نے دھیرے دھیرے انہیں ساری بات سنا دی تھی۔

''تم اسے فون کرو میں اسے سمجھاؤں گی، میں مانتی ہوں بیٹا اس نے جو بھی کیا غلط کیا لیکن اس طرح تو گھر بستے تو نہیں اجڑ جاتے ہیں۔''

''امی جان میں اسے فون نہیں کروں گی، اس شخص کے ساتھ رہنا بہت مشکل ہے، وہ اپنے آپ کو بدلنے پر تیار نہیں، وہ بہت بے حس ہے۔''

''اچھا چلو فون مت کرو، لیکن یوں رو رو کر خود کو ہلکان بھی نہ کرو۔'' انہوں نے اس کے آنسو پونچھے تھے اور ساتھ ہی دل میں یہ عہد کیا تھا کہ وہ ہادیہ کے علم میں لائے بغیر سلمان کو فون ضرور کریں گی۔

منیزہ بیگم سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ سلمان ہادیہ پر ایسا کوئی الزام لگائے گا اپنے تئیں انہوں نے ہادیہ سے چھپ کر اسے فون کیا تھا اور ہادیہ کو سمجھانے کا وعدہ کر کے اسے کہا تھا کہ وہ اسے آ کر لے جائے لیکن جو بات سلمان نے آگے سے کی تھی وہ بات ان کی سماعتوں میں اتر کر کسی بم کی طرح پھٹی تھی۔

''آنٹی میں تو ایسی کوئی چیز بھی اپنے پاس نہیں رکھتا ہوں جس پر مجھے شبہ ہو کہ اس پر کسی

اور کی پسندیدگی کی مہر لگی ہوئی ہے اور پھر ہادیہ کوئی چیز نہیں میری بیوی ہے اسے میں کیسے برداشت کرسکتا ہوں کہ وہ میرے علاوہ کسی اور کو دل میں بسائے بیٹھی ہو۔"

"بیٹا تم کیا کہہ رہے ہو مجھے تمہاری مبہم باتوں کی سمجھ نہیں آرہی ہے، جو بھی کہنا ہے کھل کر کہو۔"

"آنٹی اگر ہادیہ شادی سے پہلے باسط رضا کو پسند کرتی تھی تو آپ نے اس کی شادی اس سے کیوں نہ کردی، میرے مقابلے میں ویسے بھی وہ آپ کی سگی بہن کا بیٹا تھا۔" اس نے بغیر ان کا لحاظ کیئے بڑے دھڑلے سے کہا تھا۔

"سلمان بیٹا، میری بیٹی ایسی نہیں ہے، تم اس پر اتنا بڑا الزام کیسے لگا سکتے ہو، باسط رضا اور اس کا ساتھ کوئی آج کا نہیں ہے وہ بچپن سے ساتھ ہیں، وہ بالکل بہنوں کی طرح اس کو چاہتا ہے، اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو ہمیں انہیں ایک بندھن میں باندھتے کیا قباحت تھی، تم نے ایسا کیوں سوچا بیٹے۔" سلمان کی بات پر ان کا خون کھول کر رہ گیا تھا لیکن پھر بھی انہوں نے بڑے تحمل سے اس سے بات کی تھی۔

"ہادیہ اکثر و بیشتر باسط رضا کو لمبی لمبی کالیں کیا کرتی تھی یہ بات مجھے ابھی پتہ چلی ہے، ہادیہ اپنا سیل فون یہیں چھوڑ گئی ہے اس پر تو تصدیق جو ہوئی سو ہوئی گھر والے نمبر سے بھی اس نے صرف اسے فون کیئے ہیں یا عفرا کو۔"

"تو بیٹا اس میں برائی کیا ہے، وہ بچپن سے ہی عفرا اور باسط کے قریب رہی ہے، ظاہری بات ہے انہیں فون نہیں کرے گی تو اور کسے کرے گی، تم اپنے دل کو صاف کرلو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"سلمان صاحب مجھے نہیں پتہ تھا کہ آپ اپنی ذات کی خامیوں کو چھپانے کے لئے ایسے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئیں گے، مجھے آپ کو صفائیاں دینے کا کوئی شوق نہیں ہے، باسط رضا کے بارے میں آپ جو بھی سمجھ رہے ہیں سمجھتے رہیں۔" وہ جانے کب گھر آئی تھی اس نے امی جان کی باتیں سن کر اندازہ لگایا تھا کہ سلمان کیا کہہ رہا ہے اس نے ان کے ہاتھ سے ریسیور چھین کر سلمان سے کہا تھا اور فون بند کردیا تھا۔

"بیٹا یہ کیا کیا تم نے۔" منیزہ بیگم اس صورت حال پر شاک میں مبتلا تھیں۔

"امی جان آپ نے جو کچھ سنا کیا اس کے بعد بھی اس بات کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ ہم اس شکی شخص کی منتیں کرتے پھریں۔" وہ ان کی طرف دیکھ کر دکھ سے بولی تھی منیزہ بیگم ہادیہ کو ساتھ لگا کر سسک پڑی تھیں۔

☆☆☆

زندہ رہیں تو کیا ہے جو مر جائیں ہم تو کیا
دنیا سے خامشی سے گزر جائیں ہم تو کیا
ہستی ہی اپنی کیا ہے زمانے کے سامنے
اک خواب ہیں جہاں میں بکھر جائیں ہم تو کیا
اب کون منتظر ہے ہمارے لئے وہاں
شام آگئی ہے لوٹ کے گھر جائیں ہم تو کیا
دل کی خلش تو ساتھ رہے گی تمام عمر
دریائے غم کے پار اتر جائیں ہم تو کیا

رات بھیگتی جا رہ تھی، منیر نیازی کی خوبصورت غزل اس کے دل کے تاروں کو ہولے ہولے چھیڑ رہی تھی۔

سلمان حیدر کو اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا، گو کہ اس کی رفاقت کے چند ماہ ہی اسے نصیب ہوئے تھے لیکن اس عرصے میں اس نے اس کی ذات کی خودی قائم رکھنے کے لئے اپنی ذات مٹا دی تھی، خود کو فراموش کردیا تھا اور صلہ کیا ملا تھا نہ تو اس کو ہادیہ کی محبت نظر آئی تھی اور نہ ہی اس کی ذات کا مٹنا نظر آیا تھا اور باسط رضا کو الزام بنا کر اس کی جھولی میں ڈال دیا تھا وہ باسط رضا جس کو اگر سلمان حیدر کی گندی سوچ کا علم ہو جاتا تو اس

سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اسے شوٹ کر ڈالتا، وہ ایسا ہی صاف اور کھرا انسان تھا۔

"سلمان تم مجھے چھوڑ دیتے اپنے گھر میں دوبارہ قدم نہ رکھنے دیتے لیکن ایسا الزام تو نہ لگاتے۔" وہ تصور میں اس کے عکس سے مخاطب تھی۔

"میرے جیسی لڑکیاں بہت کم ہوتی ہیں جو اپنے جذبات اور خیالات تک سنبھال کر رکھتی ہیں اور انہیں صرف اس شخص کی جھولی میں ڈالنا چاہتی ہیں جو شرعی اور قانونی لحاظ سے ہر چیز کا مالک ہوتا ہے، پھر بھی سلمان حیدر تم نے مجھے یہ بخشا، اصل میں تمہیں میرے جیسی لڑکی چاہیے ہی نہیں تھی تمہیں تو کوئی اپنے جیسی چاہیے تھی۔"

☆☆☆

"باسط تم؟" باسط کو جب سے پی آئے اے میں نوکری ملی تھی تب سے وہ اکثر فلائٹوں میں رہتا تھا اور اس مصروفیت کی بناء پر ہادیہ کے گھر کم کم آپاتا تھا اب بھی بڑے دنوں بعد آیا تھا، ہادیہ ہلکی دھوپ میں بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی، باسط کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس کے استقبال کو اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں ڈیئر سسٹر کیسی گزر رہی ہے، میاں کو چھوڑ کر یہاں ڈیرا ڈالے بیٹھی ہو۔" وہ اس کے قریب آ کر خوش دلی سے بولا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، تم بیٹھو نا۔" وہ اس وقت باسط کے سامنے اپنے دکھوں کا اشتہار نہیں لگوانا چاہتی تھی اس لئے پل بھر کو ساری اداسی اور کوفت مٹا کر لہجے میں بشاشت سمو کر بولی تھی۔

"تمہارے میاں صاحب کا کیا حال ہے۔" وہ بیٹھتے ہی پوچھنے لگا تھا۔

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔" باسط سے اس نے آج تک کوئی بات نہیں چھپائی تھی لیکن اس وقت ساری باتیں چھپا گئی تھی۔

"چلو آؤ، اندر امی جان کے پاس چلتے ہیں۔"

"ارے میں کون سا اتنی جلدی واپس جا رہا ہوں، اندر خالہ جان کے پاس بھی چلتے ہیں فی الحال تو تم مجھے تم سے ایک کام ہے۔" وہ اطمینان سے بیٹھے بیٹھے بولا تھا۔

"کام...... کیسا کام؟"

"ہادیہ میں نے سنا ہے عفرا کو ڈائیورس ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔" وہ افسردگی سے بولی تھی۔

"ہادیہ میری اچھی بہن دیکھو میری بات کو دھیان سے سننا، تمہیں شروع سے ہی بہت دعویٰ تھا کہ تم میرے دل کی ہر بات میرے کہے بغیر جان جاتی ہو لیکن ایک بات آج تک ایسی تھی جسے اتنے بڑے دعوے کے باوجود تم نہیں جان پائی ہو، وہ بات یہ تھی اور ہے کہ میں تمہاری دوست عفرا سلیم کو پسند کرتا ہوں، آج سے نہیں کئی سالوں سے اس سے پہلے کہ میں اظہار کرتا، عفرا باسم کی محبت میں گرفتار ہو گئی، ہادیہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میری محبت ختم ہو جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا، میرے دل میں اول روز سے عفرا سلیم کا جو مقام تھا وہ آج تک قائم ہے پھر بدقسمتی سے اسے باسم نے چھوڑ دیا میں جانتا ہوں وہ بہت دکھی ہو گی لیکن ہادیہ پلیز تم میرا پروپوزل اس کے سامنے رکھو میں اس کے سارے دکھوں کو اس سمیت اپنانا چاہتا ہوں پلیز ہادیہ۔"

"باسط تم......" باسط رضا کی بات سن کر وہ کتنی دیر تک تو کچھ بھی نہ بول پائی تھی، یہ کیسی محبت تھی جو عفرا کو باسم کی محبت میں ٹوٹتے دیکھ کر بھی نہ ختم ہوئی تھی اور ایک محبت وہ تھی جو معمولی سے شک کی بناء پر ہی دم توڑ گئی تھی۔

"ہاں ہادیہ میں عفرا سے شادی کرنا چاہتا ہوں، میں نے پہلے ہی اظہار میں اتنی دیر کر دی تھی اب میں اس کام میں ذرا سی دیر بھی نہیں چاہتا، اب عفرا کو منانا تمہارا کام ہے۔"

"باسط اسے منانا مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں، لیکن کیا تم اس کے ساتھ خوش رہ سکو گے کہیں جذبات میں آ کر تم یہ قدم اٹھا لو اور بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے۔"

"ہادیہ ڈیئر کیسی بات کر رہی ہو، محبت چیز ہی ایسی ہے جس سے ہو جاتی ہے اسے پا کر پچھتانے کا کیا سوال اور پھر میرے دل کے ساتھ ساتھ میرا ظرف بھی اتنا بڑا ضرور ہے کہ میں عفرا کو پچھلی زندگی کا طعنہ دیئے بغیر اسے خوش رکھ سکوں۔" اس نے پل بھر میں ہی ہادیہ کے سارے خدشات دور کر دیئے تھے اور ہادیہ اتنا تو اس کو جانتی تھی کہ وہ جو کہتا تھا وہی کرتا تھا۔

"باسط تم بہت اچھے ہو، اتنا ظرف ہر کوئی نہیں رکھتا۔" یہ کہتے ہی اس کی نظروں کے سامنے سلمان حیدر کا سراپا گھوما تھا۔

"مائی ڈیئر سسٹر تم میری تعریفوں کو چھوڑو فوراً عفرا سے بات کرو۔" وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔

"میں ابھی اس سے بات کرتی ہوں۔" جوش میں آ کر وہ عفرا کو فون کرنے دوڑی تھی، باسط مطمئن سا ہو کر شوخ سی دھن بجاتا ہوا اس کے پیچھے اندر آ گیا تھا۔

☆☆☆

"ہاں اب بتاؤ یہ والی زندگی اچھی ہے یا پچھلی زندگی اچھی تھی۔" باسط اور عفرا کی شادی ہو گئی تھی ہادیہ ان دونوں کی خوشی میں بہت خوش تھی، عفرا کے وجود پر چھائی اداسی ختم تو نہیں ہوئی تھی البتہ قدرے کم ضرور ہو گئی تھی، باسط کی غیر موجودگی میں ہادیہ نے اس سے پوچھا تھا۔

"یہ بہت مشکل سوال ہے ہادیہ، پچھلی زندگی بھی میں نے بہت خوشیوں اور شادمانیوں سے شروع کی تھی وہ الگ بات کہ اس شخص نے ان ساری خوشیوں کا ملیا میٹ کر دیا رہی بات موجودہ زندگی کی، تم جانتی ہو باسم کی جگہ باسم کو دنیا میرے لئے کتنا مشکل ہے لیکن وہ بہت اچھا ہے میں اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہی ہوں کہ اس بے وفا شخص کو بھول کر اس اچھے انسان کی ہمراہی میں خوش رہنا اور زندگی جینا سیکھ لوں۔"

"شاباش یہ ہوئی نہ بات، انشاء اللہ تم بہت جلد خوش رہنا سیکھ لو گی، عفرا زندگی میں اچھے برے ہر قسم کے لوگ ملتے ہیں، اچھے لوگوں کو ساتھ لے کر چلتے ہوئے برے لوگوں کو فراموش کر دیا جائے تبھی زندگی جینے کا سلیقہ آتا ہے۔"

"لیکن ہادیہ وہ میرے لئے کوئی نہیں تھا، میری پوری زندگی تھا، وہ صرف برا ہوتا تو مجھے پرواہ نہ ہوتی، وہ میرا تھا ہی نہیں اس لئے میں آج تک سنبھل نہیں سکی ہوں۔"

"ہیلو لیڈیز کیا ہو رہا ہے؟" باسط کی شوخ آواز نے دونوں کو چونکا دیا تھا۔

"ہم تو ٹھیک ہیں، آپ کہاں سے مٹر گشت کرتے آ رہے ہیں۔" ہادیہ نے شوخی سے کہتے ہوئے عفرا کو سنبھلنے کا اشارہ کیا تھا۔

"جناب ہم نے کہاں جانا ہے، آپ کی سہیلی نے ہمیں اس قابل چھوڑا ہی کب ہے کہ ہم کہیں جانے کے قابل رہتے۔" وہ بیڈ پر عفرا کے قریب گرتے ہوئے بولا تھا، عفرا کے چہرے پر اس کی بات اور قربت نے کچھ رنگ سے بکھیر دیئے تھے۔

"جناب ہماری دوست ایسی ہی صلاحیتوں کی مالک ہے، ابھی تو ان کے باقی جوہر آہستہ آہستہ آپ پر کھلیں گے۔" وہ بھی جواباً شوخی سے بولی تھی۔

"ارے ہم ان کے باقی جلوؤں کی تاب بھی لا سکیں گے کہ نہیں یہ تو بتا دیں۔" وہ عفرا کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا تھا۔

"اچھا اب زیادہ پھیلو مت، میرے سامنے کچھ تو شرم کرو۔" ہادیہ، عفرا کا سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر دلچسپی سے بولی تھی، اتنے میں باسط کا موبائل گنگنانے لگا تھا وہ کال سنتے سنتے کمرے سے باہر

نکل گیا تھا۔

”عفرا، باسط بہت اچھا ہے، وہ تمہیں بہت چاہتا ہے میں جانتی ہوں باسم کو بھلانا تمہارے لئے بے حد مشکل ہے لیکن ایسے لوگوں کو بھلا ہی دینا چاہیے، اگر تم میری باتوں پر ذرا غور سے سوچو گی تو دیکھنا زندگی بے حد خوبصورت لگنے لگے گی۔“

”ہادیہ تم صرف یہ دعا کرو میں باسط کے ساتھ خوش رہ سکوں۔“

”آمین۔“ ہادیہ نے صدق دل سے کہا تھا۔

☆☆☆

دور کہیں مسجد سے فجر کی پہلی اذان کی آواز ہوا کے دوش پر سفر کرتے ہوئے ہادیہ کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ گہری سوچوں میں پیچھا چھڑا کر واپس حال میں آئی تھی، اس نے وضو کر کے نماز ادا کی اور پھر کمبل لپیٹ کر سو گئی تھی، پوری رات تو یونہی جاگتے اور سوچتے گزر گئی تھی اب آنکھیں نیند سے بوجھل اور سر درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا۔

”ہادیہ میں ذرا تمہاری خالہ جان کی طرف جا رہی ہوں، تم جاؤ گی۔“ ہلکی ہلکی دھوپ املی اور اناروں کے پودوں پر سے جھانکتے ہوئے صحن میں بکھری پڑی تھی، وہ نہا کر دھوپ میں مزے سے بیٹھی ہوئی تھی۔

”امی جان آپ چلی جائیے میں کل چلی جاؤں گی، اس وقت تو میرا کہیں بھی جانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ وہ چادر اوڑھ کر باہر نکل گئی تھیں۔

نرم گرم سی دھوپ ہادیہ کے جسم پر ٹکور سی کر رہی تھی وہ نیم خوابیدہ کیفیت میں انار کے درخت پر بیٹھی چڑیا کو دیکھ رہی تھی جب کوئی صحن کا دروازہ کھول کر اندر چلا آیا تھا، اس نے لیٹے لیٹے یونہی گردن گھما کر آنے والے کو دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی، اس شخص نے تو اس کی ساری ہستی کی بنیادوں کو ہلا دیا تھا۔

”آپ؟“ اس کے لب دھیرے سے ہلے تھے۔

”بیٹھنے کو نہیں کہو گی۔“ وہ قریب آ کر بولا تھا۔

”بیٹھیے۔“ ہادیہ نے کچھ فاصلے پر پڑی کرسی گھسیٹ کر سامنے رکھی تھی۔

”کیسی ہو؟“ کرسی پر بیٹھتے ہی اک گہری نظر اس پر ڈال کر وہ بولا تھا حالانکہ ویران آنکھیں اور مرجھایا ہوا چہرہ اس کی حالت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

”ٹھیک ہوں۔“ ہادیہ نے مختصر سا جواب دیا تھا۔

”آنٹی کہاں ہیں؟“

”خالہ جان کی طرف گئی ہیں۔“

”چلو یہ تو اچھی بات ہے میں ان کے سامنے ایسے ہی شرمندہ ہوتا رہتا، میرے خیال میں ان کی غیر موجودگی میں تم سے معافی مانگنا آسان ہو جائے گا۔“ سلیمان حیدر کے چہرے پر تبسم کی ہلکی ہلکی لکیر پھیلی تھی۔

”معافی مانگنا۔“ ہادیہ کو جتنی حیرت اسے دیکھ کر یہاں ہوئی تھی اس سے دوگنی حیرت اس کے الفاظ کو سن کر ہو رہی تھی۔

”ہاں جو غلطی کرتا ہے وہ معافی بھی تو مانگتا ہے نا۔“

”لیکن آپ نے تو میری غلطی کی وجہ سے مجھے اپنے گھر سے نکالا تھا۔“

”ہادیہ پلیز میں تم سے بہت شرمندہ ہوں میں آج یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں واقعی تمہارے قابل نہیں تھا، تمہاری محبت کے لائق نہیں تھا، دیکھو مجھے سب کچھ کہہ لینے دو پھر تمہاری مرضی تم جو فیصلہ کرو گی مجھے منظور ہو گا۔“

”میں گھر میں سب سے بڑا تھا، ویسے بھی ہمارے معاشرے میں شادی کے چار پانچ برس بعد پیدا ہونے والی اولاد پر کچھ زیادہ ہی لاڈ پیار نچھاور کیا جاتا ہے اور یہ اولاد اگر بیٹے کی صورت میں ہو تو یہ پیار دوگنا ہو جاتا ہے، میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا، مجھے میرے ماں باپ نے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا تھا اور میرے منہ سے کوئی بات کوئی فرمائش بعد میں نکلتی تھی وہ پوری پہلے ہو جاتی تھی، اتنی اہمیت پا کر میں خود کو کسی ریاست کا نواب سمجھنے لگا تھا حالانکہ ثنا اور فرقان نے یکے بعد دیگرے آ کر ہمارے گھر کی رونق میں مزید اضافہ کر دیا تھا، لیکن وہ دونوں بھی میری اہمیت اور حیثیت پر کوئی فرق نہیں ڈال سکے تھے بلکہ میں انہیں بھی اپنی رعایا خیال کرتا تھا میرا جب دل چاہا تھا اپنی بات ان سے منوا لیتا تھا، ثنا یا فرقان کے لئے آئی ہوئی چیزوں میں سے بھی میں اپنا پسندیدہ حصہ نکال لیتا تھا اور ان دونوں کی مجال نہیں تھی کہ وہ مجھے کچھ کہہ سکتے، وقت اسی طرح گزرتا رہا اور میں اپنی ذات اور خودی کے زعم میں زندگی گزارتا رہا، میں شروع سے ہی خود کو بہت اعلیٰ و ارفع سمجھنے لگا تھا اس لئے میری کوشش ہوتی تھی کہ سب سے منفرد اور قیمتی چیز پسند کروں اور کسی دوسرے جیسا نظر نہ آؤں، میرے والدین کو چاہیے تھا کہ وہ مجھے ایسا کرنے سے روکتے لیکن انہوں نے بھی یا تو اس چیز کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی یا پھر وہ بھی اپنے پہلوٹھی کے بیٹے کو سب سے ممتاز دیکھنا چاہتے تھے بہر حال وجہ کچھ بھی تھی میری یہ عادتیں پختہ سے پختہ ہوتی گئی تھیں، میرے یار دوست میری ان عادتوں سے بہت چڑتے تھے اور میرا مذاق بھی اڑایا کرتے تھے لیکن مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ میں خود کو ان سے بھی برتر سمجھتا تھا، میرا خیال تھا کہ وہ مجھ سے جلتے ہیں اس لئے میرا مذاق اڑاتے ہیں۔“

”بہر حال گزرتے وقت نے میرے ماں باپ کو مجھ سے چھین لیا اور تمہیں میری زندگی میں شامل کر دیا، تمہیں میں نے ایک فنکشن میں دیکھا تھا وہاں اور بھی بہت سی لڑکیاں تھیں لیکن تمہارے حسن میں جو معصومیت اور تمکنت تھی وہ کسی میں نہیں تھی میں نے تمہیں اسی روز اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، میری قسمت اچھی تھی جو بغیر کسی رکاوٹ کے تم میری زندگی میں آ گئی، اب ہم ایک سے دو ہو گئے تھے، مجھے چاہیے تھا کہ میں اپنے رویے اور مزاج میں تھوڑی سی لچک پیدا کر کے تمہاری سوچوں اور پسند و ناپسند کے لئے بھی گنجائش نکالتا کیونکہ جب دو لوگ اکٹھے رہتے ہیں ایک ہی چھت تلے زندگی گزارتے ہیں تو پھر دونوں کو ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہیے، ہادیہ میں مانتا ہوں تم نے ہر قدم پر مجھ سے کمپرومائز کیا میری پسند اور ناپسند کو مقدم جانا، اپنے رویے کو میرے مزاج میں ڈھالنے کی ہر ممکن سعی کی لیکن میں بجائے اس کے کہ تمہارا احسان مانتا میں نے اسے اپنا حق جانا، پھر جس دن تم نے میرے دوستوں کے سامنے آنے سے انکار کیا اس دن تو میرا دماغ ہی گھوم گیا تھا یہ میرے وہ دوست تھے جن کے سامنے میں نے بہت شیخیاں ماری تھیں اور اب ان شیخیوں کو سچ ثابت کرنے کا وقت تھا تو تم نے انکار کر دیا۔“

”لیکن آپ نے تو امی جان سے کہا تھا کہ باسط رضا اور میں............“

”ہاں میں نے کہا تھا اور اب اپنے دل میں جھانکتا ہوں تو خود کو بہت گھٹیا اور کمتر انسان سمجھتا ہوں، میں نے اپنی کمزوری کی وجہ سے تمہیں گھر سے نکالا تھا میں جانتا تھا لوگ مجھ سے اسی کا سبب پوچھیں گے اور میں خود کو لوگوں پر عیاں کر کے اپنا مذاق نہیں بنوانا چاہتا تھا اس لئے میں نے تمہارے ویک پوائنٹ تلاش کرنے شروع کر

دیئے، باسط رضا تمہارے بہت قریب تھا سو میں نے اسی دوستی کو الزام بنا دیا۔"

"باسط رضا میرا ویک پوائنٹ نہیں ہے، وہ میرا بھائی ہے۔" ہادیہ نے غصے سے کہا تھا۔

"جانتا ہوں جس دن شک دور ہوا ہے اسی دن معافی مانگنے چلا آیا ہوں ہادیہ میں مانتا ہوں تم نے صرف مجھ سے محبت کی اور مجھے اگر کسی چیز نے بدلا ہے یا میری پختہ بد عادتوں کو چھڑوایا ہے تو وہ صرف اور صرف تمہاری سچی اور معصوم محبت ہے، تمہارے آنے کے کچھ دنوں بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں تمہارا کس قدر عادی ہو چلا ہوں میں اپنے گھر کے ہر گوشے اور ہر کونے میں تمہارا عکس دیکھتا تو مجھے اندازہ ہوتا کہ یہ گھر میرا نہیں اصل میں تمہارا ہے، وہاں تمہاری ہنسی گونجتی ہے، تمہارے قدموں کی آہٹیں سنائی دیتی ہیں، تمہارے لفظ بولتے ہیں، تمہاری سرگوشیاں باتیں کرتی ہیں تمہاری خوشبو بکھری ہے۔"

"ارے یہ فلمی سین ہمارے آنے سے پہلے ہی شروع ہو گیا۔" سلمان باتیں کرتا کرتا اپنی کرسی سے اٹھ کر ہادیہ کے قریب چارپائی پر جا بیٹھا تھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے بیٹھا تھا جب عفرا اور باسط ہنستے مسکراتے اندر داخل ہوئے تھے۔

"میں نے سوچا تم لوگوں کے آنے سے پہلے کچھ نہ کچھ راہ تو ہموار کر لوں۔" سلمان شرمندہ ہوئے بغیر باسط سے گلے مل کر اپنی کرسی پر جا بیٹھا تھا۔

"تم لوگ۔" ہادیہ ان کی ذومعنی باتیں بالکل ہی سمجھ نہیں رہی تھی۔

"میں اور عفرا اپنی شادی کا تحفہ لینے آپ کے شوہر کے پاس گئے تھے یہ بے چارے ویران گھر میں پڑے بخار کی شدت سے تپ رہے تھے، کوئی ملازم بھی پاس نہیں تھا، میں عفرا کو ان کے پاس بٹھا کر ڈاکٹر کو لینے چلا گیا تھا واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں محترم سلمان حیدر صاحب سر جھکائے بستر پر بیٹھے ہیں اور ہماری بیگم صاحبہ جاہ و جلال کے عالم میں ان پر برس رہی ہیں اور حیرت کی بات یہ تھی کہ میں جس حالت میں انہیں چھوڑ کر ڈاکٹر کو لینے گیا تھا یہ اس حالت سے باہر تھے اور اب قدرے بہتر نظر آ رہے تھے، بہرحال ڈاکٹر صاحب نے اپنی کاروائی کی اور چلے گئے، پھر میں نے ان دونوں سے اصل معاملہ پوچھا یہ تو کچھ نہیں بولے البتہ ہماری بیگم صاحبہ کہنے لگیں، جو شخص احساس برتری کے زعم میں سچی محبتوں کو پاؤں تلے روندتا ہے اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"عفرا پلیز میں ہادیہ کو واپس گھر لانا چاہتا ہوں، پھر میں نے انہیں یہ کہتے سنا تھا۔" باسط بولا تھا۔

"تو آپ کو روکا کس نے ہے، ہماری بیگم صاحبہ نے رکھائی سے جواب دیا تھا اور باقی کی بات کچھ یوں ہے کہ میں نے گھر سے نکلتے وقت ان لوگوں کو فون کر دیا تھا کہ یہ بھی آ جائیں کیونکہ مجھے امید نہیں تھی تم مجھے معاف کر دو گی انہیں میں نے اپنی سفارش کے طور پر بلوایا ہے۔" سلمان نے باسط کی بات اچک کر کہا تھا۔

"کیا مطلب معاف کر دو گی میں نے آپ کو معاف نہیں کیا ہے۔" ہادیہ ساری بات سمجھ گئی تھی، عفرا اور باسط نے اس کے لئے یہ سارا کچھ کیا تھا یہ شخص جو اس کی محبت میں سب کچھ بھلا بیٹھا تھا اسے واپسی کا راستہ ان دونوں نے دکھایا تھا، اچھے دوست واقعی نعمت ہوتے ہیں، دل ہی دل میں وہ باسط اور عفرا کی محبتوں کا اعتراف کر رہی تھی۔

"تو پھر کیسے معاف کرو گی، کیا زمین پر ناک سے لکیریں نکالنی پڑیں گی۔" وہ بے چارگی سے بولا تھا، عفرا اور باسط ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے تھے۔

"ہادیہ پلیز اور تم دونوں بھی میری سفارش کرو نا، میں نے تم لوگوں کو یہاں ہنسنے کے لئے تو نہیں بلوایا ہے۔" ہادیہ سے کہہ کر وہ ان دونوں کی طرف مڑا تھا۔

"بھائی صاحب جب معاملہ بگاڑا تھا تو ہم سے پوچھا تھا۔" باسط نے شرارت سے کہا تھا۔

"ہادیہ پلیز دیکھ لو یہ لوگ کس طرح میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔"

"انہیں موقع آپ نے خود دیا ہے۔" وہ منہ پھیر کر بولی تھی۔

"بس آخری بار، آئندہ ایسا کوئی موقع نہیں دوں گا۔" وہ لجاجت سے بولا تھا۔

"سوچ لیں یہ آخری بار ہو گا، اس کے بعد ہمارے راستے الگ الگ ہو جائیں گے۔" اس کا دل آج بھی اس شخص کا اسیر تھا، محبت چھن جائے تو کیا حالت ہوتی ہے اس بات کا اندازہ اسے پچھلے دنوں میں بخوبی ہو گیا تھا، اب محبت خود چل کر اس کے پاس آئی تھی، وہ کیسے ٹھکرا سکتی تھی۔

"بالکل بالکل چھوڑ دینا۔" سلمان کے چہرے پر خوشی کے رنگ پھوٹنے لگے تھے۔

"آپ لوگ بیٹھیں میں چائے بنا لاؤں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

"پھر تم نے مجھے معاف کر دیا ہے نا۔" وہ کھولتے پانی میں پتی ڈال رہی تھی جب وہ اس کے پیچھے کچن میں چلا آیا تھا۔

زمین جلتی ہے اور آسمان ٹوٹتا ہے
مگر گریز کریں ہم تو مان ٹوٹتا ہے
کوئی بھی کام ہو انجام تک نہیں جاتا
کسی کے دھیان میں پل پل یہ دھیان ٹوٹتا ہے
کہ جیسے متن میں ہر لفظ کی ہے اپنی جگہ
جو ایک فرد کٹے و کاروان ٹوٹتا ہے
نژاد صبح کے لشکر کی آمد آمد ہے
حصار حلقہ شب زادگان ٹوٹتا ہے
اگر یہی ہے عدالت اور آپ ہیں منصف
عجب نہیں جو ہمارا بیان ٹوٹتا ہے

"ہاں۔" وہ بے نیازی سے بولی تھی۔

"شکر ہے میری محبت مجھے مل گئی۔" وہ دو قدم آگے بڑھا تھا اور اس نے ہادیہ کو اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"آپ کی محبت۔" وہ حیرت سے بولی تھی۔

"ہاں، میری محبت۔" وہ اعتماد سے کہنے لگا تھا۔

"آہم۔" باسط باہر کھنکارا تھا، وہ پھرتی سے سلمان کو پرے دھکیل کر چائے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"میں دیکھنے آیا ہوں چائے بن رہی ہے یا پائے گل رہے ہیں۔" وہ شرارت سے دونوں کو دیکھنے لگا تھا۔

"باسط!" سلمان چھری اٹھا کر اس کی طرف بڑھا تھا، وہ بچاؤ بچاؤ کہتا ہوا باہر کی طرف دوڑا تھا، ان دونوں کے شور میں عفرا اور ہادیہ کی نقرئی اور آسودہ ہنسی بھی شامل ہو گئی تھی، محبت کے جگنو اطراف میں بکھر رہے تھے اور پورے صحن میں کھلے سرخ گلاب مہکنے لگے تھے۔

☆☆☆

وفا کی راہ گزر

صبا جاوید

"آئی ایم پراؤڈ آف یو مائی ڈاٹر، یو آل ویز فیل می پراؤڈ۔"

ریحان شاہ نے بہت فخر سے اس گلابی سی لڑکی کی پیشانی پر بوسہ دیا، جس کی روشن آنکھیں ذہانت کی چمک سے مزید جگمگا اٹھی تھیں، انہوں نے اسے بانہوں میں بھر کر سینے سے لگا لیا، مارے خوشی و مسرت کے اس کی بے حد سفید رنگت سرخ اناری ہوتی جا رہی تھی۔

"پاپا آپ خوش ہیں نا؟" اس نے سر اٹھا کر اپنی بڑی بڑی معصومیت سے لبریز آنکھیں پھیلا کر ریحان شاہ کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا، گو کہ تصدیق کی ضرورت نہ تھی، ان کا ایک ایک انداز ان کی اندرونی سرشاری اور خوشی پر مہر ثبت کر رہا تھا۔
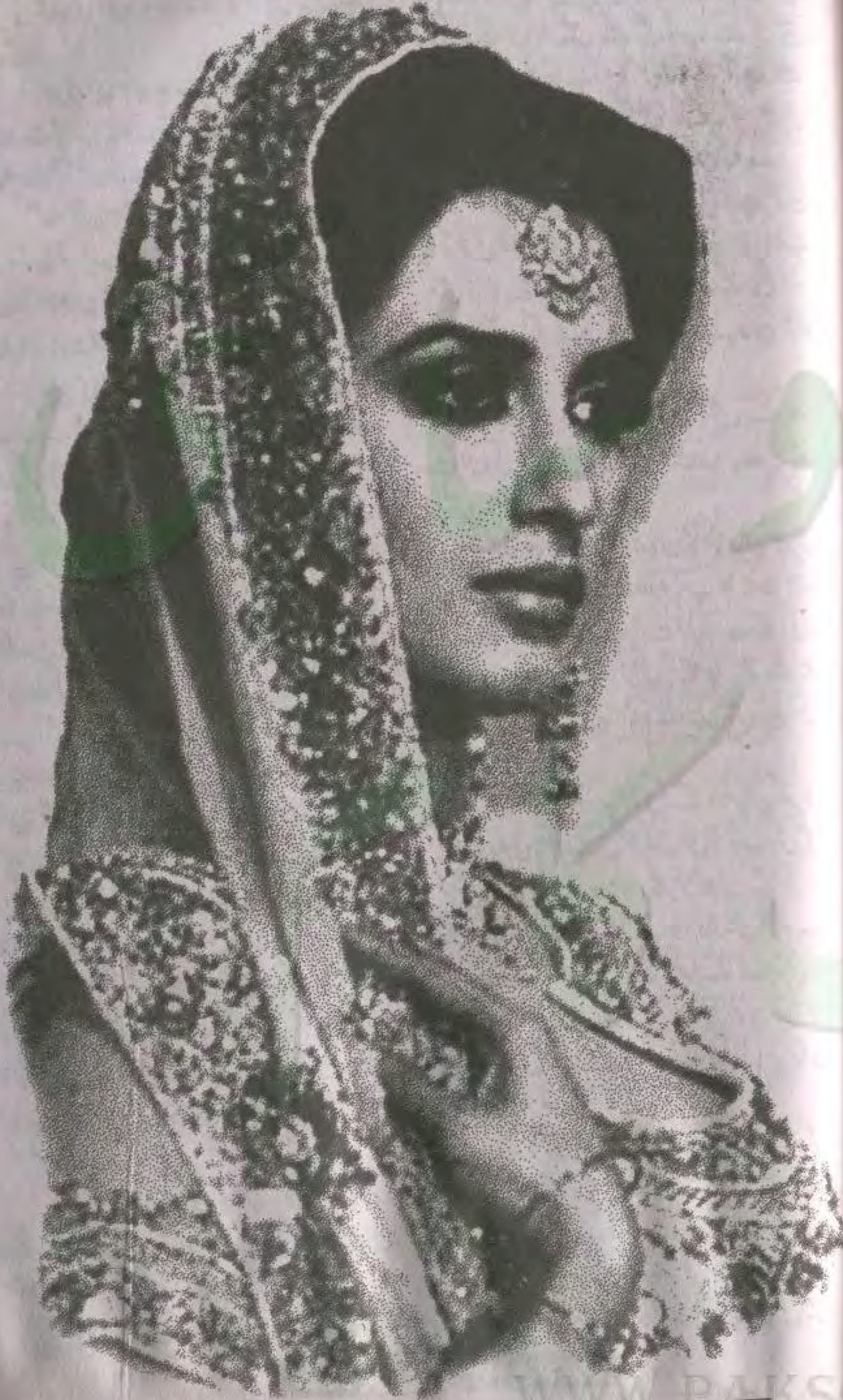
"آف کورس مائی ڈیئر۔" ریحان شاہ نے فراخدلی سے جواب دیا۔

"جانے بھی دیں ریحان، کیا بیا صرف آپ ہی کی بیٹی ہے، مجھے بھی تو اپنی بیٹی کے اس شاندار کارنامے پر اسے مبارکباد دینے دیں۔"

ان باپ بیٹی کے بے ساختہ جذبات کے اظہار میں کب سے مسکراتی عمارہ شاہ نے بڑی پیار بھری مداخلت کی، تو وہ دوڑ کر ان کے پہلو میں آ بیٹھی۔

کچھ فاصلے پر کھڑی عاریش شاہ بڑی دیر سے محبت و التفات کے یہ مظاہرے دیکھ رہی تھی، اس خاندان کا بہت اہم فرد ہونے کے باوجود اسے اپنا آپ بہت غیر اہم لگ رہا تھا، انسلٹ کے احساس نے بڑی تیزی سے اسے اپنے شکنجے میں جکڑا تھا، "شاہ پیلس" کے در و دیوار بھی اس کے مکینوں کے ساتھ خوشیاں برسانے میں محو تھے،

مکمل ناول

عاریش شاہ ہی اس سب سے بہت بیزار ہونے لگی تھی۔

''میری بیٹی کو کیا چاہیے، آج وہ جو مانگے گی اسے ملے گا۔'' ریحان شاہ نے بڑے شاہانہ انداز میں اسے پیشکش کی۔

''عاریش بیٹا آپ کیوں اتنی دور کھڑی ہیں، آج تو آپ بھی جو چاہیں پاپا سے لے سکتی ہیں۔'' ریحان شاہ نے عاریش کو پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا اور بہت محبت سے پوچھا۔

''پاپا سی ایس ایس میں فرسٹ پوزیشن بیا نے لی ہے میں نے نہیں جو اس کے ساتھ ساتھ میں بھی اس سارے معاملے کے حصہ دار بنوں، ایہا شاہ کے صدقے میں مجھے کوئی شے نہیں چاہیے۔'' وہ بہت سنجیدگی سے بولی تھی، ریحان شاہ کے مسکراتے لب سکڑ گئے تھے عمارہ شاہ بھی ٹھٹک کر اس کے رویے کی سنجیدگی اور تلخی پر غور کرنے لگی تھیں۔

''یہ ایہا کا صدقہ نہیں عاریش، میری جان یہ بات آپ نے سوچی بھی کیسے، ہمارے لئے آپ بھی اتنی ہی اہم ہیں جتنی کہ ایہا۔'' عمارہ شاہ نے اسے بے ساختہ بانہوں میں بھرا تھا، کچھ دیر قبل ہنستا مسکراتا منظر سوگواری فضا کی چادر سے سایہ دار ہو گیا تھا۔

''عاریش تمہاری یہ باتیں مجھے پاپا سے زبردست سا گفٹ دلوانے میں کوئی منفی اثر نہیں ڈالیں گی، وہ تو پاپا پر ڈیو ہے۔'' اپنے شوخ و چنچل رویے سے اس نے ماحول پر چھائے بوجھل پن کو کم کرنا چاہا۔

''وہ تو ہم اپنی بیٹی کو ضرور دیں گے، وہ مانگ کر تو دیکھے۔'' ایہا شاہ کی کوشش کو ریحان شاہ نے ناکام ہونے نہیں دیا تھا۔

''پاپا جس بیٹی کو بن مانگے ہی سب کچھ مل جاتا ہو وہ مزید کس چیز کی آرزو کرے ہاں شاید زندگی کے اس سفر میں مجھے کبھی آپ سے کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے، پرامس مما پاپا آپ مجھے تب خالی ہاتھ نہیں بھیجیں گے۔'' سنہری آنکھوں میں امید کی لہریں بڑی نمایاں تھیں۔

''اتنی پیاری بیٹی کے لئے تو پاپا اپنے خون کا آخری قطرہ بھی دے دیں گے، خدا وہ وقت کبھی نہ لائے بیا جب آپ مجھ سے کچھ مانگو اور میں وہ آپ کو نہ دے پاؤں۔'' ریحان شاہ آبدیدہ ہو گئے۔

''پلیز پاپا ڈونٹ ڈو دس۔'' اس نے لاڈ سے ان کی آنکھیں اپنی نرم ہتھیلیوں سے پونچھ ڈالیں۔

''اللہ تعالیٰ ایسی ہزاروں کامیابیاں میری بیٹی کے نصیب میں لکھے خدا آپ کا بخت بلند کرے۔'' عمارہ شاہ نے اسے دل سے دعا دی، وہ شاید اس بات کا اثر زائل کرنا چاہتے تھے جو عاریش کی تلخی نے ایہا شاہ کے دل میں پیدا کی تھی۔

اتنی محبتوں اور چاہتوں کے درمیان گھری بیٹھی وہ کوئی سلطنت کی شہزادی ہی تو لگ رہی تھی خوشیاں پانا، پاتے جانا اور پھر خوشیوں کے سفر پر گامزن رہنا جیسے اس کا حق ہو، عاریش شاہ نے اس بے حد حسین لڑکی کے مسکراتے خدوخال کو بغور دیکھا جن میں کچھ پا لینے کا غرور تھا، ہر میدان کو فتح کرنے کا فخر تھا، ہر دل پر راج کرنے کا گر تھا۔

اس کا جی چاہا تھا کہ اسے یہ سب کچھ مل جائے، یہ منظر یونہی سجا رہے بس اس میں ایک کردار بدل جائے، ایہا شاہ کی جگہ وہ اپنی ماں کے پہلو میں سج جائے، مگر وہ محض سوچ کر رہ گئی۔

''کاش تم پیدا نہ ہوئی ہوتی ایہا، کاش میں اکیلی اس محبت اور توجہ کی حقدار ٹھہرتی۔''

ایسے کئی ''کاش'' اور اس کاش کے آگے کی کہانیاں اس کے دماغ میں رقص کرنے لگی تھیں۔

''مما...... اتنی زبردست نیوز سنائی ہے بیا نے، سیلبریٹ تو کرنا چاہیے، میں زبردست سے ڈنر کا ارینج کرتی ہوں۔'' اپنی سوچوں سے فرار حاصل کرنے کے لئے اس نے وہاں سے ہٹ جانے میں ہی عافیت جانی تھی۔

☆☆☆

شاہ پیلس عمارہ شاہ اور ریحان شاہ کے آشیانے سے سجا ہے، جس کے در و دیوار میں ان کی دو خوبصورت اور معصوم بیٹوں کی مسکراہٹیں اور یادیں بکھری ہیں۔

شادی کے پانچ سالوں تک خدا نے ان کو اولاد جیسی نعمت سے محروم رکھا ایسے میں عاریش شاہ کے آنے کی خبر نے ان کی جامد زندگی میں نامانوس سی ہلچل پیدا کر دی، عمارہ شاہ اور ریحان شاہ کی امیدوں کا واحد مرکز عاریش شاہ تھی وہ ان کی صبح کا ستارہ تھی، اسے زندگی کے اولین دور سے ہی دوسرے بچوں سے کہیں زیادہ محبت و اہمیت ملی، ان دونوں کی محبت و چاہت نے اسے بہت چھوٹی عمر میں احساس دلا دیا کہ وہ ایک غیر معمولی بچی ہے، اس کی زبان سے کسی خواہش کا اظہار ہونے سے قبل ہی ریحان شاہ اس کی آرزو پوری کر دیتے، اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے تھے، اس کا ٹھکانہ آسمان کی وسعتیں تھیں، عاریش شاہ بری طرح ان رویوں کی عادی ہو چکی تھی جب ایہا شاہ کی آمد نے اس محبت کو بانٹنا شروع کر دیا، وہ دونوں اس ننھی سی پری میں مصروف ہو گئے تو ان کی بے توجہی عاریش شاہ کو بہت کھلی تھی، وہ اب بھی ویسے ہی اسے توجہ دیتے تھے مگر کچھ کمی ضرور تھی، اب جو تمام وقت عاریش شاہ کے لئے ہوتا تھا اس کی ہمہ وقت کی حصہ دار ایہا شاہ بھی تھی، جہاں صرف عاریش شاہ کی شاپنگ کی جاتی وہاں اب ایہا شاہ بھی تھی، جہاں صرف عاریش شاہ کی ذہانت اور خوبصورتی کے چرچے تھے وہاں ایہا شاہ بھی موازنہ کرنے کے لئے تیار کھڑی تھی، عاریش شاہ کو یہ خوبصورت شراکت دار قطعاً پسند نہیں آیا تھا۔

ایہا شاہ کو محفل پر چھا جانے کا ہنر آتا تھا، بچپن میں وہ نصابی سرگرمیوں کے علاوہ غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لے کر تمام ٹیچرز اور والدین کی توجہ کا مرکز بنی رہتی، تو جوانی میں اس کا شوخ و شنگ رویہ اور بلا کی حاضر جوابی حاضرین محفل کی توجہ اس سے ہٹنے نہیں دیتی تھی، وہ بہت پراعتماد تھی۔

عاریش شاہ بھی اس سے کم نہیں تھی، خوبصورتی و ذہانت میں وہ اس کی ہم پلہ تھی مگر نجانے کیوں اس کی موجودگی ہمیشہ اسے خائف رکھتی تھی، ایہا شاہ کو سامنے پاتے ہی وہ پس منظر میں چلی جاتی تھی اور منظر صرف ایہا شاہ سے ہی بھر جاتا، زندگی کے ہر میدان میں اسے ایہا شاہ خود سے ایک قدم آگے نظر آتی، اس کے اندر رنجیدگی اور ملول سا احساس جڑ پکڑ رہا تھا اور شباب کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد تک یہ احساس حسد کی صورت اختیار کر چکا تھا، اسے اس کی کسی فتح سے کوئی سروکار نہ تھا، وہ اس سے سخت متنفر اور بے زار تھی، ایہا شاہ کا وجود اسے کسی کانٹے کی طرح چبھتا تھا، وہ اس کی مسکراہٹ نوچ لینا چاہتی تھی، اس کے خواب توڑ دینا چاہتی تھی، مگر وہ بے بس تھی۔

☆☆☆

عاریش شاہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنی قد آور خوبصورتی کی انتہا کو چھوتی شخصیت کا بغور

جائزہ لے رہی تھی، لیہا شاہ سے حسد کی ایک اور کونپل نے اس کے وجود میں نشو ونما پائی تھی، پیچ کلر کے لمبے ڈھیلے ڈھالے کرتے میں جس پر وائٹ امبرائیڈری دامن پر اور آستینوں پر ہوئی تھی، ڈھلکتے دوپٹے کے ہمراہ اس کا نازک وجود بہت پرکشش اور نمایاں لگ رہا تھا۔

لمبی لمبی گھنی پلکیں، سیاہ بڑی بڑی آنکھوں پر سایہ فگن تھیں، ستواں ناک اور خمیدہ لب، اس پر سرخ قندھاری رنگت وہ حسن کی ایک مورتی تھی جس کی نزاکت قیامت برپا کر رہی تھی، وہ کسی طور لیہا شاہ سے کم نہیں تھی تو پھر اسے چھوڑ کر شازم فاروق نے لیہا شاہ کا انتخاب کیوں کیا، عاریش نے خود کو آئینے کے سامنے سے ہٹایا اور بتیاں گل کر کے سونے کی غرض سے لیٹ گئی مگر نیند کا ٹھکانہ آج آنکھوں میں نہیں تھا۔

شازم فاروق جو اس کا بچپن کا ساتھی تھا، خاندان کی سخت روایات کے باوجود اس نے اس شخص سے رشتہ قائم رکھا تھا، خاندانی اقدار کو پھلانگ کر اس دوستی کو زندہ رکھا تھا، شاہ خاندان کی عورتوں کو تو ننگے سر گھر میں گھومنے کی اجازت نہ تھی تو پھر مردوں میں میل جول دیوانے کا خواب ہی ہو سکتا ہے، اس سب کے باوجود ریحان شاہ نے اپنی دونوں بیٹیوں کو عقل و شعور کی منازل عبور کرنے اور جدید دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لئے تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا، اس تمام دورانیے میں ان دونوں بہنوں نے بھی ان کے اعتماد کو بحال ہی رکھا تھا کبھی کوئی زک نہیں پہنچایا تھا، جس پر ریحان شاہ کو بہت فخر تھا۔

لیکن پھر بھی عاریش شاہ نے شازم فاروق سے رشتہ منسوب کیا تھا مگر اپنے دل کی خواہشات کا پرچار کبھی کھلے عام نہیں کیا تھا، وہ خود بھی ابھی اس فیصلے سے بے خبر رہنا چاہتی تھی، مگر لیہا شاہ یہاں بھی اسے مات دینے پہنچ گئی، ایم ایس سی کیمسٹری کے فائنل ایئر کی طالبہ لیہا شاہ ایک نظر میں شازم فاروق کی نظروں میں مس پرفیکٹ کے طور پر سما گئی۔

شازم فاروق چار سال بعد امریکہ سے ہائر اسٹڈیز کے بعد پاکستان لوٹا تھا، وہ عاریش شاہ سے ملنا چاہتا تھا، جو ایم ایس سی کے بعد فارغ تھی، وہ بہانے سے لیہا کے ساتھ یونیورسٹی آ گئی تھی اسے کلاس میں بھیجنے کے بعد وہ خود کینٹین میں اس مخصوص جگہ پر چلی آئی تھی جس کا شازم فاروق نے اس سے ذکر کیا تھا، بلیو جینز اور گرے لائننگ والی ٹی شرٹ میں، آنکھوں پر گلاسز چڑھائے وہ مزید جاذب ہو گیا تھا، چار سال بعد اسے اپنی نگاہوں کے سامنے پا کر عاریش شاہ کا دل تمام جذبے عیاں کرنے کو بے تاب تھا۔

''تمہیں پتہ ہے عاریش، تمہارا یہ تقدس اور جھجک میں نے ان چار سالوں میں بہت مس کیا، وہاں جا کر مجھے مشرقی عورت کے حیاء کے معصوم حسن کا اندازہ ہوا، عریاں مناظر اور بے باک نظارے میری آنکھیں جلانے لگتے تھے، بس میں نے تو اسٹڈیز کمپلیٹ ہوتے ہی بھاگنے کی۔''

بہت احترام سے اسے دیکھتے ہوئے وہ پوری سچائی سے اعتراف کر رہا تھا، جو لیمن دوپٹے کے ہالے میں نجانے کیوں سمٹتی جا رہی تھی۔

''ہم نجانے کتنے سالوں سے دوست ہیں عاریش، مگر آج تک تمہارے کسی انداز سے مجھے احساس نہیں ہوا کہ تم ہمارے مابین خوبصورت رشتے کو کسی اور رنگ سے دیکھتی ہو۔'' وہ بہت سوچ سوچ کر لفظوں کا انتخاب کر رہا تھا۔

''اس وجہ سے تم میرے لئے پہلے سے بھی زیادہ قابل احترام ہو۔'' جواباً وہ بہت کھل کر مسکرائی تھی، اندر باہر عجیب سی سرشاری سرائیت

کر رہی تھی۔

''کب سے میں ہی بولے جا رہا ہوں تم بھی کچھ بولو۔'' اچانک اس نے ٹھٹک کر کہا۔

''میں کیا بولوں، میں تو تمہاری باتیں سن رہی ہوں۔'' چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں سجا کر اس نے قدرے مطمئن ہو کر کہا۔

''ہاؤ سویٹ، آئی مسڈ دس اسمائل ایوری ٹائم۔''

''اچھا کوئی اور بات کرو، لیہا کا لیکچر اوور ہونے والا ہے پھر ہمیں نکلنا ہو گا۔'' اس کی مسکراتی آنکھوں سے کنفیوز ہو کر اس نے جلدی سے موضوع بدلا۔

''اوہ ہاں مجھے یاد آیا، تم جس کے ساتھ آئی ہو وہ لڑکی تمہاری سسٹر ہے نا۔''

''ہاں...... مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' عاریش شاہ نے چونک کر دریافت کیا۔

''کچھ نہیں یار! ایک بار بھی تعارف نہیں کروایا تم نے اپنی سسٹر سے۔'' وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں، اکچوئیلی اسے تمہارے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔'' اس نے کچھ کچھ خفت سے بتایا۔

''شی از سو پریٹی، جسٹ لائک یو۔'' اس نے لیہا کی خوبصورتی پر تبصرہ کیا۔

''اگر تمہاری بہن کو شاہ پیلس سے چرا لوں تو کیا تم لوگوں کو کوئی اعتراض ہو گا۔'' وہ بہت کھلے الفاظ میں اپنا مدعا بیان کر رہا تھا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب جب میں نے اسے تمہارے ساتھ آتے دیکھا تو نجانے کیوں میرے ہارٹ نے ایک بیٹ مس کی عاریش، ایسا کسی لڑکی کو دیکھ کر میرے ساتھ نہیں ہوا، بس میرے دل نے کہا کیا کہ یہی ہے میری بیٹر ہاف (Betterhalf)۔'' وہ بہت جذب سے کہہ رہا تھا اور عاریش شاہ کے دل میں بس ایک درد اٹھا تھا، وہ کسی اور کا نام لیتا تو شاید اسے صبر آ جاتا مگر اس میدان میں بھی اس کے مقابل لیہا شاہ تھی، وہ پھر اس کی محبت پر بھی قابض ہو گئی تھی، شازم فاروق نجانے اور کیا کیا کہہ رہا تھا مگر اس کی سیاہ آنکھوں کے پانی نے اسے وہاں بیٹھنے نہیں دیا تھا، وہ لیہا کا انتظار کیے بغیر ڈرائیور کے ساتھ گھر آ گئی تھی، ایک شکست کا سلسلہ تھا جو اس دن سے اس کے نصیب میں لکھا گیا تھا جب اس گھر میں لیہا شاہ نے جنم لیا، اسے نفرت محسوس ہوئی تھی اس سے شدید نفرت۔

''کاش تم پیدا ہوتے ہی مر جاتی لیہا یا میں مر جاتی تو مجھے بھی یہ شکست نصیب نہ ہوتی، میں نے ہر قدم پر تمہاری مات برداشت کی ہے مگر یہ درد میری رگوں کو چیر رہا ہے، میرے اندر کی گھٹن بڑھ رہی ہے، میری بے بسی مجھے کسی ناگ کی طرح ڈس رہی ہے اپنا دکھ کسی سے کہوں، کاش میں تمہیں اپنی زندگی سے نکال پاتی، کاش میں تمہیں ختم کر سکتی لیہا۔'' وہ تکیے میں منہ دے کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی، بچپن سے لے کر اب تک جس درد کو اس نے اپنے اندر سمیٹ سمیٹ کر رکھا تھا وہ آج پھٹ پڑا تھا، اپنی بے بسی پر اس کا کرب اس کے وجود کو کاٹ رہا تھا، خود کو ساری دنیا سے چھپا کر اس نے ہر رات سسکتے ہوئے گزار دی تھی۔

''اب اور نہیں لیہا شاہ، بہت رولا لیا تم نے مجھے زندگی کے دن بہت ضائع کر دیئے میں نے صبر اور برداشت کے ساتھ، اب تمہیں حساب دینا ہو گا۔'' اس نے بہت بے دردی سے ہتھیلی کی پشت سے آنسوؤں کو رگڑا اور ایک عزم کے ساتھ

نیند کو گلے لگایا۔

☆☆☆

''مما مجھے یونیورسٹی کی طرف سے اسکالر شپ ملا ہے۔'' ایک اور خوشی لیہا شاہ کا چھکتا ہوا لہجہ اسے لاؤنج میں سنائی دے گیا تھا اور اس کا موڈ نجانے کیوں آف ہونے لگا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے، مجھے تو پہلے سے ہی پتہ تھا کہ میری بیٹی بہت ذہین ہے۔'' عمارہ شاہ اسے خود سے لگائے لاؤنج میں لا رہی تھیں۔

''عاریش تم نے سنا مجھے......''

''ہاں میں نے سنا، مگر اس میں اتنا شور مچانے والی کون سی بات ہے، مجھے سمجھ نہیں آتا بیا، ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑا بنا کر تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو، تم بہت ذہین ہو، تمہارے مقابل اور کوئی نہیں ہے، یا تم مجھے نیچا دیکھانا چاہتی ہو۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

''عاریش میں نے...... ایسا کب کہا۔'' وہ بہت حیرت سے گویا ہوئی، اس کی مسکراہٹ نرم ہونٹوں کے گوشوں میں دوبارہ سمٹ گئی تھی۔

''کہا نہیں مگر تمہارا ہر انداز یہی ثابت کر رہا ہے، ہر روز ایک نئی بات ایک نیا کارنامہ، تم بس یہی چاہتی ہو کہ مما اور پاپا کی توجہ تم پر سے نہ ہٹے، وہ مجھے نہ پیار اور محبت دے سکیں، یہی مقصد ہے نا تمہارا۔'' وہ پھٹ پڑی، عاریش شاہ ہمیشہ ایسے ہی کرتی تھی، وہ جب بھی خوش ہوتی وہ اپنی حاسدانہ باتوں سے اس کی مسکراہٹ چھین لیتی، اس کی سنہری آنکھوں میں سفید موتی بڑی تیزی سے جمع ہوئے تھے۔

''عاریش...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم، رولا دیا نا چھوٹی بہن کو، عاریش میری جان تم میرے لئے کیا ہو، میں تمہیں کیسے سمجھا دوں۔'' عمارہ شاہ نے محبت سے اس کے ذہن پر جمی گرد کو صاف کرنا چاہا۔

''مت کریں میرا احساس، مت کھائیں مجھ پر ترس، بہت ظالم ہوں نا میں، اپنی مظلوم بیٹی کو بہلائیں، پلیز ڈونٹ کم ٹو می۔'' وہ روتے ہوئے بولی اور وہاں سے بھاگ گئی، عمارہ شاہ حق دق اس کے لبوں سے آزاد ہونے والے الفاظ کے معانی و مطالب کھنگال رہی تھیں۔

''ایسا کیوں ہے مما، عاریش کیوں مجھ سے دور رہتی ہے، بچپن سے لے کر اب تک وہ مجھ سے نجانے کیوں بھاگتی ہیں، مما میں نے ایسا کیا کیا ہے، جو عاریش میرے ساتھ ایسا اجنبی رویہ اپنائے ہوئے ہے۔''

لیہا شاہ حقیقتاً پریشان ہو اٹھی تھی، کہنے کو وہ دو بہنیں تھیں مگر بے تکلفی نام کو نہ تھی، لیہا شاہ نے جب بھی اس سے گھلنے ملنے کی، کوشش کی عاریش نے فاصلے بڑھا دیئے، اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔

''پتہ نہیں بیا، کہاں میری پرورش میں چوک ہو گئی جو عاریش کے اندر یہ خالی پن پیدا ہو گیا۔'' انہیں لگا تھا ان کا خاندان بہت مکمل اور بھرپور ہے مگر یہ تو ان کی غلط فہمی تھی، ان کی تمام تر چاہتوں کے باوجود وہ تنہائی کا شکار ہو چکی تھی۔

☆☆☆

کب سے لیہا شاہ کو موبائل بپ کر رہا تھا مگر وہ لاؤنج سے غائب تھی، عمارہ شاہ کچن میں مصروف تھیں اور ریحان شاہ آفس جا چکے تھے، وہ کچھ دیر اس کے آنے کا انتظار کرتی رہی مگر پھر اٹھ کر خود ہی کال ریسیو کر لی۔

''یار کب سے کال کر رہا ہوں، پلیز یار میرا لیپ ٹاپ لے آؤ رات کو میں تمہاری طرف بھول آیا ہوں، میرے آفس لے آؤ، اس میں بہت اہم پریزنٹیشن فائل ہے، مجھے آج اسے میٹنگ میں ڈسکس کرنا ہے۔'' دوسری طرف بھاری مردانہ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''جی...... کیا کہا؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''اوہ...... آپ ارحم نہیں ہیں۔'' دوسری طرف وہ شخص ٹھٹک کر بولا۔

''لٹ می چیک دا نمبر۔'' وہ کھسیا کر بولا اور کال ڈس کنکٹ کر دی۔

''کیا لیہا واقعی اس شخص کو نہیں جانتی اور غلطی سے اس کا نمبر ادھر مل گیا، یا وہ شخص بہانہ کر رہا تھا، نہیں...... نہیں لیہا ایسی ہے تو نہیں۔'' اس کے دل نے فوراً اسے گواہی دی تھی۔

''کس کی کال تھی؟'' بیا نے ٹاول سے چہرہ خشک کرتے ہوئے پوچھا۔

''ربیعہ کا تھا، تمہیں بتانے کے لئے کال کی تھی کہ آج وہ یونیورسٹی نہیں آئے گی۔'' اس نے بہت صفائی سے جھوٹ بولا۔

''او کے۔'' بیا نے مختصراً کہا اور کچن میں ناشتے کی غرض سے چلی گئی۔

''بیا آج اپنا سیل چھوڑ جاؤ، میں نے اپنی کچھ فرینڈز سے بات کرنی ہے، آج پاپا میرا سیل چینج کروانے کے لئے لے گئے ہیں۔''

''وائے ناٹ مائی ڈیئر او کے پھر ملتے ہیں سی یو۔'' بیا نے بہت محبت سے اس کا رخسار چوما اور فائل وغیرہ اٹھا کر گلاس ڈور دھکیلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''ابے گھامڑ اگر نمبر چینج کیا ہے تو مجھے ایک بار بتانے سے کیا وہ مجھے ازبر ہو جائے گا۔'' شاہ ویز علی خان اس پر چڑھ دوڑا تھا۔

''کیا ہوا یار، لیپ ٹاپ بھجوا تو دیا تھا میں نے۔'' وہ جو ابھی تک نرم گرم بستر میں گھسا تھا اس کے کمبل کھینچنے پر احتجاجاً اٹھ بیٹھا۔

''ہاں وہ تو میں نے اپنی سیکرٹری سے تمہارے لینڈ لائن نمبر پر میسج چھوڑنے کو کہا تو موصوف تک پیغام پہنچا۔''

''تمہاری میٹنگ ہو گئی نا، پریزنٹیشن فائل و لیپ ٹاپ پہنچ گئی پھر مسئلہ کیا ہے۔'' وہ جھلا کر بولا اور ہاتھوں سے بالوں میں کنگھی چلائی۔

''پہلے اپنا نمبر سینڈ کر، پھر بتاتا ہوں۔'' ارحم نے نمبر بھیجا اور شاہ ویز نے اسے فیڈ کر لیا۔

''مجھے تجھے ارجنٹ کال کرنی تھی اور تو نے نمبر چینج کر لیا تھا، رات کو تو نے ایک بار دوہرایا تھا تو میرے ذہن میں کچھ کچھ فیگرز تھے، میں نے اندازے سے ملایا تو یار وہ کسی لڑکی کا نمبر نکلا اور میں نے تصدیق کیے بغیر تمام احکامات اسے ایشو کر دیئے جو تجھے کرنے تھے۔'' وہ خفت زدہ سا بولا۔

''سو واٹ، غلطی ہو گئی تم سے، بات ختم اس میں اتنا محسوس کرنے والی کون سی بات ہے۔'' اس نے کان پر سے مکھی اڑائی۔

''ہاں اگر تجھے اس رانگ نمبر حسینہ کی آواز سے پیار ویار ہو گیا ہے تو پریشانی والی بات ہے۔'' وہ آنکھ دبا کر کمینگی سے بولا۔

''بکواس مت کر، اتنی گھٹیا حرکت تو ہی کر سکتا ہے، یہ میرا معیار نہیں ہے۔'' جواباً وہ مسکرا کر مزے سے بولا۔

''جب ایسا کچھ نہیں تو پھر کیوں میری نیند اڑانے شیطان کی طرح حاضر ہو گیا۔'' وہ وارڈ روب کھول کر اپنے لئے ڈریس سلیکٹ کرنے لگا، ساتھ ساتھ زبان سے حساب بے باق کرنے کا عمل بھی جاری تھا۔

''دوپہر کے تین بجے تک جو ویلے آرام فرماتے ہیں، شیطان وہ ہوتے ہیں، جو سارے کام نمٹا کر آتے ہیں، وہ نہیں۔'' اس نے بھی بدلہ چکانے میں ایک لمحہ لگایا۔

"یار کیا سوچ رہی ہوگی وہ لڑکی میرے بارے میں۔"

"اف وہ تو کچھ نہیں سوچ رہی ہوگی، البتہ تو ضرور سوچ رہا ہے اس کے بارے میں نے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"بکواس نہ کر۔" شاہ ویز نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو کال کر کے ایکسکیوز کر لے، سمپل۔" اس نے آئیڈیا دیا۔

"او کے تو جا نہا لے، تب تک میں کال کر کے دیکھتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" ارحم نے کہا اور واش روم میں گھس گیا۔

☆☆☆

موبائل ایک بار پھر گنگنا اٹھا تھا، پھر سے وہی نمبر بلنک کر رہا تھا جس سے صبح کال آئی تھی، عارلیش شاہ کی آنکھیں انجانی خوشی سے چمک اٹھی تھیں، اس نے پانچویں گھنٹی بیل پر کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو۔" اندرونی خوشی پر قابو پاتی وہ نارمل انداز میں بولی۔

"جی میں...... شاہ ویز علی خان بات کر رہا ہوں۔" اس نے اپنا تعارف کروایا۔

"آئی ایم ساری میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" وہ انجان بن کر بولی، لہجے میں حیرت کا عنصر بہت نمایاں تھا۔

"جی یو آر رائٹ، صبح میں نے غلطی سے آپ کے نمبر پر کال کر دی تھی۔" اس نے یاد دلانا چاہا۔

"جی کی ہوگی۔" اس نے سرسری انداز اپنایا۔

"میں آپ سے ایکسکیوز کرنا چاہتا تھا، ڈونٹ گڈ می رونگ آئی جسٹ وانٹ ٹو ایکسکیوز۔" وہ شائستگی سے بولا۔

"اٹس او کے، کوئی بات نہیں بعض اوقات ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں، آئی ڈونٹ مائنڈ، میرا نہیں خیال اس میں اتنا نادم ہونے والی کوئی بات ہے۔" جواباً وہ شگفتگی سے مسکرائی۔

"تھینکس اللہ حافظ۔"

"ٹیک کیئر۔" عارلیش نے مختصراً کہا اور کال ڈسکنکٹ کر دی۔

اس کا ذہن بہت تیزی سے تانے بانے بن رہا تھا، اسے نجانے کیوں یقین ہو چلا تھا، کہ یہ رونگ نمبر دوبارہ ضرور کال کرے گا، اب اسے بس اگلے موقع کا انتظار تھا۔

☆☆☆

"بیا میں سوچ رہی ہوں تمہارا نمبر ہی رکھ لوں، تم میرا سیل اور نمبر لے لو۔" وہ یونیورسٹی سے لوٹی تو عارلیش نے سوچی سمجھی بات کی۔

"ہوں...... میں سمجھی نہیں۔" اس نے چونک کر استفسار کیا۔

"اس میں نا سمجھنے والی کون سی بات ہے۔" وہ فوراً تنک کر بولی۔

"میرے کنٹیکٹ میں جو لوگ ہیں وہ اور ہیں آپ کے کانٹیکٹ میں مجھ سے غیر شناسا ہیں تو میں کیسے مینج کروں گی۔"

"میرا کانٹیکٹ نمبر بالکل نیو ہے تم وہ سب کو دے دو اور میں نے آج کافی فرینڈز کو یہ نمبر دے دیا ہے یو ڈونٹ وری اباؤٹ اٹ۔" وہ مزے سے بولی۔

"پھر بھی تمہیں یہی نمبر چاہیے تو اٹس او کے۔" وہ منہ بسور کر بولی۔

"نہیں نہیں...... پلیز عارلیش ایسی کوئی بات نہیں ہے تم یہ نمبر رکھ لو میں تمہارا رکھ لیتی

ہوں۔" وہ اس کی ناراضی سے گھبرا کر بولی۔

"تھینکس الاٹ بیا، لو یو مائی بے بی۔" اس نے محبت سے اس کے رخسار کو چھوا، تو اس کے اس پیار بھرے انداز پر لیہا شاہ حیرانی اور مسرت کے ملے جلے تاثرات کے ہمراہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔

☆☆☆

"کیسی ہیں آپ؟" مونیٹر کی اسکرین پر شاہ ویز کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے جواب ٹائپ کیا، اس کی انگلیاں بہت تیزی سے کی بورڈ پر چل رہی تھیں، کل شام کو شاہ ویز کا گڈ ایوننگ کا میسج آیا تھا اور ساتھ ہی اس نے کبھی کبھار فارورڈ میسج بھیجنے کی اجازت بھی مانگی تھی، تب ہی عارلیش شاہ نے اسے اپنی نئی ای میل آئی ڈی اسے سینڈ کی تھی کہ وہ اس پر اس سے بات چیت کر لیا کرے اور آج دس بجے جیسے ہی اس نے کمپیوٹر آن کر کے دیکھا تو پہلی میل شاہ ویز کی ہی آئی تھی۔

"ویٹس گڈ، ابھی تک آپ نے مجھے اپنا گڈ نیم نہیں بتایا۔" اس کی طرف سے دوسری میل آئی۔

"میرا نام لیہا شاہ ہے۔" اس نے جواب بھیجا۔

"واؤ بہت خوبصورت نام ہے۔" جھٹ سے جواب آیا۔

"تھینکس۔" عارلیش نے مسکراتے ہوئے ٹائپ کیا۔

"کیا کرتی ہیں آپ؟" شاہ ویز علی خان نے دریافت کیا۔

"ایم ایس سی کیمسٹری کر رہی ہوں۔"

"فنٹاسٹک، یہ تو بہت اچھی بات ہے، اس کا مطلب ہے کافی انٹیلی جنٹ ہیں آپ۔" وہ کافی متاثر نظر آ رہا تھا اور لیہا شاہ کی تعریف سن کر نجانے کیوں اس کا دل و دماغ بیزاری کی طرف سفر کرنے لگا تھا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے، اف یو ڈونٹ مائنڈ آئی وانٹ ٹو ٹیک سم ریسٹ۔" اس نے بے دلی سے ٹائپ کیا اور نیٹ بند کرنے کے بعد کمپیوٹر بھی شٹ ڈاؤن کر دیا۔

☆☆☆

"عارلیش بہت بزی رہتی ہو آج کل، کھانے پر ہی تمہاری شکل دیکھنے کو ملتی ہے۔" لیہا نے مایونیز سیلڈ میں مکس کرتے ہوئے پوچھا۔

"بس یار کچھ ڈائزائنز بنا رہی ہوں، آج لائن کمپنیز کے ساتھ رابطہ کر رہی تھی تا کہ آن لائن کچھ Transaction کر سکوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے، مجھے تو پہلے ہی پتہ تھا کہ تم ماسٹر مائنڈ ہو، جو اسکلز تمہارے پاس ہیں یو شڈ یوٹیلائز اٹ (You should utilize it)۔" وہ سراہنے والے انداز میں بولی۔

"تم آج کچن میں کیسے؟"

"بس ککنگ کا شوق چڑھا ہے، آج رشین سیلیڈ ٹرائی کر رہی ہوں۔"

"تم کوئی میدان چھوڑنا نہیں چاہتی ہو نا ہر جگہ اپنی فتح کے جھنڈے گاڑنا چاہتی ہو نا۔"

"اوہ کم آن عارلیش اب ایسا کچھ مت کہنا کہ مجھے اپنا یہ شوق بھی چھوڑنا پڑے۔" وہ کچھ ڈر کر بولی تو جواباً وہ کھلکھلا دی۔

"نہیں تم مجھے غلط مت سمجھو، میں شاپنگ کے لئے جا رہی ہوں تم مجھے اپنی پسند وغیرہ بتا دو میں تمہارے لئے بھی کچھ لیتی آؤں گی۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ چلو بتاتی ہوں۔" وہ

اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔

''خیر تو ہے تم آج میرا انٹرویو لینے آئی ہو۔'' اس کی پسند ناپسند کے بارے میں وہ تفصیلاً بات کر رہی تھی آج شاید پہلی بار وہ اتنی طویل گفتگو کر رہی تھی۔

''اوں ہوں مجھے شرمندہ مت کرو لیہا۔'' وہ حلاوت آمیز لہجے میں بولی۔

''آئی ڈونٹ مین اٹ (I don,t mean it)۔'' بیا نے نرمی سے کہا۔

''اوکے میں نکلتی ہوں۔'' کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''آپ کا پسندیدہ رنگ کون سا ہے؟'' شاہ ویز خان نے پوچھا۔

''بے بی پنک۔'' عاریش شاہ نے مختصراً ٹائپ کر کے بھیجا۔

''نائس کلر، بہت معصوم رنگ ہے، آپ کی پسند سے مجھے لگتا ہے آپ خود بھی بہت معصوم ہیں۔'' شاہ ویز علی خان کا تبصرہ آیا۔

''یہ بات تو دیکھنے والا ہی بتا سکتا ہے مجھے تو نہیں پتہ۔'' عاریش نے جواب دیا۔

''تو پھر کب ملیں گے مجھ سے۔'' کچھ کچھ بے تابی تھی اس کے لہجے میں۔

''کیا ملنا ضروری ہے؟'' عاریش کچھ مشکل میں پڑ گئی تھی۔

''نہیں آپ کا مسئلہ ہے تو نو پرابلم۔'' اس نے فوراً اس کا مشکل حل کی۔

''تھینک یو۔'' وہ فوراً مشکور ہوئی۔

''یو ویلکم میم، مگر آپ ایک کام تو کر ہی سکتی ہیں۔''

''کیا؟''

''اپنی تصویر بھیج دیں مجھے آئی وانٹ ٹو سی یو۔'' اس کے لہجے کی آس وہ بے جان الفاظ میں بھی محسوس کر سکتی تھی۔

''اور اگر میں آپ کو پسند نہ آئی تو......''

''مجھے شکل وصورت کی خوبصورتی سے کوئی سروکار نہیں لیہا، بس میرے دل کی خواہش ہے اس لڑکی کو دیکھنے کی جس سے بات کیے بغیر مجھے رات کو چین نہیں آتا۔''

وہ بے تابی سے ٹائپ کر رہا تھا، شاہ ویز خان خود بہت حیران تھا اپنی حالت پر، ایک رونگ کال سے شروع ہونے والی دوستی نجانے کیوں اتنی خاص ہو گئی تھی اس کے لئے، وہ جتنی بار خود سے عہد کرتا دوبارہ کانٹیکٹ نہ کرنے کا، اتنی بار ہی یہ عہد ٹوٹ جاتا، اس سے بات کرنے کے بعد نجانے کیوں وہ پرسکون نیند سوتا تھا۔

''بتائیں نا لیہا۔'' کافی دیر اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد شاہ ویز نے دوبارہ پوچھا۔

''میں آپ سے کل بات کروں گی۔'' عاریش نے ای تکمیل کی اور کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر دیا۔

☆☆☆

''بیا بیٹا آپ کا فائنل سمسٹر کب ہے؟'' ریحان شاہ نے دریافت کیا۔

''پاپا تین ماہ بعد ہے۔'' بالوں کو کیچر میں جکڑ کر اس نے دوپٹہ درست کیا، پاس ہی عاریش فوٹو البم پھیلائے بیٹھی تھی۔

''نیکسٹ آپ ایم فل کرنا چاہتی ہو؟'' ریحان شاہ نے مزید پوچھا۔

''پاپا آپ اجازت دیں گے مجھے؟'' وہ کچھ دبے دبے جوش سے بولی۔

''اب اتنی ہونہار بیٹی ہو تو چانس تو دینا چاہیے۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے بولے۔

''یو آر گریٹ پاپا تھینک یو سو مچ۔'' وہ دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

''Congratulations'' عاریش نے بیا کی پنک دوپٹے کے ہالے میں سجی خوبصورت سی تصویر سلیکٹ کی اور مسکراتے ہوئے مبارکباد دی۔

''تھینکس عاریش۔''

☆☆☆

''کیا آپ کی سوچ میں کوئی آئیڈیل ہے؟'' شاہ ویز علی خان ایک بار پھر آن لائن تھا۔

''میں آئیڈیل پر یقین نہیں رکھتی۔'' اس نے بیا کا جواب من وعن پہنچایا، وہ اپنی طرف سے کوئی جواب نہیں دیتی تھی، وہ اپنا عکس بھی اس گفتگو میں استعمال نہیں کرنا چاہتی تھی، اسے ہر حال میں یہ کردار لیہا شاہ کا ہی رکھنا تھا۔

''پھر بھی اپنے جیون ساتھی کے لئے کوئی تو خاکہ آپ کے ذہن میں ہوگا۔'' اس نے اصرار کیا۔

''آپ کیوں جاننا چاہتے ہیں؟'' عاریش شاہ نے جان بوجھ کر بات کو طول دیا۔

''بتائیں نا، میرے صبر کا اور امتحان مت لیں۔''

''ایسا شخص جو صرف مجھ سے پیار کرتا ہو اور میرے گھر والوں کا مجھ سے بھی زیادہ خیال رکھے۔'' اس نے لیہا کا جواب من وعن اس تک پہنچایا۔

''آپ کی سوچ بہت اچھی ہے لیہا۔'' فوراً اس کا جواب کمپیوٹر اسکرین پر جگمگا اٹھا۔

''اچھا چھوڑیں یہ بتائیں کہ آپ کی فیملی میں کون کون ہے؟'' اس نے بات بدلی۔

''میری بہت شفیق سی مما ہیں بہت پیارے سے بزنس ٹائیکون پاپا ہیں اور ان کا ایک ڈیشنگ سا بیٹا شاہ ویز علی خان ہے۔'' اس نے شرارت بھرا تعارف بھیجا تو نا چاہتے ہوئے بھی عاریش مسکرا اٹھی۔

''لیہا میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں اگر آپ برا نہ مانیں تو......'' اس نے ساتھ شرط بھی عائد کی۔

''جی کہیں۔'' عاریش شاہ کے چہرے پر پھیلتی اندرونی خوشی اس کو فتح کا احساس دلا رہی تھی، اس کے کھیل کا ٹرننگ پوائنٹ آ چکا تھا۔

''میں آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں، میں جانتا ہوں اس طرح کے تعلقات کی تعداد آج کل ان گنت ہے، آئے روز ایسی ہزاروں دوستیاں جنم لیتی ہیں، مگر ہمارے رشتے میں عجیب سا تقدس اور کشش ہے لیہا، میرے دل کی خواہش ہے آپ کو اپنے گھر دیکھنے کی۔'' وہ بہت ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی خواہش کا اظہار کر رہا تھا۔

''جن لوگوں سے میں پیار کرتی ہوں وہ مجھے لیہا نہیں صرف بیا کہتے ہیں۔'' تھوڑے سے نخرے دکھانے کے بعد وہ مان گئی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ، آپ سوچ بھی نہیں سکتیں آپ نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے۔''

''اوکے اب مجھے جلدی سے اپنی ہونے والی بیوی کی تصویر دکھاؤ۔'' وہ مثبت جواب ملتے ہی دوریاں لفظوں سے سمیٹنے لگا تھا۔

عاریش شاہ نے فوراً تصویر اسے اسکین کر کے بھیجی تھی اور دوسری طرف شاہ ویز علی خان یہ ہوشربا معصوم حسن دیکھ کر مبہوت ہی تو رہ گیا۔

سیاہ خوبصورت بال سفید پیشانی پر بہت بھلے لگ رہے تھے، شہد رنگ آنکھوں کی کشش اور چمک نے اس کی خوبصورتی کو دو آتشہ کر دیا تھا۔

ستواں ناک اور کھلتے پھول سی رنگت، نرم

گلابی خمیدہ لب اور گلابی دوپٹے میں جھلکتا شرم و حیاء کا عنصر، بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھی، وہ سوچوں میں بھی بڑھ کر پاک اور حسین تھی، شاہ ویز علی خان کو پہلے اس سے محبت تھی مگر اب وہ اس سے عشق کرنے لگا تھا، اس نے فوراً یہ تصویر سیو کی۔

''کیا تم مجھے دیکھنا نہیں چاہتی۔'' اس نے بڑے خوشگوار موڈ سے پوچھا۔

''اتنی دیر بعد جواب...... میں کب سے ویٹ کر رہی تھی۔'' اس نے مصنوعی خفگی سے کہا اور بات گول کر گئی۔

''کوئی خوبصورت ہی بہت ہے تو ہم اس کے حسن میں کھو گئے، پھر بھی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔'' وہ بہت موڈ میں تھا۔

''مجھے بہت نیند آ رہی ہے میں سونا چاہتی ہوں۔'' اس نے فرار کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔

''لیکن مجھے تو نہیں آ رہی۔'' دوسری طرف سے فوراً جواب آیا۔

''لیہا کب ملو گی، پلیز اب انتظار مت کرواؤ۔'' وہ بہت بے چین تھا اس سے ملنے کے لئے۔

''اوکے۔'' پھر عاریش نے اسے وقت اور جگہ بتا کر کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر دیا، وہ مزید اب اس قصے کو آگے نہیں بڑھا سکتی تھی، اسے بس اب آگے دیکھنا تھا کہ وقت اس کہانی کو کہاں پہنچاتا ہے۔

☆☆☆

''تمہیں نہیں لگتا تم ایک ٹین ایجر بوائے جیسی حرکتیں کر رہے ہو۔'' اسے خوشی سے کھلتے دیکھ کر ارحم نے پوچھا، وہ اس کی دلی کیفیت سے باخبر تھا۔

''تم ایک سمجھ دار باوقار اور امیر کبیر انسان ہو، کوئی لڑکی تمہیں ریجیکٹ کر دے یہ ممکن کہاں ہے، کیا پتہ وہ تمہیں پھانس رہی ہو۔''

''میں جانتا ہوں ارحم، اس طرح فلمی انداز میں کوئی تعلق استوار کر لینا اور پھر اس پر ایمان کی حد تک یقین رکھنا نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے، مگر اس کی باتوں میں عجیب سی کشش ہے ارحم، میں اس کی طرف کھنچتا جاتا ہوں، اس نے مجھ سے میرے بارے میں کبھی کچھ نہیں پوچھا، کبھی فون پر بھی بات نہیں کی، وہ میری آواز سننے کے احساس سے ہی کانپ جاتی ہے، میں دیکھنا چاہتا ہوں یہ لڑکی کیا معمہ ہے کبھی مجھ پر اتنی مہربان کہ کبھی میری حوصلہ شکنی نہیں کی اور کبھی اتنی ہٹ دھرم کہ اپنے اصولوں پر سودا بازی برداشت نہیں کرتی میں جانتا ہوں میں ہوا میں محل تعمیر کر رہا ہوں، مگر میں اس کی شخصیت کے سامنے بے بس ہوں، میں جتنا بھی بڑا بزنس ٹائیکون، سنجیدہ اور باوقار انسان بن جاؤں، مگر میرے اندر ایک شوخ اور محبت کی چاہ رکھنے والا انسان تو ہمیشہ زندہ رہے گا یار۔''

اس نے تفصیلاً جواب دیا، ارحم نے شاہ ویز علی خان کا بغور جائزہ لیا، ہمیشہ جاذب اور سنجیدگی کے بھنور میں ڈوب کر رہنے والا شخص اپنے جذبات کی عکاسی اپنی زبان سے کر رہا تھا، جس کے پیچھے اس شہر کی یہ دوسری لڑکی پاگل تھی اور وہ جو ہر نقرئی آواز سے بے خبر اور بے نیاز تھا، اس لڑکی کے لئے دیوانہ تھا، اس لڑکی نے اسے جذبوں کی زبان سکھا دی تھی اس کے اندر کے انسان کو باہر نکال دیا تھا، یقیناً وہ بہت خاص اور چاہے جانے کے قابل تھی، وہ بہت اصول پرست اور مخلص انسان تھا۔

بے بی پنک اور وائٹ لائننگ والی شرٹ زیب تن کیے بلیک پینٹ اور بلیک کوٹ میں وہ مردانہ وجاہت کا شاہکار لگ رہا تھا۔

''چلیں۔'' تیار ہو کر وہ اس کے سامنے تھا۔

''یار وہ مجھے دیکھ کر کیا ری ایکٹ کرے گی مجھے تو سوچ سوچ کر ہنسی آ رہی ہے۔'' اس کا شرمایا شرمایا سا ردعمل اپنے ذہن میں لا کر وہ زیر لب مسکرایا، پھر اس نے پھولوں کی دکان سے سفید گلابوں کا اسپیشل بوکے بنوایا۔

''اسے وائٹ روز پسند ہیں، آج میں بس اس کی ہر پسند ناپسند کا خیال رکھنا چاہتا ہوں۔'' ارحم کی استفہامیہ نگاہوں کی اس نے فوراً وضاحت کی۔

''جھلا ہو گیا ہے میرا یار۔'' ارحم نے تبصرہ جھاڑا۔

''شٹ اپ ارحم۔'' اس نے جھینپ کر اسے ٹوکا۔

☆☆☆

''آج میں بھی تمہارے ساتھ چلوں یونیورسٹی؟''

''کیوں؟'' لیہا شاہ نے سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جمائیں۔

''ایسے ہی...... تمہارا لاسٹ پیپر ہے اس لئے۔''

''ہاں کیوں نہیں۔'' لیہا نے خوشدلی سے اجازت دے دی۔

''تم بور تو نہیں ہو گی۔'' کلاس روم کی طرف بڑھتے ہوئے لیہا نے استفسار کیا۔

''نہیں تم جاؤ بیسٹ آف لک۔''

''اوکے تھینکس۔'' اور پھر لیہا کلاس روم کی طرف بڑھ گئی، لسٹ سے اپنا نام اور رول نمبر چیک کر کے وہ مطلوبہ نشست تک پہنچ چکی تھی اور پیپر ملنے کے بعد وہ بری طرح پیپر حل کرنے میں مصروف ہو چکی تھی، وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔

''کیسا ہوا پیپر؟'' وہ باہر آئی تو عاریش نے مسکرا کر پوچھا۔

''بہت اچھا، اب گھر چلتے ہیں اور مزے سے سوتے ہیں، آخر کار ٹینشن ختم ہوئی۔'' وہ بشاشت سے مسکرائی۔

''تھوڑی دیر گراؤنڈ میں بیٹھتے ہیں، وہ فیری والے بینچ کے پاس۔'' عاریش نے گڑبڑا کر کہا۔

''اوکے۔'' عاریش پریشان نظروں سے بار بار گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی اس نے شاہ ویز علی خان کو آج ہی کا ٹائم دیا تھا۔

اسی فیری والی بینچ کا پتہ دیا تھا تو پھر وہ آیا کیوں نہیں تھا، کچھ دیر کے انتظار کے بعد اسے سیاہ بی ایم ڈبلیو گیٹ سے اندر داخل ہوتی دکھائی دی، اس کے دل نے نجانے کیوں کلک کیا کہ اسی میں مطلوبہ شخصیت ایستادہ ہے، پھر بھی وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اترنے والی شخصیات کا انتظار کرتی رہی، فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھلا، براؤن اور اسکن کمبی نیشن کے ٹو پیس میں ملبوس ایک شاندار سا انسان برآمد ہوا، وہ ابھی اسی کا جائزہ لینے میں مصروف تھی تو بے بی پنک شرٹ اور بلیک پینٹ کوٹ زیب تن کیے شاہ ویز علی خان نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی اس نے جھک کر کار سے وائٹ پھولوں کا بہت خوبصورت بوکے نکالا، عاریش شاہ کا دل بہت گہرائی میں ڈوب کر ابھرا تھا، اس نے ایک نظر پاس بیٹھی لیہا پر ڈالی جو گھاس نوچ نوچ کر پھینک رہی تھی، اس کا جی چاہا تھا کہ لیہا کا ہاتھ پکڑے اور آنے والی ساعتوں کا سامنا کیے بغیر اسے لے کر کہیں دور بھاگ جائے، اس کا حلق خشک ہو چکا تھا، جیسے جیسے وہ شخص قریب آ رہا تھا اس کا وجود مفلوج ہوتا جا رہا تھا، چند قدموں کی دوری پر وہ متلاشی نگاہوں سے لیہا شاہ کو ڈھونڈ رہا تھا، وہ

اس کی نظروں میں آنے سے پہلے کھسک جانا چاہتی تھی۔

''کیا ہوا عاریش تم اتنی زرد کیوں دکھائی دے رہی ہو؟'' اس کی پھیکی پڑتی رنگت دیکھ کر لیہا نے متفکر انداز میں پوچھا۔

''کچھ نہیں میں ٹھیک ہوں، میں ذرا کینٹین تک جارہی ہوں تم نے کچھ منگوانا ہے تو بتا دو۔''

''نہیں میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔'' اس نے بیگ اٹھایا۔

''میں تمہارے لئے یہیں لے آتی ہوں تم بیٹھو۔'' اس نے جلدی سے کہا اور لیہا شاہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہاں سے نکل گئی۔

''ایکسکیوزمی آر یو مس لیہا۔'' آنکھوں پر سے گاگلز اتارتے ہوئے ایک نہایت ہی شاندار پرسنالٹی نے اس سے پوچھا اور سفید پھولوں کا بوکے اس کی طرف بڑھایا۔

''جی میں ہی ہوں۔'' اس نے کچھ حیران ہوکر کہا اور مقابل کے سامنے کھڑی ہوگئی، وہ کچھ حواس باختہ سی ہوگئی، بہرحال اس نے پھول نہیں پکڑے تھے۔

''لگتا ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں، میں شاہ ویز علی خان ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

''لیکن میں نے پھر بھی آپ کو نہیں پہچانا۔'' وہ الجھ کر بولی۔

''یہ تنگ کرنے کا وقت نہیں بیا...... آپ نہیں جانتیں کہ اس ملاقات کے لئے وقت میں نے کس طرح گن گن کر گزارا ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا، آپ کیا کہہ رہے ہیں، دیکھئے آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، میں آپ کو نہیں جانتی، شاید آپ کسی اور کو ڈھونڈ رہے ہیں۔'' وہ روہانسی ہوگئی، اسے خطرے کا احساس آس پاس گھنٹے بجاتا محسوس ہورہا تھا۔

''تماشا مت بنائیں لیہا، ہمارے درمیان پچھلے نو ماہ سے تعلق ہے، آپ ایک پل میں اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتیں۔'' آس پاس تمام اسٹوڈنٹس ان کی طرف متوجہ ہورہے تھے، لیہا شاہ نے وہاں دوسال کا طویل عرصہ گزارا تھا۔ وہ پوزیشن ہولڈر تھی ہر طرح کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ تقریباً اس ڈیپارٹمنٹ کا ہر اسٹوڈنٹ اسے جانتا تھا، اسے بے پناہ بے بسی کا احساس ہورہا تھا۔

''میرا آپ سے کوئی تعلق ہے، پلیز اس بات کو سمجھیں اور میرا پیچھا چھوڑیں۔'' اس نے بے حد گھبرا کر کہا، اس کی ساری دلیری خوف میں سمٹ گئی تھی، اسے ریحان شاہ کا خوف تھا، اپنے خاندان کی عزت کی فکر تھی بن بلائے نجانے یہ مصیبت کہاں سے گلے پڑ گئی تھی۔

''آپ میرے ساتھ کھیل رہی ہیں آپ نے نو ماہ میرے جذبات کے ساتھ جو بے ایمانی کی ہے اس کا حساب آپ کو دینا پڑے گا۔'' اس قدر بڑے دھوکے پر شاہ ویز علی خان کا خون رگوں میں کچھ اور تیزی سے گردش کرنے لگا تھا۔

''کیا آپ لیہا شاہ نہیں ہیں؟ کیا آپ کے والد کا نام ریحان شاہ نہیں ہے؟ کیا آپ کی بہن عاریش شاہ اور والدہ عمارہ شاہ نہیں؟ آج آپ کا لاسٹ پیپر تھا، آپ ایم ایس سی کی طالبہ نہیں؟ کہہ دیں کہ یہ سب جھوٹ ہے تو میں یہاں سے چپ چاپ چلا جاؤں گا۔''

''یہ سب سچ ہے مگر میں نہیں جانتی آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو تیزی سے جمع ہوئے تھے، اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے، وہ پلکیں جھپک جھپک کر

آنسو دھکیلنے کی کوشش کررہی تھی، اس نے شاہ ویز علی خان کے لائے ہوئے پھولوں کو دور اٹھا کر پھینک دیا تھا۔

''آپ نے بتایا ہے مجھے سب کچھ، اس بات سے انکار مت کیجئے گا اب۔'' وہ جارحانہ انداز میں بڑھا۔

''شاہ ویز یار پلیز کنٹرول کر خود کو۔'' اسے غصے میں بپھرا دیکھ کر کب سے خاموش ارحم نے مداخلت کی۔

''یہ ایسا کیسے کرسکتی ہے میرے ساتھ یار، تو گواہ ہے اس کی محبت کا۔'' اس نے بہت تاسف سے کہا، ان کی گرد بھیڑ لگنے لگی تھی، لیہا شاہ نے وہاں سے نکل جانے کے لئے قدم بڑھانے چاہے تھے، مگر اسے اپنے بازو پر کسی کی گرفت کا احساس ہوا تھا۔

''پلیز لیہا تم میرے ساتھ ایسا مت کرو۔'' وہ نجانے اور کیا کیا کہہ رہا تھا مگر لیہا شاہ کے وجود میں تو بجلیاں دوڑنے لگی تھیں، اسے آج تک کسی مرد نے نہیں چھوا تھا اور اس کی یہ جرأت، غصے سے اس کا برا حال تھا، اس نے گھوم کر پورے زور سے شاہ ویز علی خان کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا تھا۔

''آئندہ مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو میں تمہاری جان لے لوں گی۔'' اس نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر اسے کے چودہ طبق روشن کر دیئے اور پھر روتے ہوئے وہاں سے بھاگ گئی، اسے اپنے بیگ اور فائل کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔

''میں اسے چھوڑوں گا نہیں، سمجھتی کیا ہے خود کو۔'' وہ آنکھوں میں خون کی سرخی لئے اس کے پیچھے لپکا تھا۔

''بس کر شاہ ویز، ہوش کر، جانے دے، چل واپس چلتے ہیں۔'' ارحم نے بہت مشکل سے اسے سنبھالا، اچانک اس کی نگاہ چند قدموں کی دوری پر پڑے سیاہ لیڈیز پرس پر پڑی، اس نے اسے جھک کر اٹھالیا، عاریش شاہ کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں، اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، وہ ڈرتے ڈرتے گاڑی تک پہنچی جہاں لیہا شاہ گھٹنوں میں سر دیئے سہمی ہوئی سسک رہی تھی۔

☆☆☆

''میں اسے نہیں جانتی عاریش، میں سچ کہہ رہی ہوں، تم میرا یقین کرو، نجانے وہ اتنا سب کچھ کیسے جانتا ہے میرے بارے میں۔'' وہ گھر پہنچے تو صد شکر ریحان اور عمارہ دونوں گھر پر نہیں تھے، مارے خوف و ڈر کے لیہا شاہ کا جسم کانپ رہا تھا وہ مسلسل روتے ہوئے ایک ہی بات کا ورد کررہی تھی کہ وہ اس شخص کو نہیں جانتی۔

''ہاں مجھے تم پر یقین ہے، پلیز تم یہ ٹیبلٹ لو اور سو جاؤ۔'' عاریش شاہ نے اسے محبت سے دلاسہ دیا اور سونے پر آمادہ کیا اندر سے وہ خود بھی بہت ڈری ہوئی تھی، عجیب سا خوف رگ وپے میں سرائیت کررہا تھا، مسلسل رونے سے لیہا کی آنکھیں متورم ہوچکی تھیں، گلابی رنگت میں سرخ رنگت کا عنصر بڑا نمایاں تھا، وہ بہت پژمردہ اور نڈھال لگ رہی تھی، عاریش کے دل کو اچانک کچھ ہوا تھا، وہ فوراً کمرے سے نکلی اور اپنے کمرے کا رخ کیا، اس آئی ڈی کو کینسل کیا جو اس نے عارضی طور پر بنائی تھی اور لیہا کا نمبر تو وہ بہت پہلے ہی بند کرچکی تھی یہ کہہ کر کہ ''اس پر تو بہت رونگ کالز آتی ہیں'' تمام سراغ مٹ چکے تھے جو عاریش شاہ تک آتے تھے پھر بھی دل مطمئن نہ تھا، رات تک لیہا شدید بخار میں مبتلا ہوچکی تھی، ریحان اور عمارہ کے استفسار پر اس نے مختصراً طبیعت خرابی کا بہانہ کردیا اور لیہا کو بھی

اس معاملے کو راز رکھنے کی سختی سے تنبیہ کی تھی۔

☆☆☆

''معصوم صورتوں کے پیچھے کتنے گھناؤنے روپ چھپے ہوتے ہیں مجھے آج پتہ چلا۔'' اس نے کوٹ اتار کر بیڈ پر پٹخا۔

''اگر وہ کسی سے خوف زدہ تھی تو مجھ سے کہتی، یوں سر عام اس میری انسلٹ کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔'' ایک بار پھر وہ سارا ڈرامہ اس کی نگاہوں میں گھوم گیا، اس نے بے دردی سے لب کچلے اور شرٹ اتار کر زمین پر پٹخی۔

''آگ لگا دوں گا میں اس رنگ کو۔'' شاہ ویز علی خان نے پیروں سے شرٹ کو مسل ڈالا۔

''کام ڈاؤن شاہ ویز، کیا پتہ وہ واقعی ہی تمہیں نہ جانتی ہو، کسی کی یہ شرارت بھی تو ہو سکتی ہے۔'' ارحم نے دوسرے پہلو کی جانب اس کی توجہ مبذول کروائی۔

''میں مان لیتا یہ شرارت ہے ارحم، مگر جس طرح میں نے غلطی سے اسے کال کی، اس نے وہ کال ریسیو کی اور یہ سلسلہ آگے نکلا، اس کے بعد کسی شرارت یا غلطی کی گنجائش نہیں نکلتی، اس نے ایسا کیوں کیا ارحم، ایک جیتے جاگتے انسان کے ساتھ اتنے خوبصورت رشتے کا مذاق بناتے ہوئے بالکل شرم نہیں آئی، اس نے مجھے ٹائم پاس سمجھا، میر جذبات کو پامال کیا اور خود معصوم بن کر پورے قصے سے نکل گئی، نہیں ارحم اب میں اسے نہیں چھوڑوں گا، اس نے کسی عام شخص کے ساتھ یہ کھیل نہیں کھیلا شاہ ویز علی خان اسے کہیں کا نہیں چھوڑے گا، اس کے خاندان کے سامنے اس کی عزت کی دھجیاں بکھیر دوں گا میں۔''

''تم کچھ زیادہ ہی سیریس ہو رہے ہو شاہ ویز، دفع کرو اسے وہ نہیں تم سے کوئی تعلق رکھنا چاہتی تو گولی مارو اسے۔'' ارحم نے اس کے خطرناک عزائم سے گھبرا کر کہا، وہ ہمیشہ پرسکون رہنے والا شخص تھا۔

''گو رسپیکٹ اینڈ ٹیک رسپیکٹ۔'' کے اصول پر اس نے عمل کیا تھا، اپنی ذات سے ہمیشہ ہر کسی کو خوشی دی تھی، کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی تھی اور اس لڑکی نے اس کے دل کے سب سے پوشیدہ جذبات میں آگ لگا دی تھی، اس کا دل آباد ہونے سے پہلے ہی اجاڑ دیا تھا اور وہ بھی بے حد دیدہ دلیری سے۔

''ہاں اسے چھوڑ دوں تا کہ وہ معاشرے میں اور ایسے کرداروں کو جنم دے اور مردوں کے بے وقوف بنائے اپنی معصوم صورت سے۔'' وہ بپھرا ہوا آگے بڑھا۔

''اچھا اچھا زیادہ غصہ نہ کر، کچھ کرتے ہیں، جا جا کر فریش ہو، ٹھنڈے پانی سے نہا لے اور کچھ ٹمپر لو کر۔'' ارحم نے اسے فی الوقت ٹھنڈا کرنا چاہا اور وہ دانت پیستا ہوا واش روم میں گھس گیا۔

☆☆☆

اس کے بعد ایسا کوئی معاملہ پیش نہیں آیا، لیہا قدرے پرسکون ہونے لگی تھی، فی الحال اس معاملے کو اس نے عاریش کی ہدایت کے مطابق مخفی رکھا تھا، اس کا اعتماد ٹوٹنے لگا تھا۔

''کیا پتہ اس شخص کو واقعی ہی غلط فہمی ہو گئی ہو اب اسے اس لڑکی مل گئی ہو اور اس نے بھی آئندہ میرے بارے میں نہ سوچا ہو۔'' اس نے خود ہی اپنے دل کو تسلی دی۔

دو خوف زدہ سی سنہری آنکھیں اور کپکپاتے لب اس کے آنکھیں بند کرتے ہی چشم تصور میں اتر آئے تھے۔

اس معصوم صورت کو تو اس نے اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا، مگر اس معصوم حسن کے پیچھے کا راز بہت کریہہ تھا، اسے شدید نفرت محسوس

ہوئی تھی اپنے انتخاب سے۔

''میں ابھی تمہیں کچھ نہیں کہوں گا لیہا شاہ، جب میری طرف تم مطمئن ہو جاؤ گی تب تمہارے کیے کی سزا تمہارے مقدر میں لکھوں گا۔'' اس نے خود سے عہد کیا اور قدرے پرسکون ہو کر بیڈ پر دراز ہو گیا۔

☆☆☆

''مما آپ اندر چلیں میں عاریش کے لئے ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے لوں، یہ پاس ہی تو ان کا کلینک ہے۔'' گاڑی لاک کرتے ہوئے اس نے عمارہ شاہ سے کہا، عاریش کی طبیعت کچھ دنوں سے قدرے خراب تھی اس لئے لیہا نے سوچا کہ شاپنگ کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی ہو جائے۔

''او کے بیٹا! لیکن خیال سے۔''

''جی مما۔'' اس نے کہا اور چل دی، وہ کچھ فاصلہ ہی طے کر پائی تھی کہ سیاہ بی ایم ڈبلیو اس کے قدموں کے قریب آ کر چرچرا کر تھم گئی، وہ اچھل کر دو قدم پیچھے ہوئی۔

''چلو لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔'' وہی نوجوان گاڑی سے نکل کر اس کے مقابل آ کر پوچھ رہا تھا۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے۔'' وہ غصے سے چمک کر بولی۔

''میں تم سے بحث کرنے نہیں آیا، چپ چاپ گاڑی میں بیٹھو۔'' اس کے کسی بھی تیور کو خاطر میں لائے بغیر وہ درشتی سے بولا۔

''میں شور مچا دوں گی تم میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔'' وہ تن کر بولی۔

''اوہ رئیلی میں بھی تو دیکھوں اس نازک بدن میں کتنی طاقت ہے۔'' اس نے کہا اور ایک جھٹکے سے اسے بازو سے دبوچ کر گاڑی میں دھکیل دیا، ایک لمحے میں وہ اس پر قابض ہوا تھا، گاڑی لاک کر کے اس نے خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''مجھے نکالو اس گاڑی سے، میری مما میرا ویٹ کر رہی ہیں، میں تمہارا لاک توڑ دوں گی۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں التجا کی اور لاک پر ہاتھ مارنے لگی۔

''اپنے نازک ہاتھوں کو اتنے سخت کام کرنے پر آمادہ مت کریں مس لیہا شاہ زخمی ہو جائیں گے۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولا۔

''ہیلپ، پلیز سم باڈی ہیلپ۔'' اس نے پوری طاقت سے چلا کر کہا۔

''بیکار کی کوشش ہے گاڑی ساؤنڈ پروف ہے۔'' اس نے مزے سے کہا۔

''میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے، پلیز مجھ پر رحم کریں مجھے چھوڑ دیں۔'' اس نے گڑگڑا کر التجا کی۔

''جب آپ کو اپنے گناہ پر کوئی شرمندگی نہیں ہے تو مجھے بھی آپ کے لفظوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔'' اس نے بے لچک لہجے میں کہا۔

''آپ مجھے ایک ایسے گناہ کی سزا دے رہے ہیں جو میں نے کیا ہی نہیں۔'' سنہری آنکھوں کے کٹورے آنسوؤں سے بھرنے لگے تھے۔

''ابھی سزا دی کہاں ہے مس لیہا شاہ۔'' اسے بڑی گہری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے وہ قدرے اس پر جھک کر بولا۔

اس کے ساتھ تنہائی کے احساس اور اپنے ساتھ ہونے والے خطرناک واقعے نے اس کے اعصاب سن کر دیئے تھے، اس کا وجود بری طرح کانپنے لگا تھا، وہ خوف زدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تھی، وہ کچھ اور سمٹ گئی تھی اور چند لمحوں

بعد اس کے حواسوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا، اس کا سر کھڑکی کی طرف ڈھلک گیا تھا، شاہ ویز خان کو تشویش ہوئی۔

☆☆☆

''دوپہر سے غائب ہے لیہا، پلیز کچھ کریں ریحان، میری بچی کو ڈھونڈیں۔'' عمارہ شاہ کی حالت بہت مخدوش تھی خود عاریش بھی بہت خوف زدہ تھی۔

وہ ایک خوبصورت نوجوان لڑکی تھی کوئی اونچ نیچ ہو جاتی تو...... ریحان شاہ کی پیشانی پر سلوٹوں کا جال بچھ گیا تھا۔

''میں نے پولیس میں رپورٹ کروا دی ہے، میں نے اس کی تمام فرینڈز سے بھی پوچھ لیا ہے، یونیورسٹی، بس اسٹینڈ، ائیر پورٹ، ریلوے اسٹیشن ہر جگہ پتہ کر چکا ہوں مگر کچھ اتہ پتہ نہیں ہے۔'' ریحان شاہ نے غم میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

''خدا نہ کرے وہ کسی آفت میں مبتلا ہو۔'' عمارہ شاہ نے دل سے دعا کی۔

''اس شہر میں آپ کا کوئی دشمن نہیں، اگر کسی نے اغواء کیا ہوتا تو اب تک تاوان کے لئے کال آ چکی ہوتی، آپ اپنے گھر سے پتہ کریں کیا معلوم آپ کی بیٹی اپنی مرضی سے فرار ہوئی ہو۔'' انسپکٹر نے کہا تو ریحان شاہ نے انہیں لتاڑ کر رکھ دیا۔

''ہمارے خاندان کا یہ اصول نہیں انسپکٹر صاحب، مجھے اپنی بیٹی پر مکمل بھروسہ ہے۔'' انہوں نے درشتی سے کہا اور کرسی کو ٹانگ مار کر پولیس اسٹیشن سے باہر نکل آئے۔

ان کی نوجوان بیٹی لاپتہ تھی پچھلے چوبیس گھنٹوں سے شاہ پیلس کی مسکراہٹیں چھین لی تھیں، عمارہ شاہ نڈھال تھیں تو ریحان شاہ کو عزت و آبرو کے لٹنے کے خوف نے لٹھے کی مانند سفید کر دیا تھا، شاہ پیلس پر گمنام تاریکی کا بسیرا تھا۔

☆☆☆

کوئی اس پر جھکا اس کے گال تھپتھپا رہا تھا، چند لمحے وہ غائب دماغی سے لیٹی رہی، پھر جب ذہن سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''تھینک گاڈ تمہیں ہوش تو آیا، پچھلے چوبیس گھنٹے سے بے ہوش ہو تم۔'' شاہ ویز علی خان نے بغور اس کی مدہم پڑی رنگت کا جائزہ لیا اور لاپرواہی سے بولا۔

''میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے میرے گھر چھوڑ آؤ، میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔'' اس نے سسکتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''اگر تم سب کچھ قبول کر لو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔'' اس نے محض لیہا شاہ کو ٹٹولنا چاہا۔

''ہاں، میں نے ہی تم سے بات کی تھی میں نے ہی تمہیں بے وقوف بنایا ہے، دیکھو میں نے سب کچھ مان لیا اب مجھے گھر چھوڑ آؤ، مجھے مما کے پاس جانا ہے۔'' وہ بلک رہی تھی اور اس کے اقرار پر شاہ ویز علی خان پر اشتعال غالب آ گیا تھا۔

''مرو یہیں پر، سڑتی ہو، کہیں نہیں جانے دوں گا تمہیں۔'' اس نے انگشت شہادت سے اسے وارن کیا اور پورے زور سے دروازہ بند کیا۔

''تم کب تک آ رہے ہو ارحم، میں مزید اسے نہیں سنبھال سکتا۔'' اس نے فوراً ارحم سے رابطہ کیا۔

''بس میں پہنچنے والا ہوں، تو فکر مت کر، تو اسے چھوڑ کر آفس کا ایک چکر لگا لے۔''

''نہیں یار! میں اسے کسی کے حوالے نہیں

کرنا چاہتا، اکیلی لڑکی ہے اور خوبصورت بھی حد سے زیادہ، میں نہیں چاہتا کہ کسی کی میلی نظر اس پر پڑے، ویسے تو دونوں ملازم میں نے گھر سے منگوائے ہیں اور دونوں ہی بھروسے کے ہیں مگر پھر بھی مجھے خوف آتا ہے، میں خود اس کی نگرانی کروں گا۔'' اس کا پرس اور موبائل شاہ ویز علی خان نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔

پہلے پرس میں اس کا آئی ڈی کارڈ اور کریڈٹ کارڈ وغیرہ تھے، جو وہ بلاک کروا چکا تھا، سیل فون اس نے آف کر دیا تھا تاکہ کوئی رابطہ ممکن نہ ہو سکے۔

''اچھا ٹھیک ہے جیسے تجھے ٹھیک لگے کر۔''

''او کے جلدی ملتے ہیں پھر۔'' شاہ ویز علی خان نے کہا اور کال کاٹ دی۔

☆☆☆

''ان پیپرز پر سائن کر دو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔''

''کیا ہے ان پیپرز پر۔''

''نکاح نامہ ہے۔'' شاہ ویز خان نے مختصراً کہا۔

''کیا...... تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' اس کے پاؤں تلے زمین سرک گئی۔

''میں نے وضاحت نہیں مانگی، ان پیپرز پر سائن کرو اور آزاد ہو جاؤ، ورنہ میں کسی صورت میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔'' اس کا انداز دو ٹوک تھا۔

''نہیں کروں گی سائن، مجھے تمہاری شکل سے بھی نفرت ہے۔'' وہ بے بسی سے چلائی تھی۔

''او کے پھر ٹیک کیئر، جب عقل ٹھکانے آ جائے تو بتا دینا اور ہاں کھانا کھا لو میں مزید ڈرامے بازی ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔'' وہ درشتی سے کہتا کمرے سے باہر نکل گیا اور لیہا شاہ اپنی زندگی کی بربادی پر ایک بار پھر نوحہ کناں تھی۔

☆☆☆

''مبارک ہو میرا یار تو زبردستی کا دولہا بن گیا۔'' ارحم نے اسے بڑے تمسخر سے مبارکباد دی۔

''ایسا مت کہو ارحم۔''

''تو پھر تو نے ایسا کیوں کیا یار، تو اسے معاف بھی تو کر سکتا تھا۔''

''میری کتاب میں معافی جیسے الفاظ نہیں ہیں ارحم، اس نے میرے پیار کو کھیل بنایا، مجھے ساری دنیا کے سامنے تماشہ بنایا، اب میں اسے تماشہ بنا دوں گا، آئندہ وہ کبھی کچھ ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرے گی اور ویسے بھی اس نے خود اپنا گناہ قبول کیا ہے۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولا۔

تین دن کی ضد کے بعد بالآخر لیہا شاہ کو ہار ماننی پڑی، اپنی عزت کو بچانے کے لئے اس نے نکاح نامے پر دستخط کر دیئے اور فتح سے سرشار وہ شخص فوراً اسے شاہ پیلس چھوڑ گیا تھا، اسے تین دن بعد یوں ویران سی دیکھ کر عمارہ شاہ کا دل دہل گیا تھا۔

وہ کہاں تھی پچھلے تین دنوں سے، ان گزشتہ دنوں میں اس کے ساتھ کیا ہوا؟ ایسے ہزاروں سوال تھے، مگر وہ کسی بھی سوال کا جواب دینے سے قاصر تھی، ڈاکٹر نے اس کا تفصیلی چیک اپ کیا تھا۔

''انہیں شدید ذہنی ڈپریشن اور دباؤ سے، جس کی وجہ سے یہ بے ہوش ہو چکی ہیں ان سے پریشانی اور ٹینشن کو دور رکھیں، میں نے انہیں خواب آور ادویات دے دی ہیں، انہیں آرام کرنے دیں، انشاء اللہ یہ جلد صحت یاب ہو جائیں گی۔'' ڈاکٹر نے تسلی دی تو ریحان شاہ انہیں باہر

چھوڑنے چلے گئے۔

پچھلے ایک ہفتے سے وہ چپ کی بکل اوڑھے تھی، ایک شخص کی وہ بیوی بن چکی تھی یہ اس قدر شرمناک تھا کہ وہ بے گناہی کے لئے بھی لب وانہ کر سکی، اس کی طبیعت خرابی کے پیش نظر تمام جملہ افراد نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

''لیہا بیٹا کچھ تو کھالو، یہ لو یہ سوپ پی لو۔'' عمارہ شاہ نے بہت محبت سے سوپ پینے پر آمادہ کیا۔

وہ آہستہ آہستہ سوپ پینے لگی تھی، جب کچھ سوٹڈ بوٹڈ افراد لاؤنج میں داخل ہوئے ان کے پیچھے وہ شخص بھی تھا جو اس کے کردار کو معیوب بنا چکا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس میں سے ایک بارعب شخص نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''وعلیکم السلام، لیکن معذرت کے ساتھ کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' ان کا مصافحے کے لئے بڑھتا ہاتھ تھام کر ریحان شاہ نے کہا۔

''آیئے تشریف رکھیے۔''

''جی شکریہ۔''

''فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' ریحان شاہ نے پوچھا۔

''نکالیں انہیں اس گھر سے باہر پاپا، یہ میرے گناہ گار ہیں پاپا، اس شخص نے میری زندگی برباد کر دی۔'' انہیں بیٹھتا دیکھ کر وہ ہوش کھو بیٹھی تھی، وہ بری طرح چلانے لگی تھی، عاریش اور عمارہ شاہ اسے واپس کمرے میں لے گئیں۔

''میں شیراز علی خان، بے وقت حاضری کے لئے معافی چاہتا ہوں شاہ صاحب، لیکن میں اپنی بہو کی رخصتی کے لئے درخواست لے کر آیا ہوں۔''

''کون سی بہو، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ ناسمجھی کے عالم میں بولے۔

''میں سمجھاتا ہوں، گزشتہ ایک سال سے آپ کی بیٹی اور ہمارا بیٹا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، پھر شاید آپ سے خوف زدہ ہو کر آپ کی بیٹی نے شادی سے انکار کر دیا، جس پر شاہ ویز نے غصے میں آ کر زبردستی......'' وہ کچھ لمحے کے لئے رکے۔

''زبردستی آپ کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔'' انہوں نے ایک بم پھوڑا تھا، شاہ پیلس کے مکینوں پر۔

''یہ کیا بکواس ہے، کسی کی عزت پر کیچڑ اچھالتے ہوئے شرم نہیں آتی آپ کو۔'' ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

''میں آپ سے اپنے بیٹے کی غلطی کے لئے معافی چاہتا ہوں، شاہ صاحب، لیکن بچوں سے جو کچھ ہوا اسے ہمیں ہی فہم و فراست سے سلجھانا ہو گا اور جو کچھ بھی آپ کہیں، آپ کی بیٹی اب ہمارے گھر کی بہو ہے۔'' انہوں نے کہا اور پھر تھوڑے سے ردو بدل سے تمام روداد انہیں سنا دی، اس کے ساتھ ہی نکاح نامہ بھی پیش کر دیا، کہنے کو کچھ باقی نہ تھا، جس بیٹی کے منہ میں سونے کا نوالہ دیا تھا وہ ہی ان کی عزت کی دھجیاں بکھیر دے گی وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے، کسی راہ چلتی لڑکی کو پکڑ کر کوئی نکاح پر آمادہ نہیں کر سکتا، یقیناً اس واقعے میں کچھ نہ کچھ سچائی تھی، جو معاملہ اس نہج تک پہنچا۔

''لیہا کو بلاؤ عمارہ۔'' انہوں نے حکم صادر کیا، ان کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں تو وجود مارے غم و غصے کے کانپ رہا تھا، ان کی آواز نے شاہ پیلس کے در و دیوار ہلا دیئے تھے۔

''آپ کیا کرنے والے ہیں ریحان، مجھے

اپنی بچی پر پورا بھروسہ ہے، وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتی۔'' عمارہ شاہ نے دہائی دی۔

''میں نے کوئی صفائی نہیں مانگی عمارہ، جو کہا ہے وہ کرو۔'' ان کے دھیمے لہجے میں بھی شیر کی سی دھاڑ کی لپک تھی۔

''جی پاپا۔'' دوپٹے میں چھپی وہ نازک سی لڑکی ڈری سہمی سی سامنے آئی۔

''آپ اپنی بہو کو لے جا سکتے ہیں شیراز خان، آج کے بعد اس لڑکی کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، میں نے مان لیا کہ میری صرف ایک ہی بیٹی ہے، میری لیہا شاہ نامی کوئی بیٹی نہیں۔'' انہوں نے شیراز علی خان کو مخاطب کیا اور اندر کی طرف بڑھنے لگے۔

''نہیں پاپا ایسا مت کریں، مجھے اس طرح خود سے جدا مت کریں، پلیز مجھے اپنی صفائی کا ایک موقع دیں، میں بے قصور ہوں۔'' وہ دوڑ کر ان کے قدموں سے لپٹ گئی، انہوں نے بالوں سے پکڑ کر اسے اٹھایا تھا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کیا، وہ دو قدم اچھل کر پیچھے گی، درد کے احساس سے وہ دوہری ہو گئی تھی، شاہ ویز علی خان دوڑ کر آگے بڑھا تھا، بازو سے پکڑ کر اسے اٹھایا ریحان شاہ کی آنکھوں میں مرچیں بھرنے لگی تھیں۔

''پاپا مجھے غلط مت سمجھیں، آپ کی نفرت مجھے مار ڈالے گی۔'' وہ ایک بار پھر ان کی طرف لپکی۔

''چلی جاؤ یہاں سے لیہا ورنہ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔'' ریحان شاہ نے اسے گردن سے دبوچا تھا اور اس کے چہرے پر طمانچوں کی بارش کر دی تھی۔

''مجھے کاٹ کر پھینک دیں پاپا مگر مجھے ان کے حوالے مت کریں۔''

عمارہ شاہ نے بہت مشکل سے ان کے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیا، ان کے شدید حملوں سے وہ نڈھال ہو چکی تھی، شاہ ویز خان نے اسے آگے بڑھ کر بانہوں میں بھر لیا، اس کے ناک اور دانتوں سے خون بہہ رہا تھا، اس کے رخسار سرخ ہو چکے تھے اور ان پر انگلیوں کے نشان ثبت ہو کر رہ گئے، اس کا نچلا ہونٹ بری طرح پھٹ گیا تھا، اس کے لمبے بال بکھر گئے تھے، اس کا دوپٹہ دہلیز پر کہیں پڑا تھا۔

''مار ڈالیں گے کیا اسے؟ لے جائیں اسے یہاں سے پھر کبھی مت لایئے گا۔'' عمارہ شاہ نے کہا اور ریحان شاہ کو اندر لے جانے کی کوشش کرنے لگی۔

لیہا شاہ بے ہوش ہو چکی تھی، شیراز خان نے اسے دوپٹہ اوڑھایا اور شاہ ویز علی خان نے اسے بانہوں میں اٹھا کر گاڑی کا رخ کیا۔

☆☆☆

''عاریش کیا لیہا نے کبھی تمہیں بھی اس لڑکے کے بارے میں نہیں بتایا۔'' عاریش شاہ دونوں کے لئے چائے بنا رہی تھی جب عمارہ شاہ نے اس سے استفسار کیا۔

''ج...... جی نہیں مما...... میری کبھی اس سے اس بارے میں بات نہیں ہوئی۔'' وہ متذبذب سی ڈگمگائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''کتنا چاہا تھا ہم نے اسے عاریش، کتنی آسائشات دی تھیں اسے، کتنا اعتماد دیا تھا اسے، اس کی زبان سے کسی خواہش کا اظہار ہونے سے قبل اسے پورا کیا تمہارے پاپا نے اور اس نے......'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ سسکنے لگی تھیں۔

''بس کریں مما، کیوں اس کی شرمناک حرکت یاد کر کے خود رنجیدہ ملول ہو رہی ہیں، جب اس نے ہماری فکر نہیں کی تو آپ کیوں خود کو

اذیت میں مبتلا کر رہی ہیں۔''

''میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی، تمہارے پاپا کا سر اس نے ندامت سے جھکا دیا ہے، ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔'' آخر میں بری طرح بلکنے لگی تھیں۔

''مما آپ کے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں پلیز مت روئیں۔'' عارلیش شاہ نے انہیں خود سے لگالیا۔

''تمہاری معصوم آنکھوں میں تو میں نے کبھی راز نہیں دیکھا تھا تو پھر یہ سب کیسے ہوگیا بیا میری بچی۔'' کسی نے ان کا دل مٹھی میں لے کر مسلا تھا، وہ لاکھ اس سے نفرت کا اعلان کرتیں مگر تھی تو وہ ان کا جگر کا ٹکڑا، ان کا کرب ماں کا کرب تھا، نیزے کی کوئی انی تھی جو ان کے وجود میں گڑی جا رہی تھی۔

☆☆☆

لیہا شاہ کے لئے عندلیب خان نے فل ٹائم نرس کا بندوبست کرلیا تھا، ڈاکٹر اسے خواب آور ادویات دے کر جا چکے تھے، اس کے حلیے کو درست کرکے عندلیب خان بھی لائٹ آف کرکے لاؤنج میں چلی آئیں، جہاں ارحم، شیراز خان اور شاہ ویز علی خان پہلے سے ہی موجود تھے۔

''تمہیں معلوم ہے کتنی بڑی غلطی کی ہے تم نے، مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی شاہ ویز، کسی کو زدو کوب کرتے ہوئے تمہارا شعور بالکل نہ ڈگمگایا، شیم آن یو۔'' شیراز خان نے نفرت سے ہنکارا بھرا۔

''آئی ایم سوری پاپا میں خود ہرگز ایسا کچھ نہیں چاہتا تھا، مگر اس کی حرکت نے مجھے مشتعل کر دیا تھا اور مجھے جو بہتر لگا میں نے کر دیا۔'' اس کے لہجے میں ندامت کی جھلک بہت نمایاں تھی۔

''کس قدر ذلت اٹھائی ہے اس معصوم لڑکی نے تمہارے اس فعل سے، اس کے چہرے کے تقدس کو دیکھ کر مجھے لگتا ہی نہیں وہ کبھی اس طرح کی کوئی حرکت کرسکتی ہے۔'' عندلیب خان نے تاسف سے سر ہلایا۔

''کوئی معصوم نہیں ہے وہ ماما، ٹھیک ہے مجھ سے کسی حد تک غلطی ہوئی ہے مگر کوئی تقدس و تقدیس والی بات نہیں ہے، اس خوبصورت چہرے کے پیچھے بہت بڑی ڈرامے باز چھپی ہے۔'' چشم تصور میں بے ہوش لیہا شاہ کو لا کر وہ نرم مگر مرتعش لہجے میں بولا۔

''مائنڈ یور لینگویج شاہ ویز۔'' شیراز علی خان نے فوراً تنبیہ کی۔

''سوری پاپا۔'' وہ فوراً شرمندگی سے معذرت کر گیا۔

''اگر یہ بات میڈیا تک پہنچ جاتی تو جانتے ہو اس کے کس قدر منفی اثرات مرتب ہوسکتے تھے، اگر وہ لوگ کوئی ایکشن لے لیتے تو یہ مسئلہ کس قدر لمبا چلتا، خیر کچھ حد تک مسئلہ حل ہوگیا لیکن اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے شاہ ویز، ایک گھر کی عزت و تقدس کو داؤ پر لگانے کے لئے میری نظروں میں تم ہمیشہ ایک درجہ نیچے ہی رہو گے اور اگر میں نے تمہیں اس معاملے میں سپورٹ کیا ہے تو معاشرے میں اپنے مقام کے دفاع کے لئے ورنہ میں ہرگز تمہارا ساتھ نہ دیتا۔'' انہوں نے دوٹوک الفاظ میں کہا اور مزید کسی بحث کا موقع دیئے بغیر اپنے کمرے کا رخ کیا۔

''ماما پلیز پاپا کو سمجھائیں۔'' ان کے فیصلے سے وہ بہت ہرٹ ہوا تھا۔

''میں کیا سمجھاؤں جو انہیں بہتر لگا انہوں نے کہا، اگر وہ لڑکی اس جرم میں ملوث ہے اور سزا

کاٹ رہی ہے تو آپ نے بھی اس میں برابر کی شرکت داری کی ہے، آپ بھی اتنی ہی سزا کے مستحق ہیں، آپ مرد ہیں تو اس لئے ہم آپ کو معاف نہیں کر سکتے۔'' عندلیب خان نے بھی اپنے زوجیت کے حقوق پورے کیے۔

ارحم کو شیراز خان نے اپنے کمرے میں بلایا تھا اور اس سے چیدہ چیدہ نکات پر بات کر رہے تھے، وہ مغموم سا اپنے کمرے میں پہنچا۔

سامنے ہی اس کے بیڈ پر وہ سراپا حسن خود سے بے خبر لیٹی تھی، اس کے سوتے ہوئے خوابیدہ سے خدوخال میں بھی کرب جیسے بسیرا کر گیا تھا اس کا نچلا ہونٹ سوجا ہوا تھا، آنکھیں بھی متورم تھیں، نازک سے رخسار دہک کر انگارہ ہو رہے تھے، ان پر ثبت انگلیوں کے نشان جیسے اس کی ذلت کی کہانی سنا رہے تھے۔

شاہ ویز خان نے اپنی رگیں کٹتی محسوس کی تھیں، اس کا دل چاہا تھا سب کچھ بھول کر اسے اپنے سینے سے لگا لے مگر چند لمحوں تک وہ اس خیال سے چھٹکارا پا چکا تھا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا لیہا، میں نے تم سے بہت محبت کی تھی۔'' اس کے رخساروں کو اپنی انگلیوں کے پوروں سے چھو کر اس نے نرمی سے کہا اور کمرہ لاک کرکے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''جب تم اسے بغیر نکاح کیے بھی سبق سکھا سکتے تھے تو تم نے ہمیشہ کے لئے یہ مصیبت کیوں گلے ڈالی۔''

وہ آج کل ارحم کے ساتھ اس کے گھر قیام پذیر تھا، کیونکہ شاہ ویز ہاؤس پر صرف لیہا شاہ کا قبضہ تھا، اسے دیکھتے ہی وہ آپے سے باہر ہونے لگتی تھی، وہ ہسٹریائی انداز میں چلانے لگتی تھی اور ہر وہ چیز جو اس کے ہاتھ لگتی وہ دیوار میں دے مارتی، چنانچہ اس کے سیریس حالت کے پیش نظر اس کی بیداری کے دورانیے میں وہ شاہ ویز ہاؤس جانے سے پرہیز کرتا تھا۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا ارحم، میں کبھی اس کے ساتھ ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' وہ فوراً تپ کر بولا۔

''کیوں نہیں سوچ سکتا جب تو اس سے نفرت کرتا ہے تو چلا ڈالا اسے ایسی نفرت سے۔'' ارحم نجانے اس سے کیا اگلوانا چاہتا تھا۔

''بکواس مت کرو ارحم ورنہ میں تیرا سر توڑ دوں گا۔'' وہ جارحانہ انداز میں اس کی سمت بڑھا تھا۔

''خود سے مت بھاگ شاہ ویز، یہ صرف دلاسہ ہے جو تو خود کو دے رہا ہے کہ تو نے اس سے بدلہ لیا ہے، ورنہ تو اس سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ جب اس نے تجھے پہچاننے سے انکار کیا تو اس سے دوری کے احساس نے تجھے حواس باختہ کر دیا، تب ہی تو نے اس سے نکاح کرکے اسے ہمیشہ کے لیے بنا لیا، ہاں جب اس نے تجھ سے کسی بھی قسم کے تعلق سے انکار کیا تو تب تو مشتعل تھا مگر اب تو صرف اس سے محبت کرتا ہے میرے یار، اس کا تجھے اتنا خیال ہے کہ اسے تکلیف سے بچانے کے لئے تو اس کے سامنے بھی نہیں جاتا۔'' ارحم نے دھیرے دھیرے اس کی ذات کے الجھے دھاگے سلجھانے شروع کیے۔

''ایسا کچھ نہیں یار! اس نے خود اپنے جرم کا اقرار کیا ہے، اگر میں اسے ایسے ہی چھوڑ دیتا تو وہ کیسے عبرت پکڑتی، کسی ایک کردار کو سبق سکھائیں گے تو معاشرے میں سدھار پیدا ہوگا۔'' وہ اپنے موقف پر قائم تھا۔

''ہاں اگر تو مجھے اپنے گھر سے نکالنا چاہتا ہے تو الگ بات ہے۔'' وہ مزید گویا ہوا۔

''بکواس مت کر، تو جب تک چاہے یہاں رہ سکتا ہے۔'' ارحم نے فوراً دلی خلوص سے کہا۔

''اوکے پھر میں گھر کا چکر لگا آتا ہوں مما سے ملنے کو دل کر رہا ہے۔'' اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور مسکراتا ہوا نکل گیا۔

☆☆☆

ابیہا شاہ کی طبیعت قدرے سنبھل گئی تھی، زندگی میں آنے والے طوفان سے اس نے سمجھوتہ کر لیا تھا، وہ چپ چاپ اس محل نما قید میں دن گزار رہی تھی، عندلیب اس کی دلجوئی کی حتی المقدور کوشش کر رہی تھیں مگر وہ لب سے اپنی ہونٹوں کی جنبش پر قفل باندھے تھی۔

''مما کہاں ہیں؟'' سیٹی پر بڑی پیاری سی دھن بجاتے ہوئے وہ اپنی ہی رو میں داخل ہوا تھا، جب لابی میں اسے ملازمہ مل گئی۔

''بی بی صاحبہ تو گھر پر نہیں ہیں۔'' ملازمہ نے فوراً مستعدی سے جواب دیا۔

''اور چھوٹی بی بی۔'' اس نے تیکھے چتون اٹھا کر سوالیہ نظروں سے پوچھا۔

''وہ اپنے کمرے میں ہیں چھوٹے بابا۔''

''یعنی آپ کے کمرے میں ہیں۔'' اس کی نظروں کے سوال کو پڑھ کر ملازمہ نے وضاحت کی۔

''اوکے تم جاؤ۔'' اس نے حکم صادر کیا اور اپنے کمرے کا رخ کیا۔

جہاں پر ابیہا شاہ کی حکمرانی تھی، وہ دروازہ ناک کیے بغیر اندر گھس گیا تھا، دروازہ کھلنے کی آہٹ پر ابیہا نے چونک کر دیکھا تھا، وہ صوفہ کم بیڈ پر ترچھی لیٹی تھی، فوراً سیدھی ہو کر اس نے دوپٹہ درست زاویے سے لیا۔

سرخ رنگ کے جدید تراش خراش کے سوٹ میں وہ اپسرا بے حد حسین و جمیل لگ رہی تھی شاہ ویز خان نجانے کیوں محفوظ ہونے لگا تھا۔

''کافی بہتر لگ رہی ہو پہلے سے۔'' اس کی تعریف کا ارادہ موقوف کرتے ہوئے اس نے اس کی صحت پر تبصرہ کیا۔

''نکلو یہاں سے ورنہ میں تمہاری شکل بگاڑ دوں گی۔'' وہ جارحانہ انداز میں آگے بڑھی۔

''کام ڈاؤن مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا۔

''مگر مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ زہریلے انداز میں بولی۔

''نکلو یہاں سے میں تمہیں ایک منٹ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔'' اس کی آنکھیں شعلہ بار تھی تو زبان بھی زہر ہی اگل رہی تھی۔

''تو رعب کس چیز کا ڈال رہی ہو مجھ پر، بائی داوئے یہ کمرا تمہارا نہیں میرا ہے۔'' اس کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ مزے پر بولا، یہ لال گلابی شیرنی نجانے کیوں اسے آج شرارت پر اکسا رہی تھی۔

''میں تمہاری یہ مسکراہٹ نوچ لوں گی شاہ ویز علی خان تم نے مجھے ذلیل کیا ہے، میں تمہاری خوشیوں میں بھی آگ لگا دوں گی، میں تمہارا جینا دوبھر کر دوں گی، تمہاری زندگی اجیرن کر دوں گی مائنڈ اٹ۔'' اس نے انگشت شہادت سے اسے وارن کیا۔

''کر لو تم بہت کچھ کر سکتی ہو مس ابیہا، بہت سارے جوہر تو میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا، میرے خیال میں ابھی بھی بہت زعم ہے تمہیں خود پر، اتنا سب ہونے کے بعد بھی۔'' اس نے جیسے اس کے زخم پر انگلی رکھ کر دبایا تھا وہ تکلیف سے زرد پڑ گئی تھی۔

''میرے کردار پر انگلی مت اٹھانا شاہ ویز

خان میں تمہاری جان لے لوں گی۔'' اپنے آنسوؤں کو رگڑتے ہوئے اس نے کڑک دار آواز میں کہا۔

''بہت جلد میں نکل جاؤں گی یہاں سے۔'' اس نے دھمکی دی اور تیزی سے باہر کا رخ کیا، شاہ ویز خان نے اسی تیزی سے اس کے مقابل آ کر اسے دونوں بازوؤں سے تھام لیا تھا۔

''چھوڑو مجھے۔'' غصے کی تیز لہر اس کے وجود میں سرائیت کر گئی۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے تم سے بات کرنے کا یا تمہاری شکل دیکھنے کا، تمہارا رزلٹ آ گیا ہے وہی بتانے آیا تھا تمہیں۔'' ایک جھٹکے سے اسے دیوار کے ساتھ لگا کر اس نے ابیہا شاہ کے شانوں پر گرفت مضبوط کی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں جاننا چھوڑو مجھے۔'' اس نے بے بسی سے اپنے وجود کو جھنجھوڑ ڈالا۔

''ویسے کافی انٹیلی جینٹ ہو تم، ریکارڈ بریکنگ رزلٹ دیا ہے تم نے تمہیں یاد ہے ایک بار پہلے بھی میں نے تمہاری ایسے ہی تعریف کی تھی۔'' اس نے کہا اور تمام فاصلے سمیٹ دیئے۔

''مجھ سے دور ہو جاؤ شاہ ویز خان، ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔'' وہ چڑیا کی طرح پھڑ پھڑائی، پھر اس نے خود ہی زور سے دیوار میں سر مارا تھا، کنکریٹ کی پینٹ زدہ دیوار سے اس قدر شدت سے سر ٹکرانے سے اس کا سر لمحوں میں زخمی ہوا تھا۔

''آئندہ مجھے مت چھونا، شاید تمہارا میں کچھ نہ بگاڑ سکوں لیکن میں خود کو مار ڈالوں گی۔'' اس نے نیم بے ہوشی سے جملہ ادا کیا اور پھر لڑکھڑا کر اس پر آن گری، شاہ ویز خان نے حواس باختگی سے اس کے سر سے نکلتے خون کو دیکھا تھا اور ڈاکٹر کو فون کرنے بھاگا۔

☆☆☆

''خطرے کی کوئی بات نہیں مما، ڈاکٹر نے کہا ہے معمولی زخم ہے جلد ہی مندمل ہو جائے گا۔''

شام کو جب شیراز خان اور عندلیب خان لوٹے تو اسے اس حالت میں دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو گئے۔

''لیکن تم نے تو اسے کچھ نہیں کہا۔'' عندلیب خان نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مام پلیز، آپ اب مجھ پر تو شک مت کریں، خود اس سے کیوں نہیں پوچھ لیتیں، شکر کریں میں وقت پر پہنچ گیا، ورنہ پتہ نہیں میڈم کا کیا ہوتا اور آپ الٹا مجھ پر ہی برس رہی ہیں۔'' اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''ابیہا بیٹا اگر آپ زیادہ تکلیف میں نہیں ہیں تو بتائیں آپ کو یہ چوٹ کیسے لگی۔'' شاہ ویز خان کا تفصیلی جواب سن کر وہ ابیہا کی طرف متوجہ ہوئیں، جو آنکھیں بند کیے لیٹی تھی اور ایک ہاتھ چہرے پر رکھا ہوا تھا مگر وہ سو نہیں رہی تھی۔

''کچھ نہیں آنٹی مجھے چکر آ گیا تھا میں توازن برقرار نہیں رکھ پائی اور گر گئی، اسی وجہ سے سر پر چوٹ لگ گئی۔'' اس نے مختصراً کہا اور دوبارہ آنکھیں موند لیں، وہ خود نہیں بتانا چاہتی تھی کہ شاہ ویز خان نے اس کے ساتھ کیا کیا، اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کی جارحیت بیان کر پاتی، اس لئے خاموش رہی۔

پھر عندلیب نے بہت اصرار سے اسے جوس پلایا، اس سارے دورانیے میں شاہ ویز خان وہاں موجود رہا لیکن ابیہا نے خلاف توقع کوئی شور نہیں مچایا۔

''اپنا خیال رکھنا میں نے ملازمہ کو پابند کر

دیا ہے کسی چیز کی ضرورت ہو تو منگوا لیجئے گا۔" عندلیب خان نے ہدایت دی، اس کی پیشانی پر بوسہ دیا، بکھرے بال ہٹائے اور شاہ ویز خان کو اشارے سے باہر جانے کا کہا۔

☆☆☆

"مما میں اپنے کمرے میں رہنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں ایہا کو گیسٹ روم میں شفٹ کر دیتی ہوں۔"

"میں نے ایسا کب کہا؟"

"تو پھر......؟" عندلیب نے مارجرین واپس رکھا اور نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔

"مطلب وہ بھی وہیں رہے اور میں بھی۔" اس نے آنکھیں جھکا کر قدرے دھیمے لہجے میں کہا، نا چاہتے ہوئے بھی شیراز خان کے ہونٹوں پر مبہم سا تبسم بکھر گیا۔

"وہ شرعی طور پر تمہاری بیوی ہے، اس فیصلے میں مجھے کوئی برائی نظر نہیں آتی لیکن آپ کا کیس نارمل کیسز سے ذرا مختلف ہے شاہی، بیٹا آپ کی بیوی آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی، ایسے میں ایک ساتھ رہنا آئی تھنک اٹس امپاسبل۔" انہوں نے کافی دور اندیشی سے جواب دیا۔

"مما ہم ہر ایک بات اس کی مانتے جائیں گے تو وہ مزید ہٹ دھرم اور ضدی ہوتی جائے گی، میں اب اسے مزید خود سے بدگمان نہیں رکھ سکتا۔" اس نے جھنجھلا کر وضاحت دی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں مما، میں اسے ہینڈل کر لوں گا، پلیز مجھے ایک موقع دیں۔" اس کا انداز ملتجیانہ تھا، عندلیب خان نے ایک نظر لاتعلق سے بیٹھے شیراز خان پر ڈالی انہوں نے آنکھ کے اشارے سے اجازت دی۔

"او کے ٹھیک ہے تم ایک کوشش کر کے دیکھ لو بیٹا، بٹ کیپ ان مائنڈ، کوئی زور زبردستی نہیں چلے گی، اس کی خواہش ہماری اولین ترجیحات میں شامل ہو گی۔" عندلیب خان نے اجازت کے ساتھ شرط بھی عائد کی تھی اور وہ نجانے کیوں خوش ہوئے جا رہا تھا۔

اپنی حالت وہ سمجھنے سے قاصر تھا، پہلے وہ اس سے محبت کرتا تھا پھر وہ اس سے بدگمان ہو گیا، اس سے شدید نفرت کے اظہار کے طور پر اسے زبردستی اپنی زندگی میں شامل کر لیا اور اب اس کی تکلیف پر وہ خود کیوں کراہ اٹھتا تھا، وہ کھانا نہیں کھاتی تھی تو نوالہ اس کے حلق سے بھی نہیں اترتا تھا، وہ درد محسوس کرتی تو بے چین شاہ ویز خان بھی رہتا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ اس سے نفرت کر کے خود کو سزا دے رہا ہے یا اس سے محبت کر کے خود کو رنجیدہ کر رہا ہے، اپنا عمل اسے خود لاشعور رکھے ہوئے تھا، وہ اس کے قریب بھی نہیں جانا چاہتا تھا اور اسے خود سے دور رکھنا بھی سوہان روح تھا، عجیب تضاد تھا اس کی سوچ اور عمل میں۔

سوچ میں بدگمانی اور نفرت تھی، تو عمل میں صرف اس کا خیال اور اس کی فکر۔

وہ اپنے آپ سے بے گانہ تھی، عندلیب کا اصرار بھی اس پر کوئی اثر نہیں کرتا تھا، اس کی دمکتی رنگت ہر گزرتے دن کے ساتھ مدھم پڑتی جا رہی تھی، وجود سے ساری تازگی جیسے نچڑ گئی تھی، وہ ضرورت کے تحت کھاتی تھی ورنہ بھی کھانے کے پاس بھی نہ پھٹکتی۔

اس کی بگڑتی صحت اور ذہنی کیفیت نے درحقیقت اسے پریشان کر دیا تھا، وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ ایہا شاہ اس قصے میں واقعی شامل بھی تھی یا نہیں، مگر اس کی مدد کے بغیر وہ کبھی اصل بات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

بہر حال اس کی مناسب دیکھ بھال کے لئے اس نے خود اس کے قریب رہنے کا فیصلہ کیا تھا، تب ہی وہ اصل معاملے کی جانچ پڑتال کر سکتا تھا، ایہا شاہ کو اس فیصلے پر منانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا مگر اسے یہ کرنا تھا۔

کوئی گناہ گار ہوتے ہوئے اسے طویل عرصے تک احتجاج کیسے کر سکتا ہے، وہ اس پہلو پر سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

☆☆☆

سفید گلابوں کی خوشبو سے پورا کمرہ مہک اٹھا تھا، سورج کی کرنیں دھرتی پر اپنی شفاف کرنیں پھیلا کر نئے دن کی نوید سنا رہی تھی، آسمان کی وسعتوں میں غوطہ کھاتے بادل جیسے سورج کے احترام میں جگہ چھوڑتے جا رہے تھے، بادلوں کے مرغولے یہاں وہاں اڑتے گم ہوتے جا رہے تھے، پرندوں کی چہچہاہٹ زندگی کی مانوس سی ہلچل پیدا کر رہی تھی، سبک ہوا دبے پاؤں گلاس ونڈو سے ٹکرائی تھی اور ایہا شاہ کے بند در کو دیکھ کر اسی شرارت سے واپس مڑ گئی، دبیز پردوں نے سورج کی پر حدت کرنوں کو ایہا شاہ تک پہنچنے میں ناکام بنا دیا تھا۔

ایک بھرپور نیند لینے کے بعد وہ بہت تازہ دم سی ہو کر اٹھ بیٹھی، اتنے اعصابی تھکان سے بھرپور دنوں کے بعد وہ پہلی بار لاپرواہ ہو کر مزے سے سوئی تھی شاید ٹرنکولائزز کا اثر تھا جو اس نے پچھلے ایک ہفتے سے شروع کر رکھی تھیں۔

اس نے اٹھ کر بکھرے بال سمیٹے اور باندھنے کی کوشش نہیں کی، سلیپر پاؤں میں اڑسے اور دبیز پردے ہٹا دیئے سورج کی شعاعیں چھن چھن کر اندر آنے لگیں، ٹھنڈے ہوا کے جاندار جھونکے نے اس کا خیر مقدم کیا، اس کا موڈ ایک دم سے فریش ہو گیا، اچانک اس کی نظر کمرے کے وسط میں سجے گلاس ٹیبل پر رکھے گلدان میں سجے بے حد خوبصورت سفید پھولوں پر پڑی۔

وہ سفید گلابوں کی دیوانی تھی اس نے جھک کر انہیں اٹھا لیا اور ان کی تازگی کو اپنے اندر تک اتار لیا، اس نے اپنے رخساروں سے چھو کر ان کی نرمی کو محسوس کیا اور پھر ان پر اپنے لب رکھ دیئے، اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، وہ جو انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھی، اس کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔

"یس کم آن۔" اس نے اجازت دی اور خود بھی چوکس ہو گئی، بلیک نائٹی میں اس کا متناسب سراپا بے حد پرکشش لگ رہا تھا۔

"آپ سے میری خوشی برداشت نہیں ہوتی جو آپ اسے غارت کرنے چلے آتے ہیں۔" اس کی پیشانی سلوٹ زدہ ہو گئی تھی، مگر شاہ ویز خان تو اس کے اس حلیے میں کھویا ہوا تھا، دوپٹے سے بے نیاز اس کمرے میں تمام حقوق ملکیت کے ساتھ گھومتی وہ اسے اپنے دل کے بہت قریب لگی تھی، اس کی جانچتی نگاہوں سے خائف ہو کر اس نے فوراً شال نکال کر اوڑھی، شاید اس کی استحقاق بھری نگاہوں کا اثر تھا کہ چند لمحوں کے لئے وہ بالکل انگشت بدنداں رہ گئی۔

"کچھ کام تھا آپ کو؟" وہ اس کی توجہ خود پر سے ہٹانا چاہتی تھی۔

"نہیں تو کوئی کام نہیں تھا، بہت دن اپنے روم سے دور رہ لیا اب اپنے ٹھکانے پر واپس آنا چاہتا ہوں، میں اپنا سامان بھجوا رہا ہوں آپ اپنی مرضی سے سیٹ کروا دیجئے، آئی مین وارڈ روب میں۔"

"تو میں کہاں رہوں گی آئی مین میرا روم کون سا ہے؟" وہ الجھ کر بولی۔

"یہ ہم دونوں کا روم ہے۔" اس نے ایک

ایک لفظ پر زور دیا۔

''آر یو آؤٹ آف مائنڈ آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں ایک کمرے میں آپ کے ساتھ رہوں گی۔'' وہ فوراً تنک کر بولی۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سامنے کھڑے شخص کو شوٹ کر دے۔

''میں نے آپ سے پوچھا نہیں بتایا ہے، مسز لیہا شاہ ویز خان، زیادہ واویلا کرنے کی ضرورت نہیں، جو میں نے کہہ دیا ہے وہی ہوگا اور اس بار تمہاری مدد کرنے والا کوئی نہیں، اینڈ لسن خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش مت کرنا ورنہ ابھی تو مجھے جانتی نہیں ہو۔'' اس نے خطرناک تیور لئے بڑے کرخت لہجے میں کہا اور دوسری بات کا موقع دیئے بغیر باہر چلا گیا اور کمرہ بھی لاک کر دیا۔

وہ جانتا تھا اگر وہ بحث کرتا تو وہ اس سے جیت جاتی، مگر اب اسے ہر حال میں سچائی کے بے نقاب کرنا تھا اور لیہا شاہ کو اس سزا سے نکالنا تھا۔

☆☆☆

''تمہیں خود کو نیچرل نیند کا عادی بنانا ہوگا، آئندہ تم یہ ٹرنکولائزرز استعمال نہیں کرو گی۔'' اس کے ہاتھ سے ٹیبلٹ لے کر اس نے اپنی ملکیت میں لیں، اس نے ایک تلخ نگاہ اس پر ڈالی اور کچھ بھی کہے بغیر لیٹ گئی، آنسو قطرہ قطرہ پگھل کر تکیے میں جذب ہونے لگے تھے، اپنی بے بسی اور مقدر کی سیاہ سیاہی سے لکھی تحریر نے اس کے وجود کو کانٹوں پر لیٹا دیا تھا، وہ اس شخص سے لڑتے لڑتے تھک گئی تھی اس سے نفرت کرتے کرتے تھک گئی تھی، اس کے اعصاب شل ہو گئے، وہ ذہنی تناؤ کا شکار تھی، اسے سکون کی ضرورت تھی، مگر سکون اس کے نصیب میں کہاں۔

اسے چپ چاپ لیٹتا دیکھ کر وہ بھی صوفہ کم بیڈ پر آلیٹا، اس کے ساتھ رہنے پر اس نے بہت محاذ آرائی کی تھی، بھوک ہڑتال، رونا دھونا، شور اور بہت سے ہر بے آزمائے مگر شاہ ویز خان اپنے موقف پر ڈٹا رہا، اسے مات دینے، اسے سمجھانے اسے سنبھالنے وہ اس کے پاس آتا تھا تب اس کی روح تک درد سے بلبلا اٹھتی تھی۔

چنانچہ اس نے شاہ ویز خان کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا، اب کم از کم وہ اس سے ایک خاص فاصلے سے بات کرتا تھا۔

''کیا تمہیں بے بی پنک کلر پسند ہے؟''

''ہاں مگر آپ کو کیسے پتہ؟'' اس نے چونک کر استفسار کیا۔

''کیا یہ کبھی تمہارا نمبر تھا؟'' اس نے ڈائری پر لکھا ایک نمبر اس کی طرف بڑھایا۔

''ہاں یہ میرا نمبر تھا، مگر تمہارے پاس کیسے؟'' حیرت کا ایک پہاڑ منہ کھولے کھڑا تھا۔

''تم بتاؤ مجھے یہ سب کچھ کیسے پتہ ہو سکتا ہے؟'' اس کے اقرار پر وہ نا چاہتے ہوئے بھی سخت رویہ اپنانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''مجھے کیا معلوم، تم بتاؤ شاہ ویز خان کیسے یہ سب حاصل کر کے تم نے مجھے اپنے ظلم کا نشانہ بنایا، یہ سب کہانیاں گھڑ کر تم اپنے گناہ پر پردہ نہیں ڈال سکتے، اگر اس دنیا میں کسی شخص سے میں نے نفرت کی ہے تو وہ تم ہو شاہ ویز خان، اب اگر تم نے مجھ پر مزید شکوک و شبہات کا اظہار کر کے میرے زخموں کو کریدا تو مجھے میرے پاپا کی قسم میں اس کھڑکی سے کود کر اپنی جان دے دوں گی یا تمہیں قتل کر دوں گی۔'' اس کی آنسوؤں سے لبریز آنکھوں میں اور لہجے میں اس قدر تھکاوٹ، بے بسی اور کرب تھا کہ شاہ ویز خان مزید ایک لفظ بھی ادا نہیں کر سکا۔

''اگر تم بے قصور ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں تمہارا مقام واپس دلاؤں گا لیکن اگر تم گناہ گار ہوتے ہوئے بھی معصومیت کا ڈھونگ رچاتی رہی تو یاد رکھنا مجھے خود نہیں معلوم میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا۔'' ایک ایک لفظ کو اس نے چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

''بڑے شوق سے کرو مسٹر شاہ ویز خان، مگر میں تمہیں اندر تک گھائل کر دوں گی مائنڈ اٹ۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں اسے دیکھا اور بڑی کاٹ دار مسکراہٹ سے نواز کر واپس لوٹ گئی۔

☆☆☆

''کل تمہاری بہن کی مہندی ہے لیہا۔''

''تمہیں کیسے پتہ؟''

''بس پتہ ہے۔'' شاہ ویز خان نے کندھے اچکائے۔

وہ جو اپنے کپڑے ہینگ کر رہی تھی اس سرگرمی کو ملتوی کر کے بیڈ پر بیٹھ گئی، اس کی رنگت ایکدم تاریک ہو گئی تھی، وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پیچھے دھکیل رہی تھی ایک سایہ سا اس کے چہرے سے لہرا کر گزر گیا۔

''تم نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا شاہ ویز خان، کیا تمہیں مجھ پر رحم نہیں آیا۔'' وہ ٹرانس کی کیفیت میں تھی، شاہ ویز خان جانتا تھا یہ خود کلامی تھی۔

''کیا تم نے اسے دیکھا، عاریش کیسی لگ رہی تھی، پاپا خوش ہیں؟ پلیز شاہ ویز مجھے بتاؤ۔'' وہ تڑپ کر اس کی طرف بڑھی، شاید پہلی بار وہ خود قدم بڑھا کر اس کی طرف آئی تھی۔

''نہیں میں نے اسے نہیں دیکھا۔'' شاہ ویز نے نارمل انداز میں کہا، اس کی ٹوٹ پھوٹ اسے بھی تکلیف میں مبتلا کر رہی تھی۔

''مجھے لے چلو شاہ ویز، میں ایک بار پھر پاپا سے معافی مانگ لوں گی، پلیز انکار مت کرنا، مجھے اپنی بہن کو اس روپ میں دیکھنا ہے۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''میں تمہیں نہیں لے جا سکتا، وہ تمہیں مار ڈالیں گے اور ہر بار میں انہیں تم پر ظلم کرتا دیکھ کر خاموش رہوں یہ ضروری نہیں۔''

''مجھے پرواہ نہیں، پلیز مجھ پر یہ احسان کر دو میں ساری زندگی تمہارا یہ احسان نہیں بھولوں گی۔'' وہ التجا کرتے کرتے سسک اٹھی تھی۔

''اوکے۔'' شاہ ویز نے کہا اور باہر نکل گیا، اسے خود نہیں معلوم تھا کہ وہاں جا کر کیا ہوگا مگر بہر حال اس نے لیہا شاہ کے سامنے اقرار کر لیا تھا۔

☆☆☆

''لیہا۔'' عمارہ شاہ جولان میں کھڑی تھیں لیہا شاہ کو دیکھ کر دم بخود رہ گئیں۔

''مما!'' وہ دوڑ کر ان کی طرف بڑھی مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ دو قدم اس سے دور ہو گئیں۔

''اب یہاں کیا کرنے آئی ہو، اپنے پاپا کو مزید اذیت دینے جو داغ وہ اپنے دامن سے دھونے کی کوشش کر رہیں اسے ایک بار پھر گرد آلود کرنے آئی ہو۔'' وہ رخ پھیر کر بولیں۔

''مما...... پاپا کدھر ہیں، ان کی نفرت نے مجھے کبھی سکون نہیں لینے دیا، مما مجھے اپنی آغوش میں لے لیں، یہ بھیانک خواب اپنی محبت سے میری زندگی سے نکال دیں، مجھے اس شخص کے ساتھ نہیں رہنا، مجھے اپنے گھر میں رہنا ہے اپنی مما اور پاپا کے ساتھ۔'' اس نے روتے ہوئے دہلیز پکڑ لی تھی۔

''ہمیں مزید تماشہ مت بناؤ لیہا، اب کی بار تم ان کے سامنے آئی تو وہ تمہیں مار ڈالیں گے

"ایہا، ان کی غیرت کو مت للکارو۔" عمارہ شاہ نجانے کیسے پتھر بنی ہوئی تھیں ورنہ بیٹی کی بے بسی ان کے سینے پر سانپ لوٹانے لگی تھی۔

"مما پلیز مجھے ایک بار عارلیش سے ملنے دیں میں اسے دولہن کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر التجا کی۔

"تمہیں کس نے اجازت دی اس دہلیز کو پار کرنے کی، کیوں آئی ہو تم یہاں۔" اتنے میں ریحان شاہ بھی آگئے تھے، ان کے ہمراہ عارلیش شاہ بھی تھی جو زرد اور سبز امتزاج کے سوٹ میں خود بھی سرسوں کا پھول لگ رہی تھی۔

"پاپا...... پلیز پاپا مجھے معاف کر دیں، میں نے کوئی گناہ نہیں کیا، آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ایک دن میں آپ سے جو مانگوں گی آپ مجھے دیں گے، پاپا اپنی معافی کی بھیک میرے دامن میں ڈال دیں۔" وہ ان کے قدموں سے لپٹ گئی تھی۔

"وہ وعدہ میں نے اپنی بیٹی سے کیا تھا مگر تم سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔" وہ بے لچک لہجے میں بولے۔

"تم ہماری عزت کی قاتل ہو، تم نے ہماری خاندانی اقدار کو پھلانگا ہے، تم نے میرے اعتماد کی دھجیاں بکھیر دیں، تم میری اولاد نہیں ہو، میری صرف ایک ہی بیٹی ہے عارلیش شاہ، میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔"

"پاپا ایسا مت کہیں میں صرف آپ کی بیا ہوں، پلیز عارلیش تم پاپا سے کہو مجھے معاف کر دیں، مجھے اپنے سینے سے لگالیں۔" وہ ویسے ہی ان کے قدموں سے لپٹی تھی، اس کی گلوگیر آواز سے پورا عالم کانپ اٹھا تھا، پتھروں کے سینے میں بھی اس کی آہ و بکا سے دراڑیں پڑنے لگی تھیں مگر نجانے کیسے وہ پتھر دل انسان تھے، عارلیش شاہ نے بغور اس دھول اڑاتی لڑکی کو دیکھا تھا، جو ریحان شاہ کے قدموں سے لپٹی تھی۔

"آخر میں نے تم سے سب چھین ہی لیا۔" نجانے وہ خود سے اعتراف کر رہی تھی یا اپنے عمل سے خود اپنے آپ سے بھی متنفر تھی۔

"اگر تمہیں میرا تھوڑا سا بھی خیال ہے اور چاہتی ہو تمہارا باپ کچھ دن اور گزار لے تو یہاں دوبارہ کبھی مت آنا ایہا۔" وہ تڑپ کر ان کے قدموں سے اٹھی تھی، ایک حیرت بھری نگاہ شاہ پیلس کی چمکتی دمکتی عمارت پر اور اس گھر کے نفوس پر ڈالی اور شاہ ویز خان کے ہمراہ گاڑی میں آ بیٹھی۔

صد شکر کہ شاہ پیلس مہمانوں کی موجودگی سے خالی تھا عارلیش شاہ کی مہندی اور بارات کا فنکشن رائل پیلس میں منعقد تھا، وہ جس خاموشی سے آئی تھی اسی خاموشی سے واپس چلی گئی۔

☆☆☆

"سمجھ نہیں آتا بات کہاں سے شروع کروں، ہزاروں باتیں اور راز ایسے ہیں جن کو بے نقاب کرنا ضروری ہے، میرا ضمیر مجھے ہر روز انصاف کے کٹہرے میں لاتا ہے اور ندامت کے گھاؤ دیتا ہے، میں نے جو چاہا وہ پالیا لیکن میرا قلبی اطمینان رخصت ہو گیا، میں نے اپنے حسد میں شاہ پیلس کو اجاڑ دیا۔"

"شاہ ویز علی خان آج اس حقیقت سے پردہ اٹھانا ضروری ہو گیا ہے، ایہا شاہ سچ کہہ رہی ہے وہ تمہیں کبھی جانتی ہی نہیں تھی، وہ واقعی ہی تمہارے ساتھ کسی تعلق کی خواہ نہیں تھی، اس نے ایک ایسے جرم کی سزا پائی جو اس نے کیا ہی نہیں، جو ذلت اس کے حصے میں آئی، وہ ناقابل برداشت ہے، وہ بہت معصوم، پاک اور خوبصورت شخصیت ہے، وہ میرے حسد کو کبھی سمجھ نہیں پائی اور

معصومیت کی بھینٹ چڑھ گئی۔"

"میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور ہے، اس کی معصوم آہ نے میرا بہت دور تک پیچھا کیا ہے، اپنی محبت "شازم فاروق" پالینے کے باوجود میں ناآسودہ اور غیر مطمئن ہوں، میں عارلیش شاہ، ایہا شاہ کی بہن اس کی خوشیوں کی قاتل، اس کی ذلت کا باعث ہوں۔"

آج کافی عرصے کے بعد اس نے اپنا میل بکس چیک کیا تھا اور اس طویل تحریر نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروالی اور اس کو پڑھتے ہی آسمان اس کے سر پر ٹوٹ پڑا تھا عارلیش نے بچپن سے لے کر اب تک ہر بات اس میل میں لکھ ڈالی تھی۔

وہ دوڑ کر اسٹڈی سے بیڈروم میں گیا، ایہا شاہ بے خبر سو رہی تھی، وہ چوبیس گھنٹے اس کی آنکھوں کے سامنے تھی اس نے اسے کمپیوٹر یوز کرتے نہیں دیکھا تھا یقیناً یہ میل سچ تھا شاہ ویز کا دماغ بھک سے اڑ گیا، وہ یقین نہیں کر سکتا تھا کہ ایک بہن نے دوسری بہن سے حسد میں اتنا سب کچھ کر دیا، مگر اس پورے معاملے میں اس نے بھی تو کم اذیت نہیں دی تھی اس مخلص سی لڑکی کو۔

سب سے بڑا ظلم تو اس نے ہی کیا تھا، وہ بھی اس کا مجرم تھا، گو کہ سب کچھ انجانے میں ہوا۔

"اوہ میرے خدا یہ مجھ سے کیا ہو گیا۔" اس نے سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا، وہ بیڈ پر بے سدھ سوئی ایہا شاہ کے پاس بیٹھ گیا، اس کے چہرے سے پھوٹتے نور کے سامنے اسے اپنا وجود بہت سیاہ لگ رہا تھا۔

"اے پیاری لڑکی کیا تم مجھے معاف کر سکو گی، کیا تم میرے گناہ پر درگزر کر سکو گی، کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا۔" اس کے مخروطی ہاتھ کو تھام کر اس نے اپنے ہونٹوں سے لگایا تھا اور وہ چھ فٹ کا مرد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

☆☆☆

"شاہ ویز کہاں ہے آنٹی؟" اس نے بظاہر بڑے لاپرواہ انداز میں پوچھا تھا، مگر تشویش نے جھانک کر سر نکالا تھا۔

وہ کئی دنوں سے لاپتہ تھا، شاہ ویز ہاؤس میں تو اس نے قدم بھی نہیں ڈالا تھا، ایہا شاہ کو شاید اس سے لڑتے جھگڑتے دن گزارنے کی عادت ہو گئی تھی تب ہی اس نے کچھ چونک کر پوچھا۔

"کیا وہ آفس گیا ہے؟" عندلیب خان کی خاموشی پر اس نے اگلا سوال کیا۔

"نہیں وہ آفس نہیں جاتا، آپ کے انکل ان سے ناراض ہیں اور ان کو اپنے آفس اور جائیداد سے بے دخل کر رکھا ہے انہوں نے۔"

"کیوں؟" اس کی آنکھیں حیرت سے مزید پھیل گئیں۔

"کیونکہ انہوں نے آپ کے ساتھ آپ کی مرضی کے خلاف زبردستی رشتہ قائم کیا ہے، اس لئے میری جان۔" اس کے حیرت بھرے اس خوبصورت انداز پر انہیں جی بھر کر پیار آیا تھا۔

"آپ مجھ سے خفا ہیں؟" کسی خوف کے پیش نظر اس نے دریافت کیا۔

"نہیں...... لیکن آپ کو ایسا کیوں لگا، میں تو آپ سے بالکل بھی خفا نہیں ہوں۔" انہوں نے بہت محبت سے اسے جواب دیا۔

"آنٹی میں نے کبھی نہیں چاہا کہ میری ذات کسی کے لئے تکلیف کا باعث بنے، یہ آپ کا بڑا پن ہے کہ آپ نے ایسا کیا لیکن میں چاہوں گی آپ یہ معاملہ ختم کر دیں۔" اس نے دلی خلوص سے کہا تھا۔

''آپ فکر مت کریں ایہا، بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا خدا سے بہتر کی امید رکھیں۔'' عندلیب خان نے اسے تسلی و تشفی سے بہلانا چاہا۔

جواباً وہ ڈائننگ چیئر چھوڑ کر اپنے کمرے کا رخ کر گئی، عندلیب خان کی متاسف نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

وہ تحیر سے آج بڑے دنوں بعد شاہ ویز خان کو دیکھ رہی تھی، یہ وہ شاہ ویز خان تو نہیں تھا جس کی پیشانی ہمہ وقت مغرور سی چمک سے روشن رہتی تھی، جس کے خدوخال لبوں پر قفل ہونے کے باوجود مسکراتے معلوم ہوتے تھے۔

متورم آنکھیں ملگجا حلیہ، بڑھی ہوئی شیو، آنکھوں میں دوڑتے سرخ ڈورے، چہرے پر رقم ندامت کی تحریر، جھکا سر، جھکی آنکھیں، وقت کی کون سی کج ادائی اس پر یہ نشان ثبت کر گئی، وہ اسے دیکھ رہی تھی مگر اس کی حالت کی وجہ نہیں پوچھ پائی تھی۔

''مجھے سزا دو ایہا، مجھے اس کرب کی سزا دو جو میں نے تمہارے حصے میں لکھ دیا۔'' وہ چھ فٹ کا مضبوط مرد اس نازک سی لڑکی کے سامنے سسک رہا تھا، ندامت کا بوجھ اس کے وجود کو جھکائے دے رہا تھا، ضمیر کا لعن طعن نے سکون سے رشتہ توڑ دیا تھا، کسی لڑکی کو برباد کرنے کا ظلم اسے زیست کے لمحوں پر بوجھ لگ رہا تھا۔

''تم بے قصور ہو، مجھے تمام حقیقت کا پتہ چل گیا ہے۔'' ایہا شاہ کے کندھوں سے بہت بڑا بوجھ اترا تھا، اس نے کھل کر سانس لیا تھا، کب سے سینے میں اٹکی سانس جیسے آزاد ہو گئی تھی۔

''میں نے تم سے کہا تھا میرا کوئی دوش نہیں مگر تم نہیں مانے۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان بولی تھی۔

''میں مان گیا ہوں، میں بہت نادم ہوں۔'' آنسو پینے کی کوشش اس کی آواز بھاری ہو چلی تھی اور گلا رندھ گیا تھا۔

''کیا تمہاری یہ ندامت مجھے میرا نسوانی وقار لوٹا سکتا ہے، مجھے وہ ذلت بھلانے میں مدد کر سکتا ہے جو میرے پیاروں کے سامنے میرے ساتھ ہوئی، تمہارے ایک غلط فعل نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا، اب کیا کروں میں تمہاری شرمندگی کا، کیسے کھرچ دوں یہ تذلیل اپنے زیست کے لمحوں سے بتاؤ مجھے جواب دو، تم نے مجھے برباد کر دیا شاہ ویز خان، میرے سینے میں خنجر گھونپ کر اب چاہتے ہو خون بھی نہ بہے اور تکلیف بھی نہ ہو، کیوں مجھے بھیڑ بکریوں کی طرح داغا جا رہا ہے، میں انسان ہوں، میری بھی ہمت و حوصلے کی ایک حد ہے، میرے اعصاب تھک گئے، مجھ سے اب اور نفرت برداشت نہیں ہوتی۔'' آخر میں وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں ایہا شاہ، جو میں نے تم سے چھینا ہے میں تمہیں وہ مقام عزت اور وقار ضرور لوٹاؤں گا، میں تم سے معافی طلب نہیں کر رہا، کیوں کہ میں جانتا ہوں جو دکھ میں نے تمہیں دیا ہے، اس کے آگے معافی جیسا لفظ بہت چھوٹا ہے، تم مجھے جو بھی سزا دو گی مجھے قبول ہو گی۔'' وہ اس کی نفرت برداشت کرنے کے لئے خود کو تیار کر رہا تھا۔

''مجھے تم سے نفرت بھی نہیں ہے شاہ ویز خان، کیونکہ یہ بھی تو ایک جذبہ ہی ہے، میں تمہیں اپنی نفرت کے بھی قابل نہیں سمجھتی۔'' اس نے ناگواری سے رخ موڑا، وہ خاموشی سے واپس مڑ گیا، جس سے شدید محبت کی جائے اس سے لاتعلقی قیامت بن کر برستی ہے، شاہ ویز خان کے

دل و دماغ میں بھی اذیت کا راج تھا جس کے ساتھ اسے زندگی بھر جینا تھا۔

☆☆☆

شاہ ویز خان نے شاہ پیلس کی دہلیز پکڑ لی تھی، اس نے سارا قصور اپنے سر لے کر اس کی بے گناہی ثابت کرنی چاہی تھی، اپنا تمام زعم، غرور اور بے نیازی بھلا کر وہ اب صرف اس لڑکی کے حق میں لڑ رہا تھا، اس نے ریحان شاہ کے قدموں کو پکڑ کر التجاء کی تھی وہ ایہا شاہ کو معاف کر دیں، مگر نجانے کیوں وہ اس کے الفاظ پر یقین کرنے کو تیار نہ تھے۔

اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا جاتا تھا مگر وہ ہمت نہیں ہارتا، وہ ہر روز ایک نئی امید کا جگنو ہتھیلی پر سجا کر اس لڑکی کی خوشیوں کا سودا کرنے جاتا مگر مایوس ہی پلٹ آتا، شاید قدرت ابھی اس پر مہربان نہ تھی۔

☆☆☆

وہ حواس باختہ سی گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔

''بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے، تم مجھے اتنی عجلت میں کہاں لے جا رہے ہو۔'' کسی انہونی کے احساس سے اس کا وجود لرز اٹھا تھا۔

''ایہا شاہ پلیز کام ڈاؤن، ایوری تھنگ از آل رائٹ۔'' جب گاڑی شہر ایک پرائیویٹ اسپتال کے سامنے آئی تو اس کے قدموں تلے زمین سرک گئی۔

''چلو اندر۔'' شاہ ویز نے فرنٹ ڈور کھول کر اسے پکارا، مگر وہ خوف کی شدت سے سفید پڑ گئی تھی۔

''مجھے نہیں جانا اندر، اب مجھ میں اور دکھ سہنے کی ہمت نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ کوئی انہونی کر دی تو...... تو میں...... سب کچھ تباہ کر دوں گی، اسے اب مجھے اس ڈراؤنی حقیقت سے آزاد کرنا ہو گا، اسے مجھ پر رحم کرنا ہو گا، میرے نصیب کی تاریکی کو اجالے سے دھونا ہو گا۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''ناامیدی کی باتیں مت کرو، خدا بہت مہربان ہے ایہا اس سے رحم کی امید کرو تو وہ رحم کرتا ہے، خدا سے اچھا گمان رکھو۔'' شاہ ویز خان نے اسے ڈھارس بندھائی اور ہاتھ بڑھا کر اسے سہارا دیا اور وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا، آئی سی یو میں تشویشناک حالت میں ریحان شاہ لیٹے تھے۔

''تم نے دیکھا ایک اور امتحان میرا منتظر ہے، میرے پاپا کو اٹھاؤ، پلیز شاہ ویز، انہیں یہاں سے نکالو۔'' وہ صبر کھو چکی تھی وہ بری طرح بلبلا اٹھی تھی، اتنے میں عمارہ شاہ نے اسے بازوؤں میں بھینچا تھا۔

''ایہا میری بچی...... میری بیا۔'' وہ دیوانہ وار اسے چوم رہی تھیں اور ان کے محبت کے اس اظہار پر وہ دم بخود رہ گئی اور پھر اس نے مزید کچھ سوچنے کی کوشش نہیں کی، بس ممتا کی آغوش میں سما گئی، بیتے دنوں کی آہوں کو ان کے وجود کی گرمی سے پگھلانے لگی۔

''میں جانتی تھی بیا...... میری جان بے قصور ہے، ماں کا دل جانتا تھا، مگر پھر بھی حالات کے دھارے پر خود کو چھوڑ دیا، مجھے معاف کر دو بیا۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''پلیز مما، ایسی باتیں کر کے ہمارے رشتے کی بے تکلفی اور احترام کم مت کیجئے، جو ہوا میں تو اسے آپ کے آنچل میں سمٹتے ہی بھول گئی ہوں، آپ نے اپنی بیا کو اپنا لیا، اس کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی دوسری حقیقت نہیں۔'' اس نے تڑپ کر انہیں جواب دیا۔

ریحان شاہ اسٹڈی میں اپنے دل سے راز و نیاز میں مگن تھے دنیا کے سامنے جتنے بھی سنگی بنتے، آخر ایک باپ کا دل بھی سینے میں دھڑکتا تھا، جو اصولوں سے بغاوت کرتا تھا اور روزانہ لیہا شاہ کی معصوم صورت ان کی آنکھوں میں بھر دیتا تھا، ہر رات چپکے چپکے اس کی یادوں سے دامن بھگو کر خود کو اگلے دن کے مصائب برداشت کرنے کے قابل بناتے تھے، کل رات بھی وہ اپنی اسی کار گزاری میں محو تھے جب عاریش شاہ کی بے وقت آمد نے انہیں چونکا دیا۔

ان سے وہاں بیٹھنے کی اجازت طلب کرنے کے بعد جس حقیقت سے اس نے انہیں روشناس کروایا تھا، وہ ناقابل بیان تھی، وہ بس ٹکر ٹکر اس کی روتی شکل دیکھتے رہے پھر اچانک ان کے سینے میں جان لیوا درد اٹھا تھا اور تکلیف کے احساس سے وہ دوہرے ہو گئے تھے۔

ان کی بگڑتی حالت کے پیش نظر عاریش شاہ کے حواس جھنجنا اٹھے تھے وہ دوڑ کر عمارہ شاہ کو بلا لائی اور وہ فوراً انہیں ہاسپٹل لے آئی تھیں، انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا، ہوش میں آتے ہی انہوں نے لیہا شاہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

ان کی اس خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے شاہ ویز خان اسے ہاسپٹل لایا تھا، جہاں عمارہ شاہ نے اسے تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔

چوبیس گھنٹے آئی سی یو میں رہنے کے بعد انہیں روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا اور ہوش میں آتے ہی انہوں نے لیہا کو اپنے پاس بلایا تھا، شاہ ویز خان اسے چھوڑ کر جا چکا تھا وہ دوڑ کر ان کے سینے سے لگ گئی۔

''پاپا کچھ مت کہیے گا، میں آپ کے چہرے پر ندامت کے سائے برداشت نہیں کر سکتی، ہمارا رشتہ اس دنیا کا سب سے خوبصورت اور استحقاق رکھنے والا ہے، جو کچھ ہوا وہ حالات کی گردش تھا پاپا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیا ہمیشہ خوش رہے تو پلیز گزشتہ یادوں سے دامن چھڑا لیں۔'' ان کی تشویشناک حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے انہیں کچھ بھی بولنے سے منع کر دیا تھا، لیہا شاہ کی پیشانی کو چوم کر انہوں نے دوبارہ اسے بانہوں میں بھر لیا، بعض اوقات خاموشی وہ الفاظ ادا کر جاتی ہے جو ہم زبان سے ادا نہیں کر سکتے اور ان کی دوریوں کے لمحات کے بھید خاموشی سے ہی تو چرائے تھے۔

☆☆☆

''میں زندہ نہیں رہنا چاہتی بیا، نجانے کیسے انسانیت کے درجے سے گر کر میں نے یہ عمل کر دیا، مجھے اپنا آپ بہت چھوٹا لگتا ہے مما، پاپا نے تو ہمیشہ ہمیں ایک جیسا پیار دیا ہے پھر نجانے یہ تنہائی اور حاسدانہ سوچ کیسے میرے اندر پنجے گاڑ گئی، میں بہت شرمندہ ہوں بیا۔'' عاریش شاہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ سما جائے۔

''یہ تو نصیب کی بات ہے عاریش، تم خود کو قصوروار مت ٹھہراؤ، شاید میرے ساتھ یہی ہونا تھا، اس طریقے سے نہ ہوتا تو کسی اور طریقے سے ہو جاتا، تم سے نفرت کر کے مجھے کیا ملے گا، شاہ پیلس کے در و دیوار میں جو ادھورا پن اتر آیا ہے، بسیرا کر جائے گا ہمیشہ کے لئے، میں نے بہت کوشش کی عاریش کہ میں تم سے منفی رویہ اختیار کر سکوں مگر میں چاہ کر بھی ایسا نہیں کر پائی، میرے دل میں تمہارے لئے کوئی میل نہیں، پھر بھی میرے کہہ دینے سے تمہاری تسلی ہوتی ہے تو عاریش، میری جان میں نے تمہیں معاف کیا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بہت عام سے انداز میں کہا جواباً وہ اس کی بانہوں میں بکھر گئی، ایک دائرہ جو چاروں طرف احاطہ کیے بیٹھا تھا، لیہا شاہ کے

وجود میں برچھی لگی تھی مگر وہ ضبط کر گئی تھی، اس کا جرم اتنا چھوٹا تو نہیں تھا کہ اتنی آسانی سے معاف کر دیا جاتا، مگر اسے ریحان شاہ کا خیال تھا، اسے عمارہ شاہ کا خیال تھا، وہ خود تکلیف کے درد سے آگاہ تھی تو پھر کسی اور کے حصے میں یہ بے چینی کیسے دے دیتی، زندگی کے ان حسین لمحات سے وہ ماضی کا درد بھول جانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

''آپ نے کیا سوچا ہے شاہ ویز کے بارے میں۔'' ریحان شاہ نے لیہا سے پوچھا۔ وہ ہسپتال سے سیدھی اپنے باپ کے گھر آئی تھی اور دوبارہ سے اپنی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

''سوچنا کیا ہے؟'' اس نے بک بند کی اور نظریں جھکا کر بولی۔

''وہ آپ کے فیصلے کا منتظر ہے۔'' ریحان شاہ کی سوالیہ نظریں اضطراب سے بھری بیٹھی لیہا شاہ پر تھیں۔

''تو پھر وہ انتظار کرے۔'' اس نے بے زاری سے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

''تمہاری غلطی کا ایک پس منظر ہے، ایک غلط فہمی سے یہ بات شروع ہوئی تب اس صورت حال کا جو مناسب حل لگا تم نے کیا، تمہیں غلط گائیڈ کیا گیا، اگر اس نے سب کو معاف کر دیا ہے تمہیں اسے کچھ نہ کچھ فیصلہ سنانا چاہیے۔'' وہ اس بجھے بجھے شخص کی دلجوئی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اس کی خاموشی بہت تکلیف دیتی ہے ارحم ایک طویل تکلیف اور درد کا عندیہ سناتی ہے۔'' ایک پھیکی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔

''لیکن تمہیں اس طرح چپ چاپ انتظار نہیں کرنا چاہیے، مثبت یا منفی کسی بھی طرح کے رویے کی وضاحت اسے کرنی ہو گی۔'' وہ حقیقتاً سوگوار تھا۔

''میں کیسے جاؤں اس کے سامنے، گزشتہ تمام واقعات میرے دل و دماغ پر نقش ہو گئے ہیں۔'' اس نے بے بسی سے سر ہاتھوں پر گرایا۔

''وہ سب کی نظروں میں سرخرو ہو گئی ہے، انکل نے تمہیں واپس بلا لیا ہے، میرے خیال میں اگر تم لیہا سے اس طرح سے کسی پیش رفت کے منتظر ہو تو امید رکھنا اچھی بات ہے مگر یوں اپنے اسٹیٹس کو نظر انداز مت کرو، آفس کی طرف توجہ دو۔'' ارحم نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

''ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' شاہ ویز خان نے کہا اور تیار ہونے کی غرض سے واش روم گھس گیا۔

''اور پلیز اپنے حلیے کو درست کر کے آنا ورنہ تیری حالت کا راز تیرا پورا اسٹاف جان جائے گا۔'' آخر میں ارحم نے زور سے ہانک لگائی اور ماحول پر چھایا بوجھل پن کم کرنا چاہا۔

☆☆☆

''وہ آپ سے نہیں ملنا چاہتی۔'' عمارہ شاہ نے کسی قدر شرمندگی سے کہا اور لاؤنج میں سجے صوفوں میں سے سنگل پر براجمان ہو گئیں۔

''اگر آپ کو برا نہ لگے تو کیا میں خود اس سے مل سکتی ہوں۔'' عندلیب خان نے اجازت طلب کی، عمارہ شاہ نے ریحان شاہ کی طرف سوالیہ نگاہیں مرکوز کی تھیں، انہوں نے نجانے کیا سوچ کر مثبت جواب دیا تھا۔

''لیکن آپ اس پر کسی قسم کا دباؤ مت ڈالیے گا، ہم اب اس کے فیصلے کے برخلاف کوئی ردعمل ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔'' ریحان شاہ نے شائستگی سے کہا۔

"آپ فکر مت کریں ریحان بھائی، ہم اس پر کوئی زور زبردستی نہیں کریں گے۔" شیراز خان نے فوراً عندلیب کی مدد کی تھی۔

اور پھر عمارہ شاہ کی رہنمائی میں وہ اس کے کمرے تک چلی آئیں، انہیں دروازے کے سامنے پہنچا کر عمارہ شاہ واپس مڑ گئیں اور عندلیب نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

تمام حالات سلجھ چکے تھے اور سب کچھ واپس اپنے معمول پر رواں دواں ہو گیا تو شیراز خان اور عندلیب اپنی بہو کا فیصلہ جاننا چاہتے تھے۔

جو بھی ہوا شاہ ویز کی چاہتوں سے وہ دونوں باخبر تھے، وہ اس کے دل کے والہانہ جذبے سے واقف تھے، اب وہ کس طرح ضبط کے مراحل طے کر رہا تھا وہ بخوبی سمجھ سکتے تھے، لیہا شاہ کی کمی نے اس کی ذات کو کس قدر متاثر کیا تھا کوئی بھی پہلی نظر دیکھتے ہی سمجھ سکتا تھا، تبھی تو وہ شاہ پیلس چلے آئے تھے۔

شاہ پیلس کے مکینوں نے ان کا پرتپاک استقبال کیا تھا، مگر لیہا شاہ نے ان سے ملنے سے معذوری ظاہر کر دی تھی تب ہی عندلیب کو خود اس کے دروازے تک آنا پڑا تھا۔

ہلکی سی دستک پر لیہا شاہ نے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا اور عندلیب کو سامنے پا کر ششدر رہ گئی۔

"آپ......" وہ زیر لب بڑبڑائی، اسے امید نہیں تھی وہ خود چلی آئیں گی، ندامت کے احساس سے وہ چور سی ہو گئی۔

"تم اپنے رویے پر حق بجانب ہو، مگر میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"جی۔" اس نے اجازت دی اور بیٹھنے کے لئے بیڈ پر جگہ بنائی۔

"لیہا بیٹا! شادی دو خاندانوں کے ملن کا نام ہے اور سب سے نازک ڈور سے بندھا رشتہ ہے، آپ کے گھر والے کس طرح مانے ہم نہیں جانتے، شاہ ویز نے کہا ہے کہ حقیقت بھی بتائے گا تو ایک بار پھر تمہیں تکلیف ہو گی لہٰذا ہم خاموش ہیں، وقت حالات یا انسان جو بھی قصوروار ہے لیکن بہرحال اب آپ شاہ ویز کی قانونی اور شرعی طور پر بیوی ہیں، وہ آپ سے کسی قسم کی زور زبردستی نہیں چاہتا اور آپ کے فیصلے کا منتظر ہے، اگر آپ اس سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتی ہو تو بھی ہم تینوں نفوس آپ کے فیصلے کا احترام کریں گے اور شاہ ویز کے بارے میں غلط مت سوچئے گا، اس نے ہمیں نہیں بھیجا، ان فیکٹ اسے تو معلوم ہی نہیں کہ ہم یہاں ہیں۔" انہوں نے لمحہ بھر توقف کیا شاید وہ سانس لینا چاہتی تھیں۔

"لیہا آپ ایک بات جان لیں میرا بیٹا آپ کے بغیر بہت تنہا ہے، اس کی آنکھوں کی اداسی میں، میں نے آپ کی تصویر دیکھی ہے، اس نے اپنے دل کی تمام شدتوں سے آپ کو چاہا ہے مگر وقت نے کبھی اظہار کا موقع نہیں دیا، آپ جو بھی فیصلہ کریں اس کے نتائج کو ایک بار ضرور سوچ لیجئے گا، اس میں نقصان کس کا ہے، انجانے میں ایک بار پھر خسارے کا سودا مت کر لیجئے گا۔" رندھے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے وہ آخر رو پڑیں وہ خود کشمکش کا شکار تھی تو انہیں کیا جواب دیتی۔

"اور ہاں کل ہم نے آپ کی فیملی کو ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے، ضرور آنا، فکر مت کرو شاہ ویز آج کل لندن گیا ہوا ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو جواباً وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

☆☆☆

"لیہا تم اپنے والدین کو لاؤنج میں لے کر

چلو میں ذرا گاڑی پارک کروا دوں۔" اگلے دن ریحان شاہ اور عمارہ شاہ کے بے حد اصرار پر وہ ان کے ہمراہ شاہ ویز ہاؤس آگئی تھی اور وہ مطمئن تھی کیونکہ شاہ ویز خان گھر پر نہیں تھا۔

"چلیں مما۔" وہ ان کی رہنمائی کرنے لگی عندلیب نے یہ جان بوجھ کر کیا تھا۔

"کیا ہوا ہے آپ کچھ اپ سیٹ لگ رہی ہیں۔" انہیں سست سا دیکھ کر عمارہ شاہ نے استفسار کیا۔

"بس رات کو ان کا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا تھا تو طبیعت کچھ خراب ہے۔" جواب شیراز خان نے دیا تھا جو ان کی آمد پر بے حد خوش تھے۔

"آپ رہنے دیں میں دیکھ لیتی ہوں۔" انہیں مختلف لوازمات اٹھا اٹھا کر ٹیبل پر رکھتے دیکھ کر بالآخر اس نے کہہ ہی دیا۔

"اوکے بیٹا۔" عندلیب نے خوشدلی سے اجازت دی۔

"آنٹی خانسامہ کہاں ہے؟" کچن کو خالی پا کر اس نے پوچھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ برسوں سے یہیں رہتی ہو۔

"بیٹا وہ دو دن کی چھٹی پر ہے۔" کھانا باہر سے تیار کروایا ہے۔

اس نے کھانے سے فراغت کے بعد برتن سمیٹے اور ملازمہ کو کچن صاف کرنے کی ہدایت دے کر خود لاؤنج میں چلی آئی جہاں تمام جملہ افراد خوش گپیوں میں مگن تھے۔

"میں نے اوپر کے روم کی انٹریئر ڈیزائننگ دوبارہ کروائی ہے، تم دیکھنا چاہو گی؟" عندلیب نے کہا۔

"نہیں بس ٹھیک ہے۔" وہ جھجک گئی۔

"دیکھ لو بیٹا، آپ کی آنٹی اتنے پیار سے کہہ رہی ہیں۔" ریحان شاہ نے سرزنش کی تو وہ ناچار اٹھ کر اوپر چلی آئی، چند لمحے اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد وہ شاہ ویز خان کے کمرے کی طرف چلی آئی، دروازہ بند تھا، نجانے کیوں اس کے قدم وہیں تھم سے گئے تھے۔

اس نے اضطراری انداز میں دروازہ کھولا اور قدم بڑھا دیئے کمرے میں گھپ اندھیرا تھا، اسے عجیب سی گھبراہٹ کا احساس ہوا تھا، لیہا شاہ نے بڑھ کر لائٹ آن کی، تمام کمرہ روشنی سے بھر گیا۔

ہر چیز بالکل ویسے ہی تھی جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی حتیٰ کہ بے حد قیمتی والز میں لگے سفید پھول بھی وہی تھے جو اب اپنی رنگت اور تازگی کھو چکے تھے۔

اچانک اس کی نظر بیڈ پر اوندھے لیٹے شاہ ویز خان پر پڑی تھی۔

"ایک اور دھوکہ۔" شدید غصے کی لہر اس کے وجود سے سرائیت کر گئی۔

"مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہئے تھا۔" اس نے کلس کر سوچا، مگر اسے یوں بے سدھ پڑے دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا، جو روشنی کی وجہ سے ہوئی تبدیلی پر بھی مزاحمت نہیں کر رہا تھا، اس نے آگے بڑھ کر اس پر سے کمبل کھینچا تھا، وہ ہلکا سا کسمسا کر سیدھا ہوا۔

"یہ کیا حرکت ہے ارحم۔" وہ کراہ کر بولا تھا ساتھ ہی آنکھیں بھی کھولی تھیں۔

"تم؟" اسے دیکھتے ہی وہ برق رفتاری سے اٹھ بیٹھا تھا۔

"تم نے پھر مجھے یہاں دھوکے سے بلوایا ہے دھوکے باز ہو تم۔" وہ تنفر سے سر جھٹکتی غصے سے کمرے سے باہر نکلنے والی تھی جب اس نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

"یہ سب کیا ہے ہٹو میرے راستے سے۔"

”میں تمہیں رکنے کے لئے نہیں کہہ رہا لیکن پلیز دو منٹ اس کمرے میں میرے ساتھ بیٹھ جاؤ، شاید میرے ترستے دل کو سکون مل جائے اور تم یہاں کیسے ہو یہ بات میں خود نہیں جانتا۔“ آنکھوں میں بولتی بے بسی اس کے لہجے میں کہیں زیادہ اہم تھی اور نجانے کیوں وہ مان گئی تھی۔

”کیا میں تمہارا نام لے سکتا ہوں۔“ شاہ ویز خان نے بڑی معصومیت سے پوچھا تھا اور ایہا شاہ جھنجلا اٹھی تھی۔

”اے پیاری لڑکی یہ شخص جو ہارا ہورا ہے جس نے بے چینیاں اپنے دل میں سمو لی ہیں یہ شخص آپ سے بے حد پیار کرتا ہے، اس نے آپ کے والد کے قدموں میں گر کر آپ کے بے گناہی کا اعتراف کیا ہے، یہ شخص ساری زندگی آپ کی یاد میں تڑپنے کے لئے تیار ہے، جیسا آپ نے کہا تھا بالکل ویسے ہی ہو رہا ہے وہ بے چین ہے، وہ نادم ہے، وہ خطاوار ہے۔“ وہ بہت احترام سے اسے اپنے دل کی حالت بتا رہا تھا، شاہ ویز خان اسے پہلے سے بے حد کمزور نظر آ رہا تھا، اس کی ہمہ وقت مسکراتی آنکھوں کے دیپ بہت مدہم دکھائی دے رہے تھے، اس کی شکست کے اثرات اس کے خوبصورت خدوخال میں گھر کر گئے تھے، اس کی حالت کی حقیقت اس سے سوا کیا تھی کہ وہ شخص سچ کہہ رہا تھا۔

”میں واپس آنے کے لئے نہیں کہوں گا، مگر مجھے آپ کی ضرورت ہے۔“ اس کی آنکھوں میں آس تھی۔

”آپ کو مجھ سے نہیں اس لڑکی سے محبت ہے جس سے آپ نے پہلی بار فون پر بات کی جس سے نو ماہ آپ کا تعلق رہا، میں تو بس ایسے ہی بیچ میں آ گئی، یہ دوسرا رشتہ میں نہیں برقرار رکھ سکتی۔“ اس کی سنہری آنکھیں موٹے موٹے آنسوؤں سے بھر گئیں تھیں۔

”نہیں یہ سچ نہیں ہے، مجھے نہیں معلوم کہ کی بورڈ پر کس لڑکی کی انگلیاں میرے لئے جواب لکھتی تھیں، مجھے نہیں معلوم کہ کس لڑکی کی آواز پہلی بار میرے کانوں نے سنی، مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ میرا روح کا رشتہ ہے، اس لڑکی کے ساتھ جس کا نام ایہا شاہ ہے، جس کی تصویر میرے دل میں ہے، جس کی پسند ناپسند اور عادت سب سے مختلف ہیں، میں اقرار کرتا ہوں میں نے صرف آپ سے پیار کیا ہے صرف آپ سے۔“ وہ تڑپ کر اس کے شکوک و شبہات کی وضاحت کر رہا تھا اس نے بے چینی سے اس کے ہاتھ تھامے تھے اور ایہا شاہ اچھل کر رہ گئی، اسے بے حد تیز بخار تھا اس کے آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔

”آپ کو بخار ہے۔“ اس نے الجھ کر پوچھا۔

”ہاں شاید۔“

”یہ شاید کیا ہوتا ہے، واقعی ٹمپریچر ہے۔“ وہ لمحوں میں پریشان ہو اٹھی۔

”کاش میں آپ کو روک پاتا۔“ اس نے بڑی آس سے خواہش کی تھی۔

”آپ مجھے روکیں گے نہیں تو میں رکوں گی کیسے۔“ اس کے دل نے لمحوں میں فیصلہ کیا تھا۔

”مطلب...... یعنی کہ تم...... اوہ مائی گاڈ تھینک سو مچ ایہا۔“

”جن لوگوں سے میں پیار کرتی ہوں وہ مجھے بیا کہتے ہیں۔“

”مجھے معلوم ہے۔“ وہ شرارت سے مسکرایا۔

”آں، کیسے؟“ وہ حیران ہوئی۔

”عاریش نے بتایا تھا۔“ وہ سر کھجا کر بولا۔

وہ اس وقت یہ ذکر کرنا نہیں چاہتا تھا مگر پھر بھی وہ ان کے بیچ آ گئی تھی، ایہا شاہ نے رخ موڑ لیا تھا۔

”تم صرف میری بیا ہو، صرف یہ بات یاد رکھو باقی سب کچھ بھول جاؤ، تم نے مجھے معاف کر دیا ہے نا۔“ اس کے ہاتھ تھام کر وہ مشکوک سا بولا، جواباً وہ چند لمحے اس کے دلکش خدوخال دیکھتی رہی اور پھر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”یہ ٹاپک اب ہمارے بیچ کبھی نہیں آئے گا۔“ اس نے نرمی سے کہا اور اتنے خوبصورت جواب پر وہ نہال ہو اٹھا تھا، فوراً بازوؤں کے گھیرے میں لے کر اسے اپنی وفاؤں کا یقین دلایا تھا۔

”میں تم سے وعدہ کرتا ہوں بیا، آئندہ تمہیں کبھی دکھ نہیں دوں گا، تمہارے یقین کو کبھی نہیں توڑ دوں گا، تم بہت عظیم لڑکی ہو جو تم نے سب گناہ معاف کر دیئے۔“ اس کا چہرہ اپنے سامنے لاتے ہوئے اس نے ایک جذب سے کہا۔

”اگر میں کسی کو معاف نہ کرتی تو بھی اس نفرت کی آگ میں مجھے ہی جلنا تھا شاہ ویز، عاریش نے جو کیا وہ اس کا فعل تھا اس سے تعلق توڑ کر میں اس کی ذات سے کہیں زیادہ اپنے والدین اور اپنی ذات کو نقصان پہنچاتی، بہت دن ہم نے دوریوں میں گزار دیئے کدورتوں اور کثافتوں میں گزار دیئے میں مزید اپنوں سے دور نہیں رہ سکتی تھی۔

شاید آج پہلی بار اس نے کھل کر شاہ ویز خان کے سامنے اپنے جذبوں کا اظہار کیا تھا۔

”وہ سب آ چکے ہیں مادام، تو یہ انسان؟“ اس نے شرارت سے اس کی لٹ کھینچی۔

”یہ بھی تو میرا ہے۔“

اس نے برجستہ جواب دیا تو شاہ ویز خان نے بے ساختہ اس کے بالوں کو اپنے لبوں سے چھوا تھا، وہ اس کی بے پناہ قربت پر بری طرح پزل ہوئی تھی۔

”آپ بہت خراب ہیں، بچوں کا طرح کرتے ہیں، تھوڑے سے دن میں پاس نہیں تھی اور کتنے ویک ہو گئے ہیں اور طبیعت بھی خراب کر لی۔“ وہ سچ مچ بیویوں کی طرح لڑ رہی تھی۔

”اب تم آ گئی ہو نا تو میرا خیال رکھا کرنا۔“

”اب یہ کام بھی میں کروں۔“

”نہیں تم بس میرے پاس رہنا باقی کام میں خود کر دوں گا۔“ وہ معصومیت سے بولا۔

”بہت غلط ہیں آپ۔“ وہ جھینپ کر مسکرائی اور اس کے ہمراہ لاؤنج میں آ گئی، باقی تمام افراد کو بھی تو یہ خوبصورت تبدیلی اور خوشخبری سنانا تھی، ایہا شاہ بے حد خوش تھی۔

محبت سچی ہو تو اسے منزل ضرور ملتی ہیں اور محبتیں تو اپنی جگہ خود بنا لیتی ہیں، شاہ ویز خان کی محبت کو بھی ایہا شاہ نے اپنے دل میں پایا، جب اس نے اپنے من کو ٹٹول کر دیکھا تو وہاں اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

جب قدرت نے اس کا جوڑ شاہ ویز خان کے ساتھ بتایا تھا تو پھر وہ کیسے اس رشتے کو توڑ لی اور اس نے جب سب کو معاف کر دیا تھا تو پھر اس شخص کو کیسے سزا دیتی جس کا وجود خود اس کے دل کا چین تھا، ہے نا محبت بھرا بھید۔

☆☆☆

مبشرہ انصاری

ٹک ٹک کرتی گھڑی صبح کے دس بجا رہی تھی اور وہ تھی کہ نیم تاریک کمرے میں دنیا جہاں سے بے خبر گہری پرسکون نیند سو رہی تھی۔

''احساس! اٹھ جاؤ، صبح کے دس بجے چکے ہیں۔'' مریم نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر لائٹ آن کر دی تھی اور ساتھ ہی سامنے بیڈ پر بے خبر سوئی احساس کو آواز لگائی تھی۔

''کیا یار! آج سنڈے ہے۔'' مریم کی آواز پر وہ کسمسا کر نیند سے بوجھل آواز میں بولی اور کروٹ بدل گئی، تبھی وارڈ روب کا رخ کرتی مریم پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے بھوئیں اچکا کر بولی۔

''سنڈے ہے تو کیا آج سارا دن سوتی رہو گی؟'' وہ یونہی کھڑی کچھ دیر تک اسے گھورتی رہی اور پھر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے وارڈ روب میں سے اپنے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گئی، تھوڑی دیر بعد احساس کے سرہانے

ناولٹ

بڑے موبائل نے بجنا شروع کیا تو نیند سے بوجھل آنکھوں کو بمشکل کھولتے ہوئے اس نے موبائل سکرین پر بلنک کرتے عباد کے نام کو دیکھا اور پھر منہ چڑا کر کال ریسو کرتے ہوئے بوجھل آواز میں بولی۔

''ہوں؟''

''میڈم ابھی تک سو رہی ہیں؟'' ایئر سپیکر میں سے آواز گونجی تو وہ ایک بار پھر سے آنکھیں موند کر اسی انداز میں بولی۔

''ہاں۔''

''لگتا ہے آج گھوڑے گدھے سب بیچ دیئے تم نے۔''

''عبادا میں رات کافی لیٹ سوئی تھی، ابھی مجھے زوروں کی نیند آ رہی ہے، میں تم سے بعد میں

بات کرتی ہوں۔"

"لیکن مجھے تم سے ابھی بات کرنی ہے۔" وہ ایک دم چڑتے ہوئے اکھڑے لہجے میں بولی تھی۔

"کیا کہنا ہے جلدی کہو۔" وہ اس کے اکھڑے لہجے سے ایک دم بجھ سا گیا تھا۔

"کچھ نہیں، ہم بعد میں بات کرلیں گے، تم سو جاؤ۔"

"عبادا!"

"ہوں؟"

"کہو کیا کہنا ہے۔" اس بار اس نے کافی دھیمے لہجے میں پوچھا تو کچھ دیر کچھ خاموشی کے بعد وہ بھی دھیمے سے گویا ہوا۔

"آج 28 فروری ہے۔"

"تو؟"

"آج میری برتھ ڈے ہے اور تم نے مجھے ابھی تک وش نہیں کیا۔"

"اوہ...... I am sorry عبادا! Many many happy returns of the day۔" آنکھیں میچتے ہوئے وہ دماغ پر زور ڈال کر بولی تھی۔

"28 فروری، آج ڈیٹ، کچھ اہم کام تھا، پر مجھے یاد نہیں آ رہا کہ کیا کرنا تھا آج کی ڈیٹ مجھے۔"

"آج کی ڈیٹ میں تمہیں مجھے وش کرنا تھا جو تم نے نہیں کیا، میرے یاد دلانے پر کیا۔" وہ ابھی بھی دماغ پر زور ڈال کر کچھ سوچنے کی کوشش کر رہی تھی، چند ثانیے بعد جیسے ہی اسے یاد آیا، وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے لب بھینچ کر بولی۔

"Oh my GOD آج 28 فروری ہے Shit۔"

"کیا ہوا؟"

"عبادا! میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں، مجھے ابھی بہت ضروری کام سے کہیں جانا ہے۔"

"احساس!" اس سے پہلے کہ وہ آگے کچھ بھی بولتا، احساس نے جلدی سے کال ڈسکنیکٹ کرتے ہی گھڑی پر نظریں دوڑاتے ہوئے قدم بیڈ سے نیچے رکھے اور وارڈ روب کی جانب قدم بڑھا دیئے، کپڑوں کی سلیکشن کرتے ہوئے وہ اپنی شہادت کی انگلی دانتوں تلے دبوچ کر پریشانی سے بڑبڑائی۔

"کیا پہنوں؟" ایک جوڑا سلیکٹ کرتے ہی وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، جوڑا ہینگر سمیت خود سے لگائے وہ اپنے سراپے کا جائزہ لینے لگی تھی، لمبے گھنے بالوں کو کلپ میں قید کیا گیا تھا، اس کے باوجود بالوں کی دو لٹیں قید سے آزاد ہو کر اس کے خوبصورت چہرے کو چھو رہی تھیں، سلوٹ زدہ پٹیالہ شلوار قمیض پر بے ترتیبی سے لیا گیا دوپٹہ اور آنکھوں کے گرد پھیلا کاجل اسے مزید غصہ دلا رہا تھا۔

"دس بجے کا ٹائم تھا، بہت لیٹ ہوگئی ہوں، مریم کی بچی نے بھی نہیں جگایا مجھے، اف کیا کروں مریم، جلدی باہر نکلو۔" ٹائم دیکھتے ہوئے وہ تقریباً چیخ پڑی تھی۔

"مریم!" واش روم کا دروازہ بجاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سے مریم کو آواز لگائی اور پھر دھپ سے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے گھڑی پر نظر دوڑا کر پریشانی سے لب بھینچ گئی، تھوڑی ہی دیر بعد مریم سر پر ٹاول لپیٹے واش روم سے باہر نکلی اور سامنے بیڈ پر پریشان بیٹھی احساس کی جانب گھورتے ہوئے بولی۔

"کیا تکلیف ہے؟"

"تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟" وہ اٹھ کر

اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"پچھلے دو گھنٹوں سے تمہیں جگا رہی تھی اور تمہارا صرف ایک ہی ڈائیلاگ سننے کو مل رہا تھا، آج سنڈے ہے، آج سنڈے ہے۔" مریم نے اس کی کاپی کرتے ہوئے جواب دیا تو وہ اسے گھورتے ہوئے اپنے کپڑے اٹھا کر واش روم میں گھس گئی، وہ نہا کر نکلی تو بیڈ کی چادر ٹھیک کرتی مریم نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"By the way اتنی جلدی میں کیوں ہو؟ کہیں جانا ہے کیا؟"

"مجھے دس بجے جانا تھا انٹرویو کے لئے، بہت لیٹ ہوگئی ہوں۔"

"انٹرویو؟" مریم نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا تو وہ جلدی سے بالوں میں کنگھا دیتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔"

"آج سنڈے ہے، آج کے دن کونسی جاب کا انٹرویو ہے؟"

"جاب گئی بھاڑ میں، میں اب ماڈلنگ کروں گی۔"

"What؟" مریم حیرت سے چیخی۔

"پلیز مریم، ابھی کچھ اول فول مت بکنا، میں انٹرویو کے لئے جا رہی ہوں، دعا کرنا کہ سلیکٹ ہو جاؤں۔" مریم بنا پلک جھپکائے خاصی حیرانی سے اس کی جانب دیکھے جا رہی تھی جبکہ وہ اس کی نظروں کو مکمل طور پر اگنور کیے اپنی تیاری میں مصروف تھی۔

☆☆☆

آفس کی چیئر پر بیٹھی وہ چالیس سالہ فیشن ایبل خاتون بہت باریک بینی سے احساس کی فوٹو گرافس کا جائزہ لے رہی تھی، سامنے بیٹھی احساس نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے پریشان کن نگاہوں سے اس عورت کی جانب ہی دیکھ رہی تھی، فوٹو گرافس ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ عورت ایک ادا سے گویا ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے ہم آپ کو بتا دیں گے؟ اس ماہ کے اینڈ پر۔" احساس نے پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور بہت ہی مودبانہ انداز میں کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"Ok ma,em thanks۔" اس خاتون نے بھی مسکرا کر سر مثبت انداز میں ہلایا تو وہ آفس کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

تین سال بیت چکے تھے احساس اور مریم کو اس چھوٹے سے دو کمروں، ایک ٹی وی لاؤنج اور ایک ڈائننگ روم پر مشتمل اپارٹمنٹ میں رہتے ہوئے، وہ دونوں پنڈی سے لاہور پڑھنے کے لئے آئی تھیں، دونوں ہی بچپن کی سکھیاں تھیں، سکول، کالج میں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اب وہ دونوں ایک ساتھ ہی پنجاب یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھیں، مریم کے والدین نے تو بخوشی اپنی بیٹی کو یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے دی تھی اور رہائش کے لئے اپارٹمنٹ بھی دے دیا تھا مگر مریم کے مقابلے احساس کو یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنی فیملی سے خاصی جنگ کرنی پڑ گئی تھی، وہ اپنے والدین کی اکلوتی اور لاڈلی اولاد تھی، اسی لئے اتنی خود سر اور لاپرواہ تھی، اس کے خواب اور خواہشات آسمان سے باتیں کرتے دیکھائی دیتے تھے، وہ اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ جاب بھی کرنا چاہتی تھی، جہاں بھی جاب کے لئے اپلائے کرتی، ناکامی قہقہے لگاتی ہوئی اسے نیچا دیکھا جاتی، وہ روز روز کی ریجیکشن سے تنگ آ چکی

تھی تبھی اپنی ایک یونیورسٹی فیلو جو کہ ماڈلنگ کی دنیا سے وابستہ تھیں کی مدد سے ماڈلنگ آفس جا پہنچی، وہ اب ماڈل بننا چاہتی تھی، بہت سارا پیسہ کمانا چاہتی تھی، فیمس ہونا چاہتی تھی، دن بدن اس کے خواب آسمان کی اونچائیوں کو چھوتے چلے جارہے تھے، وہ فیوچر سے بالکل انجان اپنے خوابوں کے پیچھے دوڑتی چلی جارہی تھی۔

☆☆☆

سیاہ آسمان پر چودھویں کا چاند اپنے اردگرد، آگے پیچھے ستاروں کی بارات لئے پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا، سڑک پر اکا دکا گاڑیاں نظر آرہی تھیں، ٹھنڈ بہت زیادہ تھی اسی لئے وہ لائٹ پرپل شال لپیٹے ٹیرس پر کھڑی مبہوت سی آسمان کو دیکھے جارہی تھی، کچھ ہی دیر بعد مریم بھی شال لپیٹے گرما گرم بھاپ اڑاتی چائے کے دو مگ ہاتھوں میں تھامے ٹیرس پر چلی آئی تھی۔

"لیجئے محترمہ۔" احساس نے مریم کی آواز پر چونک کر اس کی جانب دیکھا اور پھر لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ سجائے اس کے ہاتھ سے مگ تھامتے ہی دھیمے لہجے میں بولی۔

"تھینکس۔"

"تھینکس وینکس رکھو اپنے پاس اور مجھے یہ بتاؤ کہ اتنی ٹھنڈ میں یہاں کھڑی کیا کررہی ہو؟" مریم نے ٹھنڈ سے کانپتے ہوئے پوچھا تو وہ گرما گرم بھاپ اڑاتی چائے کا سیپ لیتے ہوئے آسمان پر نگاہیں دوڑا کر بولی۔

"آسمان دیکھ رہی ہوں، کتنا وسیع ہے، دیکھو تو آسمان پر تاروں کی بارات سجی ہے، ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے چاند تاروں کی بارات لئے اپنی چاندنی کو لینے جارہا ہے، کتنا خوبصورت منظر ہے۔" مریم نے ایک نظر آسمان پر ڈالتے احساس کو گھور کر بولی۔

"او چاند کی چاندنی ادھر ٹھنڈ سے برا حال ہو رہا ہے اور تجھے چاندنی کی پڑی ہے، چل اندر اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی مروائے گی۔"

"کیا ہو گیا ہے مریم، موسم انجوائے کرو، کیا تمہیں یہ سب اچھا نہیں لگتا؟"

"لگتا ہے، بہت اچھا لگتا ہے، مگر اس سے بھی زیادہ اچھی مجھے اپنی صحت لگتی ہے، صبح جب تم بخار میں تپ رہی ہوگی، تمہاری ناک بہہ رہی ہو گی، پورا جسم درد کر رہا ہو گا ناں تب میں تم سے پوچھوں گی کہ اب بولو احساس بیٹا، تمہیں یہ سب کتنا اچھا لگا؟ پاگل بے وقوف لڑکی۔" احساس نے اسے اور اس کی باتوں کو پوری طرح سے نظر انداز کر دیا تھا، چائے کے سیپ لیتی وہ مسلسل آسمان دیکھے جارہی تھی تبھی مریم نے ہاتھ بڑھا کر اس کی بازوں کو اپنی گرفت میں لیا اور اسے کھینچتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

اندر جاتے ہی مریم نے ٹیرس کا دروازہ جلدی سے لاک کر دیا تھا، احساس منہ بسور کر سامنے لاؤنج کے صوفہ پر جا بیٹھی تھی۔

"تمہیں کچھ ہو گیا ناں تو تمہارے والدین میری گردن دبا دیں گے۔" مریم نے ریموٹ سنبھالتے ہی چینل سرچنگ شروع کر دی تھی، جبکہ احساس اپنے کھلے بالوں میں انگلیاں پھنسائے ٹی وی سکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"پتا نہیں یہ مہینہ کب ختم ہو گا۔"

"کیوں؟"

"مہینے کے اینڈ میں ہی مجھے پتا چلے گا کہ ان لوگوں نے مجھے سلیکٹ کیا یا نہیں۔" چینل بدلتی مریم نے ایک نظر اس کے پریشان چہرے پر دوڑانے کے بعد ٹی وی کی جانب دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا تھا۔

"میری مانو تو اس ماڈلنگ واڈلنگ کے چکر سے باہر نکل آؤ۔"

"کیوں؟"

"سوائے بدنامی کے اور کچھ نہیں۔"

"ارے بہت پیسہ ہے اس فیلڈ میں۔"

"ایسے پیسے کا کیا فائدہ جس سے آپ کی عزت میں کمی آئی ہو۔"

"یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں، آج ہر کوئی چڑھتے سورج کو سلام کرتا ہے۔"

"تمہیں سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے احساس۔"

"ہاں تو پھر مت سمجھاؤ، میں فیصلہ کر چکی ہوں۔" مریم لمبی سانس کھینچ کر رہ گئی تھی اور وہ تھی کہ لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چائے کے سیپ لینے میں مگن تھی۔

☆☆☆

میرے خوابوں میں جو آئے
آ کے مجھے چھیڑ جائے
اس سے کہو کبھی سامنے تو آئے
لا لا لا

خوشگوار انداز میں وہ گنگناتی ہوئی آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، آنکھوں میں کاجل ڈالتے ہی اس نے اپنی خوبصورت آنکھیں جھپکا کر آئینے دیکھتے ہوئے اپنی خوبصورتی کو سراہا تھا۔

"اوئے ہوئے، خیریت تو ہے میڈم! آج موڈ کافی اچھا دکھائی دے رہا ہے، کیا بات ہے؟" مریم نے اسے آئینے میں اپنا سراپا دیکھتے ہوئے چھیڑا تو وہ دھیمے سے مسکرا کر گویا ہوئی۔

"جب خواب حقیقت کا روپ دھارنے لگتے ہیں تو انسان اپنے آپ خوشگوار ہو جاتا ہے اور اس کا موڈ بھی اپنے آپ بدل جاتا ہے۔"

"اچھا! ہمیں بھی تو پتا چلے کہ میڈم کا کون سا خواب حقیقت کا روپ دھار چکا ہے؟"

"پچھلے ہفتے میں نے جس کمپنی میں اپنی فوٹو گرافس ڈراپ کی تھیں ناں، ماڈلنگ کے لئے۔"

"ہوں۔"

"کل وہاں سے کال آئی تھی، ان لوگوں نے مجھے سلیکٹ کر لیا ہے، آج شام پانچ بجے کانٹریکٹ سائن کرنے جانا ہے، میں بہت خوش ہوں۔" مریم چپ چاپ کھڑی خوشی میں جھومتی احساس کی حرکتوں کو دیکھ اور باتوں کو سن رہی تھی۔

"اب دیکھنا مریم! ہر اک زبان پر صرف میرا ہی نام ہو گا، احساس...... ہر میگزین کے ٹائٹل پر میرا جلوہ ہو گا، تمام بڑے شوز لسٹ میں میرا ہی نام ہو گا، ٹی وی کمرشلز، سائن بورڈ، میگزین، برانڈڈ پروڈکشن پر صرف احساس دکھائی دے گی، شہرت اور پیسہ میرے قدموں میں ہو گا، خوب عیاشی کروں گی، پوری دنیا گھوموں گی جی بھر کر جیوں گی، عیش ہو نگے عیش۔" مریم نے بنا پروں کی اڑتی چڑیا کے چہرے کے سامنے اپنا ہاتھ لہرا کر اسے حقیقی دنیا میں لانے کی کوشش کی تھی۔

"ہیلو میڈم! بریک لگایئے، اتنی اونچی اڑان اڑنے سے پہلے اک نظر اپنے ان نازک پروں پر ڈال لو، کیا ان میں اتنی طاقت ہے کہ یہ اتنی اونچی اڑان اڑ سکیں؟"

"کیا مطلب؟" احساس کا سارا موشن ٹوٹ کر چکنا چور ہو چکا تھا۔

"تم نے اپنے والدین سے اس بارے میں بات کی ہے؟"

"ان سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے، خواب میرا ہے، زندگی میری ہے، میں جو چاہے کروں، جیسے مرضی اپنی زندگی گزاروں۔" اب کی بار مریم نے فکرمندانہ انداز میں اس کے شولڈر پر

ہاتھ رکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا۔

"دیکھو احساس، تمہارے والدین نے پنڈی سے یہاں لاہور پڑھائی کے لئے اس لئے بھیجا تھا کہ انہیں تم پر بے حد بھروسہ تھا، انکا پیار، اعتبار تمہارے لئے کسی بھی چیز سے زیادہ اہم ہونا چاہیے، ان کی عزت کا رتبہ تمہیں ہی بلند رکھنا ہے۔"

"تو میں کون سا غلط کام کرنے جا رہی ہوں، ماڈلنگ ہی تو کر رہی ہوں، اس میں کیا غلط ہے؟ کتنی لڑکیاں کام کرتی ہیں، اک میرے کام کرنے سے کون سی قیامت آ جائے گی، تم دقیانوسی ذہنیت کے لوگ بھی، کبھی اچھا نہیں سوچ سکتے، اسی لئے تو زندگی میں کامیاب نہیں ہوتے۔" وہ ایک دم بھڑ گئی تھی، مریم اس کے بھڑنے پر دھیمے سے گویا ہوئی تھی۔

"اک مخلص دوست ہونے کی حیثیت سے میرا فرض تھا تمہیں نصیحت کرنا، اب اس نصیحت پر تم عمل کرو یا نہ کرو، یہ تم پر ڈیپنڈ کرتا ہے، میں بس اتنا ہی کہوں گی کہ کوئی بھی بڑا قدم اٹھانے سے پہلے ایک بار سوچ ضرور لینا، آگے جو تمہاری مرضی۔" احساس آئینے میں دیکھتے ہوئے اپنے بال سنوارنے لگی تھی۔

"مجھے اچھے سے معلوم ہے کہ میں کیا کر رہی ہوں، تم اپنے کام سے کام رکھو، میں نے تم سے کوئی مشورہ نہیں مانگا۔"

"خیر تمہاری مرضی، لیکن یہ بتاؤ کیا عباد تمہارے اس عجیب و غریب خواب سے واقف ہے؟" عباد کے نام پر اک لمحے کے لئے بالوں میں برش پھیرتے اس کے ہاتھ تھم سے گئے تھے، پھر بھنویں اچکا کر اس نے ایک بار پھر سے لاپرواہی سے جواب دیا تھا۔

"عباد کا چیپٹر اب ختم ہو چکا ہے۔"

"کیا؟" مریم کو واقعی دھچکا لگا تھا، وہ بے یقینی کے عالم میں اس لاپرواہ لڑکی کی جانب دیکھے جا رہی تھی۔

"ایک سال کی محبت ایک پل میں کیسے ختم ہو گئی احساس؟" احساس نے برش ٹیبل پر پٹختے ہی پلٹ کر اپنے انداز میں اسے جواباً کہا۔

"تم تو اس طرح ری ایکٹ کر رہی ہو کہ جیسے پتا نہیں خدانخواستہ کتنا بڑا حادثہ درپیش آ چکا ہو۔"

"کیا تمہیں ایسا نہیں لگتا احساس کہ یہ بات کسی حادثے سے کم نہیں۔" مریم نے حیرانگی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تو وہ اٹھلا کر اپنے بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے بولی۔

"ہرگز نہیں۔"

"پر یہ سب ہوا کیسے؟"

"ہوا کچھ بھی نہیں، بس تم یوں سمجھو کہ میری اس چیکو سے جان چھوٹ گئی، عباد شادی کی ڈیمانڈ کر رہا تھا، اس کی مستقل سیلری اتنی ہے کہ بمشکل مہینے کا خرچہ نکل پاتا ہوگا، گاڑی کے نام پر اک کھٹیچر سی آلٹو لئے پھرتا ہے، جاب ایسی ہے کہ اگر پروموشن ہو بھی جائے تو صرف چند ہزار سیلری بڑھائی جائے گی، تم تو جانتی ہو ناں مریم کہ مجھے یہ سب ہرگز نہیں چاہیے، مجھے عالیشان محل، لمبی قیمتی کار، ڈھیر سارا بینک بیلنس درکار ہے، میں اپنی زندگی خوبصورت انداز میں جینا چاہتی ہوں، عباد میں اتنی کوالٹی یا قابلیت ہی نہیں کہ وہ مجھے یہ سب دے سکے، مجھے تو ایسا جیون ساتھی چاہیے جو میری ہر خواہش منہ سے نکلتے ہی پوری کر دے، اسی لئے میں نے کل عباد سے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ مجھ سے شادی کا خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دے،

کیونکہ میرے خواب، میری منزل کچھ اور ہی ہے۔" مریم دکھ بھری نگاہوں سے اس سیلفش لڑکی کو دیکھ رہی تھی، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ عباد احساس سے کس قدر محبت کرتا تھا، اس کی ہر ہر مشکل میں اس کے کام آتا تھا، اس کی ایک کال پر دوڑا چلا آتا تھا، مریم تو احساس کی قسمت پر رشک کرتی تھی مگر اب اسے اس لڑکی کی سوچ پر ترس آ رہا تھا۔

"احساس! تم نے جانے انجانے میں عباد کو کتنا ہرٹ کیا ہے، شاید تمہیں اس کا اندازہ نہیں، تم اپنے خوابوں کی تعبیر پانے کے لئے اس قدر اندھی ہو چکی ہو کہ تمہیں کچھ بھائی اور دکھائی نہیں دے رہا ہے، اچھے برے کی پہچان ہی ختم ہو گئی، ایک بات، ہمیشہ یاد رکھنا احساس سچی محبت بار بار آپ کا در نہیں کھٹکھٹاتی، کسی کو دکھ دے کر انسان خود بھی کبھی خوشی حاصل نہیں کر پاتا، اپنی آنکھوں کھولو اور حقیقت سے آشنا ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ بہت کچھ پانے کے چکروں میں تم اپنا سب کچھ لٹا بیٹھو۔" مریم اپنی بات کہتے ہی گہری سانس لیتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی تھی، مگر مجال تھی کہ احساس کے پاگل پن میں جو کمی آئی ہو، وہ بھنویں اور کندھے اچکا کر ایک بار پھر سے گنگناتے ہوئے آئینے میں اپنا سراپا دیکھنے لگی تھی۔

☆☆☆

ایک سال پہلے 18 دسمبر کو احساس سڑک کراس کرتے ہوئے ایک بائیک سے ٹکرا کر زمین پر جا گری تھی، بائیک سوار تو موقع پاتے ہی پل بھر میں اڑن چھو ہو گیا تھا، چند ثانیے بعد ایک سفید آلٹو عین احساس کے قریب آ کر رکی تھی، بلیو جینز اور وائٹ شرٹ میں ملبوس وہ خوبرو جوان پریشانی کے عالم میں گاڑی سے باہر نکلا اور احساس کے قریب جا کر بولا۔

"Are you ok?" درد سے کراہتی احساس نے خود کو سنبھال کر کھڑے ہونے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے درد بھری آواز میں جواباً کہا۔

"No۔"

"کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں؟" عباد نے فوراً اپنا ہاتھ اس کی مدد کے لئے آگے بڑھایا تو احساس نے بھی جھٹ سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک ہی جھٹکے میں اٹھ کھڑی ہوئی، اس کے بازوؤں اور گھٹنے پر کافی خراشیں آئی تھیں، درد کی شدت کی بناء پر وہ اپنے ہونٹ بھینچے کھڑی تھی۔

"آیئے میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔" احساس بنا کچھ کہے چپ چاپ اس اجنبی کے ہمراہ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی، ڈاکٹر سے بینڈیج کرانے اور دوا کا نسخہ لینے کے بعد وہ ایک بار پھر سے اس شخص کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر موجود تھی، رسمی دعا سلام اور انٹروڈکشن کے بعد عباد نے اسے اس کے اپارٹمنٹ ڈراپ کر دیا تھا۔

پھر تقریباً ڈیڑھ ہفتے بعد ایک بار پھر سے ان دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا، اس روز عباد گن سموک کیفے کے پارکنگ ایریا میں اپنی گاڑی پارک کر کے کیفے کی جانب بڑھا ہی تھا کہ کیفے سے باہر نکلتی احساس اور مریم کو راستہ دینے کی غرض سے وہ دو قدم پیچھے ہٹ کھڑا ہوا، احساس نے اپنے سامنے اس شناسا چہرے کو دیکھتے ہی مسکرا کر اسے مخاطب کیا تھا۔

"ارے آپ؟" عباد نے مخاطب کیے جانے پر احساس کو پہچانتے ہی جواباً مسکرا کر کہا۔

"اوہ ہیلو۔"

"ہیلو، کیسے ہیں آپ؟"

"بالکل فٹ، آپ کیسی ہیں؟"

"پرفیکٹلی فائن، یہ میری فرینڈ ہے مریم۔" احساس نے فوراً ساتھ کھڑی مریم کا تعارف کرایا تھا۔

"مریم! یہ عباد ہے، میں نے تمہیں بتایا تھا ناں ایکسیڈنٹ کے بارے میں۔" مریم نے مثبت انداز میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا کر عباد کی جانب دیکھا تھا۔

پھر اس دن وہ تینوں تقریباً دو گھنٹے تک کیفے میں بیٹھے، گپیں ہانکتے رہے تھے اور پھر ایک کے بعد ایک ملاقاتوں کا سلسلہ بھی چل نکلا تھا، شروع شروع میں احساس عباد کی پرسنالٹی سے کافی متاثر ہوئی تھی، عباد نے اسے اپنے اور اپنی فیملی کے بارے میں پہلے دن سے صاف صاف بتا دیا تھا۔

"میرے والدین کو گزرے دس سال بیت چکے ہیں، دو بڑے بھائی اور ایک بہن ہے، سب لوگ ماشاء اللہ سے شادی شدہ ہیں اور خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں، دونوں بھائی کو جرانوالہ ہمارے آبائی گھر میں رہائش پذیر ہیں، ایک بہن ہے وہ امریکہ میں اپنے شوہر کے ہمراہ رہائش پذیر ہے، اب اکیلا میں ہی بچہ ہوں، LSE سے اپنی تعلیم مکمل کرتے ہی ایک اچھی جاب کی آفر آ گئی، جاب شروع کی تو ہاسٹل کو خیر باد کہہ کر ایک چھوٹا سا گھر رینٹ پر لے لیا، صبح سویرے اٹھ کر جاب پر جاتا ہوں اور شام ڈھلے گھر واپس لوٹ آتا ہوں۔"

احساس کو اس شخص سے دلی لگاؤ ہونے لگا تھا، سب کچھ پہلے دن سے بھی صاف شفاف اس کے سامنے موجود تھا، لیکن پھر بھی اس نے محبت کی زمین پر اپنے قدم عباد کی طرف جاتی راہ پر دھر دیئے تھے، عباد تو اپنے فیوچر کے پلان تک بنا ڈالے تھے، مگر وہ یہ ہرگز نہ جانتا تھا کہ محبت کے فریب میں جکڑے جانے والوں کے پلان دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

مجھے خود اپنے آپ سے شرمندگی ہوئی
وہ اس طرح کہ تجھ پر بھروسہ بلا کا تھا

☆☆☆

شام دھیرے دھیرے رات کے اندھیرے میں ڈھل رہی تھی، احساس ایک خوبصورت لگژی آفس میں آرام دہ چیئر پر بیٹھی مس نادیہ چالیس سالہ فیشن ایبل خاتون تھیں، سمارٹ اور ماڈرن ڈریسنگ کیے احساس کے ساتھ انگلش لہجہ میں محو گفتگو تھیں۔

"احساس! تمہارا نام بہت خوبصورت ہے۔"

"تھینکس میم!" مس نادیہ نے کچھ پیپرز احساس کے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے اپنے انداز میں کہا تھا۔

"یہ لو، اس کنٹریکٹ پر سائن کر دو۔"

"اس کنٹریکٹ میں کیا لکھا ہے؟" اب وہ اتنی بھی بے وقوف نہ تھی پڑھے بنا سائن کر دیتی۔

"اس کنٹریکٹ کے مطابق تم اگلے دو سال تک ہماری کمپنی کے علاوہ کسی اور کمپنی کے ساتھ کام نہیں کر سکتیں، یہ دو سال تم صرف اور صرف ہماری کمپنی کے ساتھ کام کرو گی، ایک بار اچھے سے پیپرز پڑھ لو، پھر سائن کرنا۔"

"اوکے۔" احساس نے مثبت انداز میں سر ہلاتے ہوئے پیپرز پڑھنے شروع کیے تھے، کچھ ہی دیر بعد اس نے پین اٹھا کر ان پیپرز پر اپنے سائن کر دیئے تھے، پیپرز واپس مس نادیہ کی جانب بڑھاتے ہوئے وہ مسکرا دی تھی جواباً مس نادیہ نے بھی اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے خوشگوار انداز میں اسے دیکھا تھا۔

اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا، وہ بہت خوش تھی، آج اسے اپنی منزل تک پہنچنے کی سیڑھی جو مل گئی تھی، وہ اپنی خوشی کو دل کھول کر سیلیبریٹ کرنا چاہتی تھی، وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی ہوس اسے کہاں تک لے جائے گی، وہ جانتی تھی تو صرف اتنا کہ چند قدم کے فاصلے پر ہی اس کے خوابوں کی تعبیر موجود ہے۔

☆☆☆

لاہور رائل پام میں ایک فیشن شو منعقد ہا تھا، جہاں پاکستان کے نامی گرامی ڈیزائنرز، ماڈلز اور میک اپ آرٹسٹس نے اپنے فن کے جوہر پیش کیے تھے، اندرون و بیرون ممالک کی مختلف پروڈکٹس کمپنیز کے مالکان کی شمولیت نے اس شو کو مزید دلچسپ بنا دیا تھا، مختلف میگزین کے مالکان، فوٹو گرافرز، صحافی اور میڈیا کے باقی تمام لوگ بھی اس شو میں شامل ہوئے تھے۔

یہ احساس کے خوابوں کی تعبیر کی پہلی سیڑھی تھی، آج پہلی بار وہ اتنی سجی سنوری تھی، پاکستان کے مشہور ترین ڈیزائنرز کے کپڑے پہنے وہ بے شمار نامور ماڈلز کے بیچ میک اپ روم میں اپنی چیئر پر بیٹھی، میک اپ آرٹسٹ سے میک اپ کروا رہی تھی، بلیک کلر کے خوبصورت انارکلی سٹائل کے ڈریس کے ساتھ سلور جیولری پہنے وہ پرستان کی کسی پری سے کم نہ لگ رہی تھی، میک اپ آرٹسٹ نے فائنل ٹچ دیتے ہی ہیر اسٹائلسٹ کو احساس کے پاس بھیج دیا تھا۔

"احساس! تھرڈ لاسٹ اینٹری تمہاری ہے۔" مس نادیہ اس کے پاس آ کر بولیں تو وہ مثبت انداز میں سر ہلاتے ہوئے آئینے میں اپنے میک اپ کا جائزہ لینے لگی تھی۔

"میم!" احساس پاس ہی کھڑی مس نادیہ کے قریب جا کر بولی تو، دوسری ماڈل سے محو گفتگو مس نادیہ نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے اسے جواب دیا۔

"ہاں بولو۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میری یہ پہلی انٹری ہے، مم...... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"پہلی بار سبھی کی یہی حالت ہوتی ہے احساس، بے فکر رہو اور پورے کانفیڈنیٹ کے ساتھ ریمپ پر اپنے قدم رکھنا، صرف ایک لمحے کے لئے ڈر محسوس ہو گا، پھر آہستہ آہستہ سب نارمل ہو جائے گا، لیکن اتنا یاد رہے کہ تم نے اپنی بیسٹ پرفارمنس دینی ہے اوکے؟" احساس نے اثبات میں اپنا سر ہلایا اور آئینے میں اپنا سراپا دیکھتے ہوئے خود کو کانفیڈنیٹ رکھنے کی بھرپور کوشش کی، حالانکہ پچھلے ایک مہینہ سے وہ لگاتار مس نادیہ کی اکیڈمی میں ماڈلنگ کی کلاسز لیتی رہی تھی، لیکن پھر بھی پہلی بار سٹیج پر جا کر پرفارمنس دینا اس کے لئے کسی امتحان سے کم نہ تھا۔

پھر وہ لمحہ بھی آن پہنچا جب اس کی انٹری کے لئے اسے گرین سگنل ملا، اس کے ہاتھ پیر تھر تھر کانپ رہے تھے، اسے اپنی سانسیں تھمتی محسوس ہو رہی تھیں، بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر ریمپ پر اپنے قدم جما دیئے تھے، ریمپ کی دائیں اور بائیں جانب لمبی قطار میں دور دور تک لوگ بیٹھے پوری توجہ سے ریمپ پر آنے والی ہر ماڈل کے سراپے کا بھرپور جائزہ لے رہے تھے، ریمپ کے بالکل سامنے تمام فوٹو گرافرز اور کیمرہ مین اپنے کیمرے لئے ہر آنے والی ماڈل کا شوٹ کر رہے تھے، تمام ماڈلز بڑی ادا سے چلتی ہوئیں ریمپ کے آخری سرے تک آتیں اور کیمرہ میں دیکھتے ہوئے اپنا مخصوص پوز پیش کرتیں اور پھر اسی ادا سے واپسی کے لئے رخ موڑ لیتیں، دائیں اور بائیں جانب سب سے پہلی والی قطار میں اندرون و بیرون ممالک

سے مختلف پروڈکٹس کا مالکان براجمان تھے جو ہر آنے والی ماڈل کا بھرپور جائزہ لیتے، جس کا انداز و شخصیت ان کو بھاتی، وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے پاس بیٹھے شخص کے کان میں سرگوشی کرتے، انہیں لوگوں کے بیچ و بیچ بیٹھی ایک اہم شخصیت نے سگار منہ میں دباتے ہی لمبا سا کش لیا تھا، کش لینے کے دوران ہی اس کی نظر ریمپ پر رکھے قدموں پر پڑی، سلور ہائی ہیل میں قید خوبصورت نازک پیروں نے پہلی ہی نظر میں اس کی ساری توجہ اپنی جانب کھینچ لی تھی، اب وہ نظریں دھیرے دھیرے اوپر کی جانب اٹھ رہی تھیں، بلیک خوبصورت اسٹائلش انار کلی فراک میں ملبوس وہ سہمی سہمی لڑکی چند قدم چلتے ہی فل کانفیڈینٹ نظر آنے لگی تھی، اپنے ہی سٹائل میں وہ خوبصورت اداؤں سے چلتی ہوئی ریمپ کے آخری سرے تک جا پہنچی تھی، کیمرہ میں اپنا خوبصورت اور منفرد پوز دینے کے بعد اب وہ واپسی کے لئے اپنا رخ موڑ کر اسے اپنے قریب آتی دیکھائی دے رہی تھی، ایک بار پھر سے اس نے سگار کا لمبا کش لیتے ہی دھواں ہوا میں خارج کر دیا تھا، سگار دوبارہ ہونٹوں میں دبائے اب وہ اسے ریمپ سے واپس جاتے دیکھ رہا تھا، اس کے جاتے ہی ایک نامور ماڈل نے ریمپ پر انٹری دی تھی، سب لوگ اب اس ماڈل کی جانب اپنی نظریں گاڑھی بیٹھے تھے، مگر اس شخص کی نگاہیں ابھی تک EXIT ایریا پر مرکوز تھیں۔

واپس میک اپ روم میں آتے ہی وہ خوشی سے جھومتی ہوئی سب کی داد وصول کرنے کے بعد اب وہ ایک بار پھر سے آئینہ کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، آئینے میں اپنا سراپا دیکھتے ہوئے اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے حسن اور ٹیلینٹ کو داد دی تھی، دل ہی دل میں خود کو داد دیتے ہوئے اس نے مسکرا کر اپنے لب بڑی ادا سے اپنے دانتوں تلے بھینچ لئے تھے۔

☆☆☆

بادلوں کی گھن گرج، ہوا کی سائیں سائیں، پتوں کی سرسراہٹ، بارش کی ٹپ ٹپ اور گیلی مٹی کی خوشبو کے حصار میں وہ دنیا جہاں سے بے خبر ریلنگ پر ہاتھ رکھے باہر کا نظارہ کر رہی تھی، موسم کتنا پیارا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھینی بھینی مٹی کی خوشبو کو اپنی سانسوں کے ذریعے اندر جذب کر کے ٹپ ٹپ برستی بارش کی بوندوں میں بھیگ بھیگ جائے اور سنسناتی ہوا میں جھوم اٹھے، پتوں کی سرسراہٹ سے خوب ساری باتیں کرے، کتنی انوکھی خواہش تھی اس کی، وہ اپنی سوچ پر خود ہی ہنس دی تھی، مریم ابھی ابھی واش روم سے نکل کر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، کریم کا مساج کرتی مریم پر اک نظر ڈال کر وہ ایک بار پھر سے زمین پر گرتے بارش کے قطروں کو گننے لگی تھی، مریم روم سے باہر نکل گئی تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہی بارش مکمل طور پر تھم چکی تھی، احساس کو وقت کے گزرنے کا احساس تک نہ ہوا تھا، وہ ابھی بھی باہر کا نظارہ کرنے میں گم تھی۔

''احساس! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں فائنل ایگزامز سر پر ہیں اور تمہیں کوئی فکر ہی نہیں جلدی سے تیار ہو جاؤ، تمہیں پتا بھی ہے کہ آج سر مشتاق کی کلاس ہے۔'' روم میں داخل ہوتی مریم نے اسے بدستور اسی انداز میں وہیں کھڑے دیکھا تو نان سٹاپ بولتی چلی گئی، سر مشتاق کا نام سنتے ہی احساس کا موڈ خراب ہو گیا تھا، تبھی وہ وارڈ روب کی جانب بڑھتے ہوئے بدمزگی سے گویا ہوئی۔

''اُف کھڑوس کہیں کا، گھر سے ڈانٹ کر آتا ہے اور یونیورسٹی آ کر ہم سٹوڈنٹس کا جینا حرام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں ہی سر مشتاق کی صورت سزا دی ہوئی ہے۔''

مریم اسے دیکھ کر نفی میں سر ہلاتی ہوئی واپس کمرے سے باہر نکل گئی تھی، جبکہ احساس بدمزگی سے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی واش روم میں گھس گئی تھی۔

لیکچر ختم ہوتے ہی وہ دونوں کیفے کی جانب بڑھ گئی تھیں، کاریڈور میں نڈھال قدموں سے چلتی ہوئی احساس نے صاف شفاف آسمان پر نگاہیں دوڑا کر ساتھ چلتی مریم کو مخاطب کیا تھا۔

''سر مشتاق کی کلاس اٹینڈ کرنے سے بہتر بندہ خودکشی کر لے۔'' ساتھ چلتی مریم نے اس کی بات پر جب کوئی ریسپونس نہ دیا تو وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے مریم؟ میں کئی دنوں سے نوٹ کر رہی ہوں تمہارا بی ہیویر بہت بدلہ بدلہ سا ہے۔'' مریم اس بار بھی خاموش رہی تو وہ تپ اٹھی۔

''What is your problem? اگر بات نہیں کرنی تو بتا دو۔''

''ہاں نہیں کرنی ہے مجھے تم سے بات۔''

''But why?''

''Don,t you know why?''

وہ ایک دم خاموش ہو گئی تھی، احساس کو گھورتی مریم ایک بار پھر سے بولی تھی۔

''کل رات تم کافی لیٹ گھر واپس آئی تھی، تمہیں احساس تک نہیں کہ ارد گرد کے لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے ہم دونوں کے بارے میں، ہم دو اکیلی لڑکیاں ہی رہتی ہیں وہاں، لوگوں کو تو بس موقع چاہیے ہوتا ہے لڑکی ذات پر کیچڑ اچھالنے کے لئے اور وہ موقع تم تھالی میں سجا کر لوگوں کے ہاتھوں میں دے رہی ہو۔''

''لوگ گئے بھاڑ میں، مجھے لوگوں کی پرواہ نہیں، جب ہم لوگ کسی کے معاملات میں انٹرفیئر نہیں کرتیں، تو باقی لوگ کون ہوتے ہیں ہم پر کیچڑ اچھالنے والے۔'' وہ اپنی غلطی ماننے کے بجائے الٹا تپ کر بولی تھی، مریم کچھ دیر خاموش کھڑی اسے دیکھتی رہی تھی اور پھر بہت ہی دھیمے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''اگر یہی سب چلتا رہا ناں احساس، تو میرا اور تمہارا اکٹھا رہنا مشکل ہو جائے گا، کم از کم مجھے میری اور میرے گھر والوں کی عزت کی پرواہ ہے اور میں کسی بھی قسم کا کوئی رسک ہرگز نہیں لینا چاہوں گی۔'' وہ احساس کی طرف دیکھتی بولی۔

''تم میری دوست ہو کر مجھ پر انگلی اٹھا رہی ہو۔''

''میں انگلی نہیں اٹھا رہی، حقیقت سے آگاہ کر رہی ہوں، بہتر یہی ہوگا کہ تم سنبھل جاؤ۔''

''اوہ پلیز مریم، پلیز سٹاپ اٹ، میں تم سے یہ سب ایکسپیکٹ نہیں کر سکتی تھی۔''

''ایکسپیکٹ تو میں نے بھی تم سے نہیں کیا تھا یہ سب، نہ ہی تمہارے پیرنٹس کرتے ہوں گے، انہیں بتا تائے تم نے کتنا بڑا قدم اٹھا لیا۔''

''کون سا گناہ کر دیا ہے میں نے؟ اپنی مرضی سے اپنی زندگی جینا چاہتی ہوں، پھر کیا تکلیف ہے تم لوگوں کو؟''

''دیکھو احساس! بہتر یہی ہوگا کہ تم اپنے والدین سے اس بارے میں بات کر لو، کل کو تمہاری وجہ سے مجھ پر بھی انگلی اٹھ سکتی ہے اور یہ بات میں ہرگز برداشت نہیں کروں گی، آخری سال ہے ہمارا، مجھے چین سے اپنی پڑھائی مکمل کر لینے دو۔''

''کتنی دقیانوسی ہو تم یہ مجھے آج پتا چلا

ہے۔" احساس نے استہزائیاں نگاہوں سے مریم کو دیکھتے ہوئے کہا تو پھر گہری سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"تمہیں جو سوچنا ہے سوچو، جو سمجھنا ہے سمجھو، مجھے اب ان سب کی کوئی پرواہ نہیں، رہے میرے والدین تو مجھے جب ان سے بات کرنا ہو گی میں کرلوں گی، تمہیں اس فکر میں دبلا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور جہاں تک رہی تمہارے اس اپارٹمنٹ میں رہنے کی بات تو ڈونٹ وری بہت جلد میں اپنا کہیں اور رہنے کا بندوبست کرلوں گی، سنبھال کر رکھو اپنی عزت اور اس دقیانوسی سوچ کو اپنے پاس، آج تم نے ثابت کر دیا مریم، اس دنیا میں کوئی کسی کا دوست نہیں۔"

"جسے خود رشتوں کی اہمیت کی پہچان نہیں، وہ مجھے دوستی کا درس دے رہی ہے۔" مریم کے الفاظ اور لہجے پر وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹکی تھی اور پھر پلٹ کے جانے کے ارادے سے پلٹی تو مریم کی آواز ایک بار پھر سے اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"اپنے خوابوں کے پیچھے تم اس قدر اندھی ہو چکی ہو کہ تمہیں اچھائی برائی کی پہچان ختم ہو گئی، عباد کی کتنی کالز آئیں پر تم نے ایک کال تک ریسو نہیں کی۔"

"تمہارا اس سے کوئی مطلب نہیں ہے، اس لئے میرے اس معاملے سے تم دور ہی رہو۔"

"مجھے تمہارے کسی معاملے میں پڑنے کا اب کوئی شوق ہے نہ ہی ضرورت، تمہیں صرف اتنا بتانا تھا کہ کل مجھے عباد کی کال آئی تھی، اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، کافی گہری چوٹیں آئی ہیں، کم از کم انسانیت کے ناطے ہی ایک کال کرکے اس کا حال معلوم کرلو۔" احساس پلٹ کر ایک بار پھر سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"میرا عباد سے اب کوئی تعلق نہیں ہے، اس سے کہہ دینا کہ آئندہ مجھے کال نہیں کرے اور کائنڈلی تم بھی آئندہ مجھ سے اس کا ذکر ہرگز مت کرنا۔"

"تم بہت پچھتاؤ گی احساس۔"

"اپنی بکواس اپنے پاس رکھو، مجھے معلوم ہے کہ میں کیا کر رہی ہوں، عباد کا چیپٹر بہت پہلے کلوز کر چکی ہوں، میری زندگی میں اب اس کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں۔"

"خلوص، ادب اور محبت بہت نایاب تحفے ہوتے ہیں احساس! اس لئے ہر کسی سے اس کی امید مت رکھنا، کیونکہ بہت کم لوگوں کے دل امیر ہوتے ہیں، تمہیں ایک دن اس بات کا اندازہ ضرور ہو گا، مگر افسوس کہ تب تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔"

"شٹ اپ۔" وہ اسے گھورتی ہوئی پلٹ کر آگے بڑھ گئی تھی، تب پیچھے کھڑی مریم نے دکھ بھری نگاہوں سے اسے دور جاتے دیکھا تھا۔

☆☆☆

"یہ ہیں مسٹر غیاث شیخ، جی ایس ڈائمنڈ جیولری کے مالک، کینیڈا، امریکہ، دوبئی اور انڈیا میں کامیابی سے اپنی پروڈکٹ لانچ کرنے کے بعد اب پاکستان میں اپنی پروڈکٹ لانچ کرنا چاہتے ہیں اور تم جانتی ہو احساس کہ یہ تمہیں اپنا برانڈ ایمبیسیڈر بنانا چاہتے ہیں۔"

مس نادیہ نے اپنے سامنے بیٹھے مسٹر غیاث کا تعارف احساس سے کرایا اور ساتھ ہی اسے یہ خوشخبری بھی سنا ڈالی، احساس کی تو مانو جیسے لاٹری نکل آئی تھی، قسمت کی دیوی اس پر مہربان تھی، اپنے سامنے بیٹھے اس پچاس سالہ شخص کی جانب دیکھتی احساس چہرے پر مسکان سجائے اثبات

میں سر ہلا کر بولی تھی۔

"اوکے۔" وہ اپنی خوشی کو اس شخص کے سامنے ہرگز ظاہر نہ کرنا چاہتی تھی مگر خوشی تھی کہ پھوٹ پھوٹ کر اس کے چہرے پر واضح طور پر عیاں ہو رہی تھی۔

وہ پچاس سالہ شخص اس عمر میں بھی کافی فٹ نظر آ رہا تھا، امارت تو اس کے چہرے، ڈریسنگ اور بولنے کے انداز سے بھی ٹپک رہی تھی، وہ آج بھی سگار انگلیوں میں دبائے بار بار اس کے کش لے رہا تھا، نظروں کا محور سامنے بیٹھی خوبصورت پری زاد احساس ہی تھی۔

"مسٹر غیاث کچھ دن پہلے ہی دوبئی سے آئے ہیں، اس سنڈے یہ اپنی پروڈکٹ لانچ کرنا چاہتے ہیں، اگر تمہیں کوئی اعتراض نہیں تو اس کنٹریکٹ پر سائن کر دو، اس کنٹریکٹ کے مطابق تم اگلے پانچ سالوں تک انہی کی برانڈ ایمبیسیڈر رہو گی۔"

"شیور مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" احساس نے مس نادیہ کے ہاتھ سے پیپرز تھامے اور اک نظر ان پیپرز پر دوڑا کر فوراً سائن کر ڈالے، پیپرز واپس ٹیبل پر رکھتے ہی وہ مسکرا کر ان دونوں کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"مبارک ہو۔" مس نادیہ کی مبارکباد وصول کرتے ہی اس نے اس شخص کی جانب دیکھ کر دھیمے لہجے میں اس شخص کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"شکریہ سر! آپ نے میرا انتخاب کیا۔"

"ویلکم۔" اس شخص نے بھی مسکرا کر جواباً کہا تو پاس بیٹھیں مس نادیہ نے پیپرز مسٹر غیاث کی جانب بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"ٹھیک ہے پھر ہم لوگ کل ہی فوٹو شوٹ کی تیاری کرتے ہیں، چار دن ہیں ہمارے پاس، تمام ارینجمنٹس میں اپنی نگرانی میں کروالوں گی، I am sure کہ سب کچھ بہت اچھے سے ہو جائے گا۔"

"Yeah sure۔" مسٹر غیاث نے مسکرا کر جواب دیتے ہی سگار ایک بار پھر سے ہونٹوں میں دبا لیا تھا، ان کی نظریں مسلسل احساس کے سراپے پر مرکوز تھیں، جس کا تو بس نہ چل رہا تھا کہ بنا پنکھ لگائے اڑنا شروع کر دے۔

وہ آج بہت خوش تھی اور اپنی اس خوشی کو شیئر بھی کرنا چاہتی تھی مگر کون تھا جس سے وہ اپنی خوشی شیئر کرتی، اپنے خوابوں کو پورا کرنے کے چکروں میں وہ ایک ایک کرکے اپنے تمام رشتے کھوتی چلی جا رہی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ مس نادیہ کے ہمراہ ایک نامور ٹاپ فوٹو گرافر کے سٹوڈیو میں موجود برائے نام کپڑے اور ڈائمنڈ جیولری کے خوبصورت سیٹ پہنے فوٹو شوٹ کروا رہی تھی، ایک کے بعد ایک تقریباً پندرہ ڈائمنڈ جیولری سیٹ میں فوٹو شوٹ مکمل کیا گیا تھا، سارے دن کے فوٹو شوٹ کے بعد وہ کافی تھک چکی تھی۔

واش روم میں جاتے ہی اس نے پانی کے چھینٹے اپنے چہرے پر مارتے ہوئے بڑے سے آئینے میں اپنا سراپا دیکھا تھا، اتنی تھکن کے باوجود اس کے چہرے کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی، ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہی وہ واش روم سے جیسے ہی باہر نکلی تو سامنے مسٹر غیاث کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے گھبرا گئی۔

"ہائے آپ کب آئے؟"

"ابھی دس منٹ پہلے، میں نے ابھی کمپیوٹر سکرین پر آپ کا فوٹو شوٹ دیکھا تھا، سو بیوٹی فل۔"

"تھینکس سر، میں آپ کی مشکور ہوں۔"

"سارے دن کے کام کے بعد کافی تھک چکی ہوں گی آپ؟" مسٹر غیاث نے سگار کا کش لیتے ہوئے پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر گویا ہوئی۔

"جی بھوک سے چکر آرہے ہیں۔"

"میں ابھی ڈنر کے لئے نکلنے والا تھا، کیا آپ میرا ساتھ دینا پسند کریں گی۔"

"آں بہت بہت شکریہ آپ کا، میں گھر جا کر کھالوں گی۔"

"آپ میری برانڈ ایمبیسیڈر ہیں، میرا اتنا تو حق بنتا ہے کہ میں اپنی برانڈ ایمبیسیڈر کا اچھے سے خیال رکھ سکوں۔" وہ مسکرا کر بولے تھے۔

"اوکے۔" وہ مسکراتی ہوئی مسٹر غیاث کے ساتھ قریبی ریسٹورنٹ چلی گئی تھی۔

یہ اب روز کا معمول بن گیا تھا، وہ اب روزانہ لنچ اور ڈنر مسٹر غیاث کے ساتھ ہی کرتی پائی جاتی تھی، ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ اپنے سے دوگنی عمر کے شخص کے ساتھ اپنی دوستی مضبوط کرتی چلی جارہی تھی، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ مسٹر غیاث خاصی مالدار اسامی ہے اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ مسٹر غیاث کن نظروں سے اسے دیکھتے تھے، اسے کسی چیز کی پرواہ نہ تھی، پرواہ تھی تو صرف اپنے خوابوں کی تعبیر کی۔

☆☆☆

آج جی ایس ڈائمنڈ جیولری کی لانچ پارٹی تھی، شاور لینے کے بعد وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے گیلے بال ہیر ڈرائیر کی مدد سے سکھا رہی تھی، کئی دنوں سے مریم اور احساس میں کوئی بات چیت نہ ہوئی تھی، دونوں ایک ہی گھر میں اجنبیوں کی طرح رہ رہی تھیں۔

بال خشک کرتے ہی اس نے ہیر برش سے اپنے بال سنوارے تھے، لپ اسٹک اٹھا کر ہونٹوں کے قریب لائی ہی تھی کہ موبائل پر بجتی بیل اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ گئی تھی، اس نے لپ اسٹک واپس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر بیڈ پر پڑے موبائل کی جانب بڑھی، موبائل سکرین پر اپنے والدین کا نمبر بلنک ہوتے دیکھ کر اس نے خوشگوار انداز میں کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو ابو السلام علیکم!"

"آج بڑی شدت سے یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا سوچ کر میں نے تمہارا نام احساس رکھا تھا؟"

اپنے والد کا کرخت لہجہ کانوں سے ٹکرایا تو وہ ایک لمحے کو سانس لینا بھول گئی، خشک لبوں کو زبان سے تر کرتے ہی وہ جھجکتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے ابو جان! سب خیریت ہے ناں؟"

"کن کاموں میں بزی ہو آج کل؟" اس کا حلق مکمل طور پر خشک ہو چکا تھا، مارے گھبراہٹ کے ایک لفظ زباں سے ادا نہ ہو پا رہا تھا۔

"کیا گناہ سرزد ہو گیا ہے ہم سے، جو تم ہمیں یہ صلہ دے رہی ہو؟" اس کے والد کا لہجہ مسلسل کرخت ہوتا چلا جارہا تھا۔

"تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔"

"ابو...... آ...... آپ سے...... وہ میں۔"

"تم کیا خود کو بہت سمجھدار سمجھتی ہو؟ تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم وہاں رہ کر کچھ بھی کرو ہمیں اس کا علم نہیں؟"

"ابو...... پلیز وہ۔"

"فوراً سے پہلے اپنا سامان پیک کرو، میں ابھی نکل رہا ہوں لاہور کے لئے۔"

"لیکن کیوں ابو؟"

"میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو، چند گھنٹوں میں میں لاہور پہنچ جاؤں گا، تم اپنا سارا سامان

پیک کر کے واپس میرے ساتھ پنڈی آؤ گی، بہت بڑی غلطی کر دی میں نے تمہیں اکیلے لاہور بھیج کر، میرا مان، بھرم سب توڑ دیا تم نے۔"

"ابو! میری پڑھائی کا یہ آخری سال ہے۔"

"بھاڑ میں گئی تمہاری پڑھائی، میں اور کچھ نہیں سننا چاہتا، اپنا سامان پیک کرو، میں آرہا ہوں تمہیں لینے۔" فون ایک دم ٹھک سے بند کر دیا گیا تھا، وہ اب پریشان کن نگاہوں سے موبائل کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"اب کیا کروں؟" خود سے ہمکلام ہوئے وہ پریشانی سے بال مٹھیوں میں جکڑ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی تھی۔

"آخر ابو تک یہ بات پہنچی کیسے؟" وہ پریشانی کے عالم میں سوچتے ہوئے کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی تھی۔

"آج...... آج تو جی ایس ڈائمنڈ جیولری کی لانچ پارٹی ہے، مم...... میں...... نہیں مجھے پنڈی واپس نہیں جانا، کیا کروں۔" وہ پریشانی سے لب بھینچے باہر نظریں دوڑا رہی تھی۔

"مریم...... کہیں مریم نے تو......" مریم کا نام ذہن میں آتے ہی وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی، کچن میں کھڑی اپنا ناشتہ بناتی مریم کے پیچھے کھڑے ہوتے ہی وہ شدید غصے کے عالم میں گویا ہوئی تھی۔

"میرے گھر والوں کو تم نے خبر پہنچائی ہے؟" اپنے پیچھے کھڑی غصے سے پھنکارتی احساس پر اک نظر ڈال کر وہ ایک بار پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

"میری بات کا جواب دو مریم۔"

"احساس مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔"

"مجھے میری بات کا جواب چاہیے۔"

"تمہاری ماتحت نہیں ہوں میں، جو تمہاری ہر بات ہر سوال کا جواب دوں۔"

"تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا میرے گھر والوں کو اطلاع دینے والا۔"

"تو پھر پوچھ کیوں رہی ہو؟" وہ پلٹ کر اب اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی، احساس اب کے غصے سے لال پیلی ہونے لگی تھی۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا مریم۔"

"اچھا تو تم نہیں کر رہی ہو، اپنے ساتھ، میرے ساتھ اور اپنی ذات سے جڑے ہر رشتے کے ساتھ۔"

"جسٹ شٹ اپ۔" وہ غصے سے چلائی تو مریم بھی اونچی آواز میں گویا ہوئی۔

"چلاؤ مت۔"

"تم جیسی دو ٹکے کی لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو۔"

"سچائی برداشت نہیں ہو رہی تم سے؟"

"سچائی تو یہ ہے کہ دو ٹکے کی عورت میں نہیں بلکہ تم ہو، اردگرد کے لوگ تمہارے بارے میں کیا باتیں کرتے ہیں اور کن ناموں سے تمہیں پکارنے لگے ہیں، اس کا تمہیں اندازہ تک نہیں۔"

"لوگ مائی فٹ، میری جوتی کو بھی پرواہ نہیں، کوئی میرے بارے میں کچھ بھی کہے، میں ان لوگوں کی طرف تھوکنا بھی گوارہ نہیں سمجھتی۔"

"بہت اونچا اڑنے لگی ہو احساس! مت بھولو کہ انسان جتنی اونچائی سے گرتا ہے، چوٹ اتنی ہی گہری لگتی ہے۔"

"میں تمہیں تمہاری اس حرکت کے لئے کبھی معاف نہیں کروں گی مریم، آج تو تم نے حد

کردی۔"

"حدیں پار تو تم کر رہی ہو احساس! کاش تمہیں اس بات کا احساس ہوتا۔" مریم کی آنکھیں بھر آئی تھیں، تبھی وہ رندھے لہجے میں گویا ہوئی تھی مگر احساس تو غصے میں اندھی ہو رہی تھی۔

"میری فیملی کو میری ماڈلنگ کی خبر تو پہنچا دی تم نے، اب ایک اور خبر بھی پہنچا دینا ان سے کہہ دینا کہ میں یہ گھر چھوڑ کر جا چکی ہوں، میں پنڈی واپس نہیں جاؤں گی، میری منزل میرے سامنے ہے اور مجھے میری منزل سے کوئی جدا نہیں کر سکتا سمجھیں تم۔" وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی کمرے میں داخل ہو گئی تھی، غصے کے عالم میں بیگ اٹھا کر وہ اپنے تمام کپڑے اور تمام اشیاء اس بیگ میں ٹھونسنے لگی تھی، مریم پریشانی کے عالم میں دوڑتی ہوئی کمرے تک آئی تھی۔

"احساس! ایسا مت کرو پلیز، اپنے والدین کے بارے میں تو سوچو۔" وہ بنا اس کی باتوں کا جواب دیئے اپنے کپڑے، ہینگر سے اتار کر بیگ میں ٹھونستی چلی جا رہی تھی۔

"احساس! اللہ کا واسطہ ہے ٹھنڈے دماغ سے کام لو، میں تمہیں گناہوں کی دلدل سے بچانا چاہتی ہوں، مجھے غلط مت سمجھو پلیز۔" مریم نے آگے بڑھ کر اسے اس کے بازوں سے پکڑا تو احساس نے ایک جھٹکے سے اپنی بازوں چھڑاتے ہوئے اسے پیچھے دھکیل کر غصیلی آواز میں کہا۔

"دفعہ ہو جاؤ یہاں سے تم۔" احساس نے اسے مکمل طور پر اگنور کرتے ہوئے بیگ کی زپ بند کی اور اپنا بقیہ ضروری سامان بیگ سمیت اٹھاتی وہ کمرے سے باہر نکل گئی، مریم لپک کر اس کے پیچھے گئی تھی۔

"احساس...... احساس رکو...... احساس مت جاؤ۔" مریم اسے پکارتی رہ گئی تھی، مگر وہ اسے ان سنا کر کے گھر کی دہلیز پار کر گئی تھی، دروازے میں کھڑی مریم آنسو بہاتے ہوئے اسے اپنی نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھ رہی تھی۔

سنو!
کبھی کسی کا دل مت دکھانا۔
خاموش دل کی آہ
عرش کو ہلا دیتی ہے

سنو!
کبھی کسی کو مت ٹھکرانا
ایک دن وقت کی ٹھوکر
انسان کو دہلا دیتی ہے

سنو!
زندگی کو اتنا آسان مت سمجھنا
زندگی تو ہر پل امتحان لیتی ہے

سنو!
کسی کو درد دے کر اتنا یاد رکھنا
کہ زندگی تو مکافات عمل ہے
جو وقت آنے پر
کڑی سزا دیتی ہے

☆☆☆

رائل پام کے ایک خوبصورت ہال میں بہت بڑی پارٹی منعقد کی گئی تھی، میڈیا، فیشن انڈسٹری، فلم، ٹی وی انڈسٹری کی بڑی بڑی شخصیات کے علاوہ پولیٹیکل اہم شخصیات نے بھی اس پارٹی میں شامل ہو کر اس پارٹی کو رونق بخشی تھی۔

ان تمام اہم شخصیات کے بیچ بلیک خوبصورت میکسی پر ڈائمنڈ سیٹ پہنے اس پارٹی کی برانڈ ایمبیسڈر احساس اسٹائلش میک اپ اور خوبصورت ہیر سٹائل میں اپنے چہرے پر خوبصورت مسکان سجائے کھڑی تھی، تمام چھوٹی بڑی ماڈلز حسد بھری نگاہوں سے احساس کو گھور

رہی تھیں، اتنے تھوڑے وقت میں احساس نے اتنی بڑی Achievement جو حاصل کر لی تھی، قسمت احساس پر مہربان تھی ورنہ اتنے کم عرصہ میں اتنی بڑی کامیابی حاصل کرنا کوئی آسان بات تو نہ تھی، وہ تو خود حیران تھی، اس نے شاید کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی اس مقام تک جا پہنچے گی۔

پارٹی لیٹ نائٹ تک جاری رہی تھی، وہاں موجود تمام لوگوں نے خوب انجوائے کیا تھا، جی ایس ڈائمنڈ جیولری دیکھ کر لوگ اسے سراہے بنا نہ رہ پا رہے تھے، جیولری ڈیزائنز واقعی بہت خوبصورت تھے۔

جب آہستہ آہستہ پارٹی پر مدعو لوگوں نے واپسی کی راہ لی تو احساس پاس کھڑے مہمانوں سے ایکسکیوز کر کے چینجنگ روم میں چلی آئی تھی، آئینے کے سامنے آتے ہی اس نے اپنی خوبصورتی کو سراہا تھا اور ساتھ میں ڈیپ نیک میکسی پر پہنے خوبصورت ڈائمنڈ نیکلس کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چھوتے ہوئے وہ اس خوبصورت نیکلس کو دیکھنے لگی تھی، پیچھے سے آتی قدموں کی چاپ نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا، اس نے پلٹ کر دروازے میں کھڑے مسٹر غیاث کو دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے ایک بار پھر سے آئینے میں دیکھتے ہوئے نیکلس کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی تھی۔

"اوہ آپ۔"

"رہنے دو کیوں اتار رہی ہو؟"

"پیک اپ کرنا ہے، یہ سیٹ بھی مجھے باہر دینا ہو گا ناں۔"

"نہیں یہ تم پر سوٹ کر رہا ہے، ایسا لگ رہا ہے کہ یہ سیٹ خاص تمہارے لئے بنایا گیا ہے۔" احساس نے آئینے سے ہی پیچھے کھڑے سگار سلگاتے مسٹر غیاث کو مسکرا کر دیکھا تھا۔

"پر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں بھی اسے پہنے رکھوں۔"

"کیوں نہیں؟"

"کیا مطلب؟" وہ اب پلٹ کر باقاعدہ طور پر مسٹر غیاث کی آنکھوں میں جھانکنے لگی تھی، مسٹر غیاث نے سگار کا لمبا کش لیا اور دو قدم چل کر اس کے مقابل آ کھڑے ہوئے۔

"مطلب یہ کہ تم اسے پہنے رکھو، یہ سیٹ میری طرف سے تمہارے لئے گفٹ سمجھو۔" حیرانگی کے مارے اس کا منہ کھل گیا تھا، وہ پلکیں جھپکا کر مسٹر غیاث کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"لیکن مسٹر غیاث! میں اتنا مہنگا گفٹ نہیں رکھ سکتی۔"

"کیوں نہیں رکھ سکتی، یہ تمہارے لئے ہی ہے۔" وہ اب بنا پلکیں جھپکائے مسٹر غیاث کو دیکھنے لگی تھی، جبکہ مسٹر غیاث سگار کا دھواں ہوا میں خارج کرتے ہی اس کے اور قریب چلے آئے تھے۔

"یہ سیٹ تم سے بڑھ کر تو نہیں ہے۔" اپنی بات مکمل کرتے ہی انہوں نے اس کے چہرے پر آئی بالوں کی لٹ کو پکڑ کر اس کے کان کے پیچھے اڑس دیا تھا، احساس ہچکچاتے ہوئے ان کے ہاتھ کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"تم جانتی ہو تمہارا نام بہت خوبصورت ہے اور تم......" سگار ایک بار پھر سے منہ میں دباتے ہی دھواں احساس کے چہرے کی جانب خارج کرتے ہی وہ مدہوش کن لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

"تم اپنے نام سے بھی زیادہ خوبصورت ہو۔" احساس مکمل طور پر گھبرا چکی تھی، تبھی دوبارہ آئینے کی جانب پلٹتے ہوئے وہ ہچکچاتے ہوئے

بولی تھی۔

”تھینکس مسٹر غیاث!“

”تم مجھے غیاث کہہ سکتی ہو۔“ وہ ایک بار پھر سے ان کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

”لیکن؟“

”مجھے اچھا لگے گا۔“ اس بار اس نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا، مسٹر غیاث کی نظریں مسلسل خود کے چہرے پر مرکوز محسوس کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر سے اسی انداز میں گویا ہوئی تھی۔

”رات کافی ہو گئی ہے، میں چینج کر لیتی ہوں۔“

”sure تم چینج کر لو، میں تمہارا باہر انتظار کرتا ہوں، پھر میں تمہیں گھر ڈراپ کر دوں گا۔“

گھر کا نام سنتے ہی اسے اچانک یاد آیا تھا کہ آج صبح ہی وہ اپنی تمام کشتیاں جلا آئی تھی، اب وہ کہاں جائے گی، یہ سوچ ہی اسے مارے دے رہی تھی، پریشانی کے عالم میں اپنے لب بھینچے وہ نظریں جھکا گئی تھی، مسٹر غیاث نے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”کیا ہوا؟“

”کک...... کچھ نہیں۔“ وہ مسکراتے ہوئے بات پلٹ گئی تھی۔

”میں چینج کر لیتی ہوں۔“

”تم کچھ چھپا رہی ہو احساس!“

”نہیں۔“

”پلیز بتاؤ نہ مجھے۔“ مسٹر غیاث نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کی ٹھوڑی اوپر کی جانب اٹھاتے ہوئے کہا تو اس کی نم نگاہوں کی جانب دیکھتے ہوئے وہ ایک بار پھر سے بولے۔

”کیا بات ہے احساس؟“ احساس نے پلٹ کر اپنے کپڑے ہینگر سے اتارتے ہی رندھی آواز میں جواب دیا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ جلدی سے واش روم میں گھس گئی تھی، مسٹر غیاث وہیں کھڑے حیرانگی سے اس بند دروازے کی جانب دیکھنے لگے تھے۔

جب وہ کپڑے چینج کر کے باہر نکلی تو اس کی روئی ہوئی آنکھوں نے مسٹر غیاث کو ایک بار پھر سے پوچھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”احساس! بتاؤ مجھے کیا بات ہے؟ تم روئی کیوں؟“ آنکھوں سے ٹپکتے آنسوؤں کی انگلیوں کے پوروں سے صاف کرتے ہی اس نے دھیمے اور رندھے لہجے میں اپنی کہانی کہہ ڈالی تھی، اس کی کہانی سنتے ہی مسٹر غیاث کافی دیر خاموش کھڑے اس کے روئے ہوئے چہرے کو دیکھتے رہے تھے، کچھ دیر بعد خاموشی توڑتے ہوئے بولے۔

”پھر اب تم جاؤ گی کہاں؟“

”مجھے نہیں معلوم۔“ وہ ڈریس چیئر پر بیٹھ کر ایک بار پھر سے آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد مسٹر غیاث آگے بڑھ کر بولے تھے۔

”اگر تم چاہو تو تم میرے ساتھ میرے گھر چل کر رہ سکتی ہو۔“ احساس پلٹ کر حیران کن نگاہوں سے ان کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

”آپ کے گھر؟“

”ہاں...... مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے، اگر تم چاہو تو موسٹ ویلکم۔“

”پر...... آپ کے گھر والوں کو اعتراض نہیں ہوگا؟“ مسٹر غیاث ایک دم مسکرا دیئے تھے۔

”میری فیملی......“ سگار کا کش لیتے ہی انہوں نے کمرے کی خوبصورت چھت پر نظریں دوڑا کر بات کی تھی۔

”میری فیملی امریکہ میں رہتی ہے، میں بھی زیادہ تر امریکہ میں ہی رہتا ہوں، بس کام کے سلسلے میں کبھی ادھر کبھی ادھر، ہوٹلز میں رہنا مجھے پسند نہیں، اس لئے جس جس ملک میں اپنا بزنس پھیلایا ہے، انہی ممالک میں ایک ایک گھر بھی بنا رکھا ہے۔“ کچھ سوچتے ہوئے وہ اپنی نظریں جھکا گئی تھی، مسٹر غیاث نے سگار ہونٹوں سے آزاد کرتے ہی ایک بار پھر سے اسے مخاطب کیا تھا۔

”سو اگر تم راضی ہو تو ہم چلیں؟“ کچھ سوچتی احساس نے پلکیں اٹھا کر مسٹر غیاث کی جانب دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر گویا ہوئی۔

”جی۔“ مسٹر غیاث نے بھی مسکراتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اسے چلنے کو کہا تو وہ پلٹ کر اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتی مسٹر غیاث کے ہمراہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

عالیشان گھر میں قدم رکھتے ہی وہ مبہوت سے گھر کے چاروں اور دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

”واؤ آپ کا گھر تو بہت خوبصورت ہے۔“

”ہاں مگر تم سے زیادہ نہیں۔“ وہ مسکرا کر بولے۔

غیاث کی بات پر وہ مسکراتے ہوئے ان کی طرف پلٹ کر اٹھلاتے ہوئے بولی۔

”ایک بات بتایئے، آپ نے مجھے ہی اپنا برانڈ ایمبیسڈر کیوں چنا؟ وہاں اور بھی تو ماڈلز تھیں۔“

”لیکن ان سب میں کوئی تم جیسی نہیں تھی۔“ وہ ایک ادا سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے آگے بڑھ کر ٹی وی لاؤنج کے خوبصورت صوفہ پر براجمان ہوئی تھی، مسٹر غیاث نے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہی اسے مخاطب کیا تھا۔

”میں نے اپنی زندگی میں ہمیشہ خوبصورت لوگوں اور خوبصورت چیزوں کو ہی ترجیح دی ہے، تمہیں پہلی نظر میں دیکھتے ہی میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میری برانڈ ایمبیسڈر تم ہی بنو گی۔“

”اور اگر میں انکار کر دیتی تو؟“

”ایسا ممکن نہیں، میرا اس فیلڈ سے بہت پرانا تعلق ہے، ماڈلز کی رگ رگ سے واقف ہوں۔“

”ریئلی۔“

”یس۔“

”اچھا تو پھر میرے بارے میں کچھ بتائیں، میں بھی تو جانوں کہ آپ واقعی میری رگ رگ سے واقف ہیں۔“

”فی الحال تو اتنا بتاؤں گا کہ تم پاکستان کی ٹاپ ماڈل بننا چاہتی ہو۔“

”وہ تو ہر ماڈل بننا چاہتی ہے۔“

”لیکن ہر ماڈل اس مقام تک جہاں پر آج تم ہو، کئی سالوں کی محنت اور مشکلیں جھیلنے کے بعد بھی شاید ہی پہنچ پاتی ہے۔“

”Thats right۔“ احساس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو مسٹر غیاث سگار سلگاتے ہوئے ایک بار پھر سے بولے۔

”اگر تم چاہو تو میں تمہیں پاکستان تو کیا دنیا کی بیسٹ ماڈل بنا سکتا ہوں۔“

”وہ کیسے؟“ احساس پھٹی نگاہوں سے مسٹر غیاث کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

”میرے بہت لنکس ہیں، خود سوچو ذرا راتوں رات تمہیں لکھ پتی بنا سکتا ہوں تو عرب پتی بھی بنا سکتا ہوں۔“ وہ ابھی بھی بدستور اسی انداز میں انہی کی جانب دیکھ رہی تھی اور مسٹر غیاث تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد سگار کا کش لے کر بولتے چلے جا رہے تھے۔

"جتنے ممالک میں میرا بزنس پھیلا ہے ان تمام ممالک میں اپنی جیولری کی ماڈل تمہیں بناؤں گا انہی ممالک کے تمام بڑے میگزینز، کمرشلز، فیشن شوز میں تم ہی تم دیکھائی دو گی، بس چند مہینے لگیں گے، پھر احساس کوئی عام ماڈل نہیں رہے گی بلکہ دنیا کی جانی مانی ماڈل کہلائی جائے گی۔"

"واؤ کیا یہ واقعی ممکن ہو سکتا ہے؟"

"تمہیں کوئی ڈاؤٹ ہے؟"

"مجھے یہ سب ایک خواب سا لگ رہا ہے۔" مسٹر غیاث اٹھ کر اس کے ساتھ آ بیٹھے تھے، سگار کا دھواں ہوا میں خارج کرتے ہی انہوں نے احساس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

"اپنے اس خواب کو حقیقت میں بدلنا اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔" مسٹر غیاث کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رینگتے دیکھ کر وہ ان کی بات کا مطلب بڑے اچھے سے سمجھ گئی تھی، اپنے خوابوں کے پیچھے اندھی تو وہ بہت پہلے ہی ہو چکی تھی، اس لئے ایک کے بعد ایک تمام حدیں پار کرتی چلی جا رہی تھی، اس نے مسکراتے ہوئے اپنا دوسرا ہاتھ اٹھا کر مسٹر غیاث کے ہاتھ پر رکھتے ہی ایک ادا سے جواباً کہا تھا۔

"Done میں اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کے لئے تیار ہوں۔" مسٹر غیاث نے مسکراتے ہوئے سگار منہ میں دبا کر اس کا دھواں احساس کے چہرے پر خارج کرتے ہی اسے اپنی بانہوں میں کھینچ لیا تھا۔

☆☆☆

وقت پر لگائے اڑتا چلا جا رہا تھا، پاکستان کے تمام بڑے میگزینز، کمرشلز، سائن بورڈز اور فیشن شوز میں احساس نامی لڑکی مکمل طور پر چھائی ہوئی تھی، یہاں تک کہ زیادہ تر فیشن شوز کی شو سٹاپر بھی احساس ہی منتخب کی جانے لگی تھی، پاکستان کے علاوہ ملک سے باہر بھی فیشن کی دنیا میں احساس چھائی ہوئی تھی، مسٹر غیاث احساس کے لئے لکی ثابت ہوئے تھے، انہوں نے واقعی چند مہینوں کے اندر اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا، جہاں جاتے احساس ان کے ہمراہ پائی جاتی، ان دونوں کا افیئر تو پوری فیشن انڈسٹری میں ایک ہاٹ ٹاپک بنا ہوا تھا، نام پیسہ، شہرت اب اسے کسی چیز کی کمی نہ تھی، وہ جو چاہتی تھی وہ سب اسے مل چکا تھا، مسٹر غیاث کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کے بعد وہ فیشن کی دنیا میں آسمان کو چھوتی چلی جا رہی تھی، نائٹ پارٹیز تو روز کا معمول تھیں، بڑی شخصیات کے بیچ رہتے رہتے اس نے سموکنگ اور ڈرنک بھی شروع کر دی تھی، کون سا ایسا کام تھا جو اس نے نہ کیا تھا، تمام حدیں پار کر ڈالی تھیں، گھر چھوڑنے کے بعد اس نے ایک لمحے کے لئے بھی پلٹ کر نہ دیکھا تھا اور وہ دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی، اس کے لئے تو یہی سب کچھ تھا جو اس کا اپنا تھا۔

حال ہی میں اسے ایک بڑی فلم کی آفر بھی ہوئی تھی، اس کا شیڈول بہت ٹائٹ تھا، پاکستان میں تو وہ کم ہی دیکھائی دیتی تھی، دن گزرتے چلے جا رہے تھے اور وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ آسمان کو چھوتی چلی جا رہی تھی۔

آسمان چھونے کی خواہش میں مجھ سے
زندگی نے کیا کیا کچھ ہے کروایا
تمام رشتے ناطے سب کھو کر میں نے
اپنے خوابوں کی تعبیر کو ہے پایا

☆☆☆

یونہی پانچ سال گزر گئے، ان پانچ سالوں میں اس نے اپنی سوچ سے زیادہ ترقی حاصل کر لی تھی، مسٹر غیاث کے ساتھ کیے گئے پانچ سالہ

کانٹریکٹ کا عرصہ مکمل ہوتے ہی آج کل مسٹر غیاث شیخ کسی دوسری نیو اینڈ فریش فیس برٹش ماڈل پر مہربان ہوتے دیکھائی دے رہے تھے، احساس کئی دنوں سے مسٹر غیاث کے بدلے بدلے تیور دیکھ اور محسوس کر رہی تھی۔

کانٹریکٹ کا عرصہ ختم ہوتے ہی مسٹر غیاث نے اپنا نیا کانٹریکٹ بناتے ہی اس برٹش ماڈل کو اپنا برانڈ ایمبیسیڈر بنا دیا تھا، احساس تو مانو جیسے بن پانی مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی تھی، اسی لئے آج وہ بھرپور غصے کے عالم میں آج مسٹر غیاث کے سامنے کھڑی پھنکار رہی تھی۔

"غیاث! یہ میں کیا سن رہی ہوں، آپ نے جینیفر کو جی ایس ڈائمنڈ جیولری کی نیو برانڈ ایمبیسیڈر بنا دیا ہے؟"

"ہاں تو؟" مسٹر غیاث جو لیپ ٹاپ پر کسی ضروری کام میں مصروف تھے، احساس کو اس قدر غصے میں دیکھتے ہوئے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھنے لگے، غصے میں پھنکارتی احساس دو قدم آگے بڑھ کر بدستور اسی انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"تو؟ What do you meam by تو؟"

"کہنا کیا چاہتی ہو تم؟ کھل کی بات کرو۔"

"میرے ہوتے ہوئے آپ کسی دوسری ماڈل کو کیسے برانڈ ایمبیسیڈر بنا سکتے ہیں؟"

"جیسے میں نے پانچ سال پہلے ہیزل کے ہوتے ہوئے تمہیں اپنا برانڈ ایمبیسیڈر بنایا تھا، ٹھیک اسی طرح آج پانچ سال بعد جینیفر کو اپنا برانڈ ایمبیسیڈر بنایا ہے۔" وہ ہکا بکا کھڑی مسٹر غیاث کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

"لیکن غیاث!۔"

"دیکھو احساس! میں نے اپنی زندگی اپنی مرضی سے جی ہے، مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ کوئی میرے فیصلوں پر انگلی اٹھائے۔"

"کوئی؟...... آج میں آپ کے لئے کوئی ہو گئی ہوں؟"

"احساس! میرا ریکارڈ ہے، میں نے آج تک ایک ہی لڑکی کو دوبارہ اپنا برانڈ ایمبیسیڈر نہیں بنایا، اس لئے پلیز Stop ralting about this topic۔"

"غیاث! You can,t do this to me۔"

"احساس! Forgod sake please۔" وہ دور کھڑی آنسو بہاتی مسٹر غیاث کی جانب دیکھے جا رہی تھی، جبکہ مسٹر غیاث لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھ کر اس کے قریب چلے آئے تھے۔

"مجھے اس ٹاپک پر بات نہیں کرنی، کیونکہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے پلیز" وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی کمرے سے باہر نکل گئے تھے جبکہ احساس وہیں کھڑی پریشانی کے عالم میں دروازے کی جانب دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

اہم پولیٹکل پارٹی پر اسے مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا گیا تھا، تمام بڑی اور اہم شخصیات کے بیچ بھی وہ پریشان دیکھائی دے رہی تھی، میوزک سٹارٹ ہوتے ہی وہاں پر موجود مہمانوں نے ڈانس شروع کر دیا تھا، جبکہ احساس ایک کارنر میں جا کھڑی ہوئی تھی، اتنے میں ایک منسٹر کا بیٹا جو شکل سے ہی کافی بگڑا ہوا لگ رہا تھا، احساس کے قریب آ کر بولا۔

"احساس! آپ یہاں اکیلی کیوں کھڑی ہیں؟"

"بس ایسے ہی۔"

"آپ ہماری خاص مہمان ہیں اور ہمیں بالکل اچھا نہیں لگ رہا آپ کو اس طرح اکیلے تن تنہا کھڑے دیکھ کر۔" جواباً اس نے مسکرانے پر اکتفا کیا تو وہ ایک بار پھر سے بولا۔

"آج کل آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟" اتنے میں ویٹر ٹرے میں ڈرنکس کے گلاس لئے ان دونوں کے قریب چلا آیا تھا، دونوں نے ہی ایک ایک گلاس تھامتے ہوئے مسکرا کر اک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔

"کچھ پینڈنگ شوز ہیں، انہی میں بزی ہوں آج کل۔"

"اوکے گڈ۔" ادھر ادھر کی باتیں کرتی احساس ڈرنک پر ڈرنک کرتی چلی جارہی تھی، جب وہ مکمل طور پر نشے میں کھو گئی تو لڑکھڑاتے ہوئے اپنا سر تھام کر بولی۔

"I need to go back۔"

"ارے ایسے کیسے؟ ابھی تو پارٹی شروع ہوئی ہے۔"

"I am sorry Actually i am feeling not well۔"

"اوکے، میں آپ کو باہر تک ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

"شیور۔" وہ نشے میں لڑکھڑاتی ہوئی اس کے ہمراہ باہر کی جانب بڑھ گئی تھی، باہر کے ایریا میں ان دونوں کے سوا کوئی اور دکھائی نہ دے رہا تھا، منسٹر کے بیٹے ارمغان نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نشے میں دھت احساس کو کھینچ کر اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا، وہ نشے میں تھی لیکن اس اچانک حملے پر ایک دم بھڑک اٹھی تھی۔

"What the hell? چھوڑو مجھے۔"

"کیوں بلبل، کبھی کی بانہوں میں اپنے آپ کھنچی چلی جاتی ہو، ہماری بانہوں میں کیا کانٹے جڑے ہیں؟"

"بکواس بند کرو اور چھوڑو مجھے۔"

"آں آں آں۔" وہ زبردستی اسے کھینچتے ہوئے دوسرے کمرے کی جانب بڑھتا چلا جارہا تھا، تبھی احساس نے اپنی ساری طاقت لگاتے ہوئے خود کو اس کی قید سے چھڑاتے ہی ایک تمانچہ اس کے گال پر رسید کر دیا تھا، اتنے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی، جس کے باعث ارمغان وہاں سے اڑن چھو ہو گیا تھا، نشے میں دھت احساس آنکھوں سے آنسو بہاتی ہوئی پارکنگ ایریا میں چلی آئی تھی جہاں اس کا ڈرائیور پہلے سے ہی اس کی راہ دیکھتا دکھائی دے رہا تھا، احساس کو سامنے پاتے ہی اس نے جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا، احساس لڑکھڑاتی ہوئی گاڑی تک چل کر آئی تھی، سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے اپنا سر گاڑی کی سیٹ کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں، ڈرائیور نے دروازہ بند کرتے ہی دوڑ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور آہستگی سے گاڑی اس پارکنگ ایریا سے نکال کر گیٹ سے باہر نکل گیا۔

سڑک پر دوڑتی گاڑیوں پر نظر دوڑاتے ہوئے وہ آنسو بہانے لگی تھی، آج اتنا عرصہ بعد اسے اپنے والدین کی شدت سے یاد آئی تھی، ان دونوں کا چہرہ اب اس کی نگاہوں کے سامنے فلیش مارنے لگا تھا، ہونٹوں پر ہاتھ رکھے وہ دبی آواز میں رونے لگی تھی۔

گھر آتے ہی اس نے نجانے کتنی کالز کر ڈالی تھیں، مگر ایک بھی بار اس کے والدین میں سے کسی نے بھی اس کی کال ریسیو نہ کی تھی، موبائل بیڈ پر پھینکتے ہی وہ بھی بیڈ پر گرتے ہی آنکھیں موند کر نیند کی وادیوں میں کھو گئی تھی۔

صبح اٹھتے ہی اس نے ایک بار پھر سے نمبر

ڈائل کرتے ہی فون کان سے لگایا تھا مگر اس بار بھی اس کی کال ریسیو نہ کی گئی تھی۔

"میں جانتی ہوں آپ دونوں مجھ سے ناراض ہیں اور ہونا بھی چاہیے، میں نے کتنا ہرٹ کیا ہے آپ دونوں کو۔" وہ ایک بار پھر سے رو دی تھی، کچھ دیر رونے کے بعد وہ ایک بار پھر سے گویا ہوئی تھی۔

"پر میں جانتی ہوں، آپ دونوں مجھے معاف کر دیں گے، اس فیلڈ نے مجھے پیسہ، شہرت سب کچھ دیا، لیکن میرا سکون مجھ سے چھین لیا، یہ سب کچھ مل کر بھی آپ دونوں کی کمی پوری نہیں کر پا رہے ہیں۔" انگلیوں کی پوروں سے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر سے بولی تھی۔

"میں آرہی ہوں، میں واپس آرہی ہوں آپ لوگوں کے پاس، بہت اکیلی ہوں، کہنے کو لوگوں کا ہجوم ہے ساتھ پر پھر بھی خود کو بہت تنہا فیل کرتی ہوں، میں واپس آرہی ہوں۔" وہ فیصلہ کن انداز میں اٹھی اور واش روم میں گھس گئی۔

دوسری جانب ارمغان احساس کے تمانچے کو ابھی تک نہ بھول پایا تھا، بدلے کی آگ اسے اندر ہی اندر جلائے چلی جارہی تھی، بار بار وہ لمحہ اس کی آنکھوں کے سامنے رقص کرتا دکھائی دے رہا تھا، مثبت فیصلہ کن انداز میں سر ہلاتے ہوئے وہ غصے کے عالم میں اپنے لبوں پر ہاتھ پھیر کر ایک دم مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

سر پر دوپٹہ اوڑھے اور سن گلاسز لگائے آج وہ پنڈی میں اپنے والدین کے گھر کے سامنے کھڑی دکھ بھری نگاہوں سے اس گھر کے بند دروازے کی جانب دیکھ رہی تھی، بند دروازے پر لگے تالے نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا، پاس والے گھر سے نکلتے آدمی کو دیکھتے ہی وہ لپک کر اس آدمی کی جانب بڑھی تھی۔

"سنیے۔"

"جی۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس گھر میں جو لوگ رہتے تھے وہ لوگ کہاں گئے ہیں؟" اس آدمی نے گھر پر نظر دوڑاتے ہی اپنے انداز میں جواباً کہا۔

"باسط صاحب کا تو پانچ سال پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا اور ان کے انتقال کے کچھ ہی عرصہ بعد ان کی بیوی بھی چل بسی تھیں۔" اتنا سننا تھا کہ وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ گئی، یہ سب کچھ اس کے لئے ناقابل یقین تھا، ایک دم سے کانوں میں سیٹیاں بجتی سنائی دینے لگی تھیں، آنکھوں میں آئی نمی کے باعث اسے وہ آدمی اب دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔

لمبے لمبے سانس لیتی ہوئی وہ پیچھے کی جانب ہٹتی چلی جارہی تھی، گاڑی کے بونٹ سے ٹکراتے ہی اس نے گاڑی کے بونٹ کو پکڑ کر سہارا لیا تھا، سن گلاسز اتار کر اب وہ بہتی نگاہوں سے اس ویران گھر کی جانب دیکھنے لگی تھی، اس کے پاس کہنے کو کوئی لفظ ہی نہ بچا تھا، وہ آدمی اسے دیکھتے ہوئے آگے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"اپنی آنکھیں کھولو اور حقیقت سے آشنا ہو لڑکی، کہیں ایسا نہ ہو کہ بہت کچھ پانے کے چکروں میں تم اپنا سب کچھ لٹا بیٹھو۔" مریم کی آواز اس کے کانوں میں گڈمڈ ہو کر گونجنے لگی تھی، وہ اب باقاعدہ طور پر رونے لگی تھی۔

"آج بڑی شدت سے یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا سوچ کر میں نے تمہارا نام احساس رکھا تھا، کیا گناہ سرزد ہو گیا ہم سے جو تم ہمیں یہ صلہ دے

رہی ہو؟ میرا مان بھرم سب توڑ دیا تم نے۔" اس کے والد کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تو وہ ہچکیوں سمیت رو دی۔

اپنے ان قیمتی رشتوں کو وہ بہت پہلے سے ہی اپنے ہاتھوں گنواں بیٹھی تھی مگر احساس اسے بڑی دیر بعد ہوا تھا۔

ایسا ہی ہوتا ہے، کچھ لوگ اپنے خوابوں کے پیچھے دوڑتے چلے جاتے ہیں اور اسی دوڑ کے دوران ہی وہ اپنے بہت اہم اور قریبی رشتوں کو اگنور کرتے چلے جاتے ہیں، پھر وہ وقت آتا ہے جب ہمیں ان رشتوں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے لیکن افسوس کے یہ اندازہ اور احساس بہت دیر بعد ہوتا ہے، وہ رشتے ہم سے روٹھ کر بہت دور، بہت دور چلے جاتے ہیں، ہمیں معافی کا موقع بھی نصیب نہیں ہو پاتا، صد افسوس۔

سنو!
کبھی کسی کا دل مت دکھانا
خاموش دل کی آہ
عرش کو ہلا دیتی ہے
سنو!
کبھی کسی کو مت ٹھکرانا
ایک دن وقت کی ٹھوکر
انسان کو دہلا دیتی ہے
سنو!
زندگی کو اتنا آساں مت سمجھنا
زندگی تو ہر پل امتحان لیتی ہے
سنو!
کسی کو درد دے کر اتنا یاد رکھنا
کہ زندگی تو مکافات عمل ہے
جو وقت آنے پر
کڑی سزا دیتی ہے

☆☆☆

پانچ سال کا عرصہ اس نے خوب عیاشی میں گزارا تھا، آسمان کی اونچائیوں کو چھوا تھا، لیکن اب وہ اپنے زوال کی طرف دوڑتی چلی جا رہی تھی، وہ چاہتی تو اپنی کامیابی کو برقرار رکھ سکتی تھی مگر اب وہ تھک چکی تھی، ہار چکی تھی، سکون اور دلی خوشی دولت سے تو نہیں ملتی، یہ بات وہ اچھی طرح جان چکی تھی۔

یہ حقیقت ہے کہ یہ ایک ایسے انعامات ہیں جو سب کو میسر نہیں آتے، دلی سکون، اطمینان اور خوشی ایسی بیش بہا نعمتیں ہیں جو دنیا کے دولت مند اور کامیاب انسانوں کو بھی میسر نہیں ہیں، ان لوگوں کے پرس تو نوٹوں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں مگر یہ لوگ دلی سکون اور خوشی سے محروم ہوتے ہیں۔

احساس کو اب جا کر اس بات کا اندازہ ہوا تھا، اس کا پرس تو نوٹوں کی موٹی موٹی گڈیوں سے بھرا تھا مگر اس کا دل سکون اور خوشی سے محروم تھا، کیا کچھ نہ تھا اس کے پاس، بینک بیلنس، گاڑی، بنگلہ، شہرت، سب کچھ تو تھا، پر اس کا دل خالی تھا۔

اب اس کا دل گھر سے نکلنے کو بھی نہ چاہتا تھا، ڈیپریشن اس قدر بڑھ چکا تھا کہ وہ اپنی ذات کے خول میں قید ہو کر رہ گئی تھی، اس وقت اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ دلی سکون اور خوشی، اپنے قریبی رشتے اور وہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہی دنیا کی عظیم ترین نعمتیں ہوتی ہیں۔

وہ کتنے عرصے سے گھر میں قید رہی تھی اسے اس بات کا خود بھی اندازہ نہ تھا، آج وہ اپنا ذہن بٹانے کی خاطر کچن میں جا کھڑی ہوئی تھی، اپنے لئے چکن سوپ بناتے ہوئے اسے سر میں شدید تکلیف کا احساس ہوا تھا، وہ سر تھامے وہیں کرسی پر ہی بیٹھ گئی تھی، گھر کی اطلاعی بیل بجی تو وہ

نڈھال قدموں سے چلتی ہوئی لاؤنج میں آ کھڑی ہوئی۔

"بشیر! کون ہے باہر؟" اس نے اپنے گارڈ کو آواز لگا کر پوچھا تو بشیر کی آواز کی جگہ اسے کسی اجنبی کی آواز سنائی دی تھی۔

"ہم ہیں جناب! آپ کے دیوانے۔" ارمغان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا، اسے سامنے پاتے ہی وہ غصے سے آگے بڑھ کر بولی تھی۔

"تم؟"

"جی...... ہم۔"

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی...... بشیر......"

"آں آں...... آپ کا گارڈ تو دو دن پہلے ہی قائداعظم کی تصویر پر فدا ہو گیا تھا، شاید آپ کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ قائداعظم کی تصویر دیکھاتے ہی بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹا بندا انگلیوں پر ناچنے لگتا ہے۔" احساس کو معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا تو وہ کرخت لہجے میں گویا ہوئی۔

"مجھے تمہاری کوئی بکواس نہیں سننی، شرافت سے یہاں سے نکل جاؤ ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا تو اپنے قدم پیچھے ہٹاتی احساس گھبرائے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

"م...... میں پولیس کو بلا لوں گی۔"

"بلا لو میری جان، جسے مرضی بلا لو، آج میں یہاں سے ایسے نہیں جانے والا۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولتا چلا جا رہا تھا۔

"اس دن بڑے پیار سے تم نے میرے گال پر اپنی ان خوبصورت انگلیوں کے نشان چھوڑے تھے ناں، آج اتنے ہی پیار سے تمہیں تمہارا دیا قرض لوٹانے آیا ہوں۔" اس نے آگے بڑھتے ہی احساس کو بازوؤں میں پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا، وہ اپنی پوری طاقت لگا کر خود کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"چھوڑو مجھے۔"

"آج نہیں۔" ارمغان نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے دوپٹے سے اس کا منہ باندھ دیا تھا، وہ اب دبی دبی آواز میں چلانے لگی تھی، ارمغان نے اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے کپڑا اٹھا کر اس کے دونوں بازوں بھی باندھ دیئے تھے، احساس اپنی سی پوری کوشش کر رہی تھی کہ اس کے چنگل سے بچ نکلے مگر افسوس کہ وہ بچنے کی چاہ میں مزید کمزور پڑتی چلی جا رہی تھی۔

اس درندے نے اس نازک لڑکی کی پر نوچ ڈالے تھے، اپنے ارادے پر کامیاب ہونے کے بعد وہ مسکراتے ہوئے احساس کی جانب دیکھ کر

بولا تھا۔

”مجھے تمانچہ مارا تھا تم نے، مجھے...... دیکھ لیا...... مجھ سے الجھنے کا نتیجہ۔“ وہ اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر دانت پیس کر بولا تھا، آنسو بہاتی احساس کراہت سے اس کی جانب دیکھ کر غرائی تھی۔

”I will kill you۔“ قہقہہ لگاتا وہ درندہ ایک بار پھر سے اس کا منہ پکڑ کر بولا تھا۔

”مجھے مارنے کے لئے تمہارا زندہ رہنا ضروری ہے ناں، میری جان۔“ وہ خباثت سے مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا، چاروں اور نظر دوڑانے کے بعد اس نے ایک بار پھر سے پلٹ کر آنسو بہاتی احساس کی جانب دیکھا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن کام والی ماسی نے کھلا گیٹ دیکھتے ہی حیرانگی سے گھر کی اندرونی حصہ کی جانب قدم بڑھائے تھے، اندر داخل ہوتے ہی اسے دال میں کچھ کالا دکھائی دیا تھا، وہ احساس کو آواز لگاتی ہوئی اس کے کمرے تک آئی تھی اور کمرے میں آتے ہی وہ سامنے کا سین دیکھ کر بری طرح چلا اٹھی تھی۔

احساس کا بے جان وجود سامنے پنکھے سے لٹکا ہوا تھا، سین دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ احساس کو کسی نے مارا نہیں بلکہ اس نے خودکشی کر کے اپنی زندگی ختم کر ڈالی ہے۔

احساس کی خودکشی کی خبر آگ کی طرح ہر جگہ پھیل چکی تھی، سبھی لوگ حیران تھے کہ آخر ایسا کیا ہو گیا کہ احساس نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا، کوئی نہ جانتا تھا کہ اس کی موت کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا، مارنے والا تو آزادی سے دندناتا ہوا اپنی لائف انجوائے کر رہا تھا، پولیس نے بھی جانچ پڑتال کے بعد اس کی موت کو خودکشی قرار دے دیا تھا۔

کیا ملا تھا احساس کو، صرف پانچ سال کی عیاشی بس، صرف ان پانچ سالوں کے لئے اس نے اپنی زندگی برباد کر ڈالی تھی، اپنے مخلص رشتوں کو کھو دیا تھا، اور آج...... آج وہ اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی تھی، نام پیسہ، شہرت سب دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

زندگی میں کوئی بھی بڑا قدم اٹھانے سے پہلے غور و فکر ضروری ہے، ورنہ عین ممکن ہے کہ ہم جس چیز کو حاصل کر کے خوش ہو رہے ہوتے ہیں وہ آگے جا کر ہمارے لئے باعث مصیبت بن جاتی ہے۔

دنیا کے قمار خانے میں ہر چیز پر داؤ لگتا ہے، کبھی اپنوں کی وفاؤں پر، کبھی حسینا کی اداؤں پر، کبھی معصوم کی دعاؤں پر اور کبھی درد دل کی دعاؤں پر اور ان قمار خانے کی نیلامی کا بازار گرم رہتا ہے، داؤ لگتے رہتے ہیں، بازیاں لگتی رہتی ہیں، مگر زندگی کی بازی، ہارے ہوئے جواری اور کمزور طوطی کی آواز قمار خانے کے نقار خانے میں کوئی نہیں سنتا۔

بساط وقت پہ دائم نشاں کا نہیں
زمین کسی کی نہیں آسماں کسی کا نہیں
ذرا سی ٹھیس پہ سب کچھ بکھر سا جاتا ہے
سنو یہ کوچہ گراں، کسی کا نہیں
ہر ایک مدعی اپنے ہی مدعا کا ہے
عجیب لوگ ہیں، کوئی یہاں کسی کا نہیں
بس ایک کھیل ہے ساحل اور سمندر کا
بھنور کسی کا نہیں، بادباں کسی کا نہیں۔

☆☆☆

ہیپی ویلنٹائن

نازیہ ضیا

دل کی لگی کچھ اور بھی دل کو دیوانہ کرے
میری التجا ہے خدا سے دعا ہے
دو دل جدا نہ کرے
دل کی لگی کچھ اور بھی

ناظرین...... آیئے مل کر محبتیں بانٹیں، آج محبت کا دن منایا جا رہا ہے، آج آپ میرے پروگرام کے ذریعے اپنے پیاروں کو محبت کا پیغام بھیج سکتے ہیں، کسی بھی روٹھے ہوئے کو آج منا لیں، اگر کوئی منتظر ہے آپ کے اظہار محبت کا تو آج دیر مت کیجئے اور وہ سب کہہ دیجئے جو آپ کے دل میں ہے، ہیپی ویلنٹائن ڈے۔

دونوں بیٹوں کو یونیورسٹی بھیج کر میں لاؤنج میں بکھری چیزوں کو سمیٹتے ہوئے ٹیبل پر سے چائے کے خالی مگ، ٹرے اٹھاتے ہوئے دونوں بیٹوں کی لاپرواہی پر کڑھ رہی تھی، اک طرف ٹی وی چل رہا تھا اور دوسری طرف اخبار کے بکھرے صفحے اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے، موسیٰ کو ٹی وی دیکھنے کا کریز تھا تو عیسیٰ کا ایک ہاتھ اخبار تھامے اور دوسرے ہاتھ میں نوالہ ہوتا، سو لاؤنج میں ٹی وی بھی چل رہا تھا اور اخبار بھی صبح ہی صبح کسی پرانی ردی کا سا منظر پیش کر رہا تھا۔

میں چیزیں سمیٹتی ہوئی جوں ہی ٹی وی کو بند کرنے کے لئے آگے بڑھی تو سرخ رنگ کے کپڑے پہنے، ڈھیر سارے گلابوں میں گھری اک دبلی پتلی سی اناؤنسر کو چہکتے ہوئے سنا اور ٹھٹک کر پروگرام کو دیکھنے لگی۔

ویلنٹائن ڈے

سرخ گلاب...... سرخ کپڑے...... سرخ رنگ...... محبت کی علامت...... سرخ دل...... اور نہ جانے کیا آلا بلا۔

میری شادی کو اکیس برس گزر چکے ہیں، بی ایس سی میں ادھر داخلہ لیا ادھر اماں ابا کو عثمان ایسے بھائے کہ میری گریجویشن کا بھی انتظار کیے بغیر پیا گھر بھیج دیا۔

میں نے گریجویشن اپنے پہلے بیٹے یعنی موسیٰ کی پیدائش پہ کلیئر کیا تو ایم اے عیسیٰ کے دنیا میں آنے پہ کلیئر کیا، گویا ڈگریاں میرے بیٹے میرے لئے لے کے آئے۔

کچھ عرصہ تو اک سکول میں جاب کی لیکن پھر گھر اور بچوں کے آرام کے خیال سے جاب کو سلام کر کے گھر میں ہی اپنے ترجیح دی۔

لیکن سچ بات ہے کبھی ہم نے یوں ویلنٹائن ڈے نہ کبھی دیکھا تھا نہ سنا تھا اب ایسا بھی نہیں کہ کوئی قرون وسطیٰ کے زمانے سے ہمارا تعلق ہے، میرے کالج کے عرصے میں ہم وی سی آر پر اکثر فلمیں دیکھا کرتے تھے، کیبل تو نہیں مگر ہاں ڈش اینٹینا کئی گھروں میں لگ چکے تھے۔

کالج اور یونیورسٹی کی کئی "عاشقانہ جوڑیوں" کے چشم دید گواہ بھی تھے، ان کو ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے اک دوسرے کے ساتھ پیریڈ بنک کر کے جاتے بھی دیکھا کرتے تھے، مگر یوں اک گلاب ہاتھ میں پکڑے آئی لو یو کا کارڈ بغل میں دبائے، سرخ Heart shape غبارے اور کیک تو نہ دیکھے تھے یا کم از کم اپنی یادداشت میں ایسا کوئی منظر محفوظ نہ تھا۔

لو بھلا یہ کیا بات ہوئی، محبت کے لئے کوئی اک دن مخصوص کرنا یہ کوئی تک ہے بھلا، میں نے دل میں سوچا بڑھ کر ٹی وی کو آف کرنے لگی کہ یکا یک خیال آیا کہ کتنا عرصہ بیت گیا، میں نے عثمان کو محبت کا احساس نہیں دلایا، یا پھر عثمان نے ہی مجھے کوئی ایسا لمحہ سونپا ہو کہ محبت کا مان میری رگ رگ میں دوڑا ہو۔

وہی لگی بندھی زندگی، صبح نماز کے لئے اٹھنے سے رات دوبارہ بستر میں گرنے تک روز وہی

گفتگو، ایک سی سوچ، وہی ساری روٹین۔

عثمان کو اپنی جاب کی ٹینشن، بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانی ہے اس کے لئے تمام تر سہولتیں ان کو میسر ہوں، اس کی مسلسل کوشش، گھر کے اخراجات، رشتہ داروں اور بہن بھائیوں کے تمام دکھ سکھ کی سانجھ، یا پھر کبھی کبھار میری طرف اک پیار بھری نظر اور پھر کوئی نئی سوچ۔

شادی کے اولین دنوں میں ہم دونوں رات کو ڈھیروں باتیں کرتے، اپنے مستقبل کے بارے میں ڈھیروں پلاننگ کرتے، اپنے بچپن کے قصے اک دوسرے کو سناتے، پھر ان باتوں میں موسیٰ اور عیسیٰ شامل ہو گئے۔

چھوٹے تھے تو موسیٰ عثمان کے پاس سوتا اور عیسیٰ میرے ساتھ اور باتوں میں موسیٰ کی ٹھنڈ اور نزلہ کے ساتھ عیسیٰ کا سیریلیک شامل ہو گیا، وقت تھوڑا اور آگے سرکا تو ان کی سکولنگ اور ایجوکیشن کے مسائل جیسے ہماری تمام باتوں پہ حاوی ہو گئے۔

اور اب جب دونوں رات کو لیٹتے تو میں اپنے گھٹنوں کے درد کی وجہ سے اور عثمان اپنے بلڈ پریشر اور کمر کے مہروں کی درد کی وجہ سے سارے دن کی تھکن سے بیزار بستر پر گرتے اور دونوں ہی اس طرح سے لیٹتے کہ جس طرح جسم جس رخ پہ لیٹنے کی اجازت دیتے، چاہتے ہوئے بھی اک دوسرے کی طرف منہ کیے ہاتھ کا گالوں کے نیچے دے کر اک دوجے سے باتیں کرنے اور دیکھنے کی ہمت نہ کر پاتے۔

لیکن آج یہ پروگرام دیکھنے کے بعد جیسے مجھے احساس ہوا کہ ابھی اتنا بھی وقت ہاتھ سے گزرا نہیں۔

میں تھوڑی سی پرجوش ہوئی، فوراً دماغ میں ترتیب دینے لگی کہ آج کچھ الگ کیا کروں کہ ویلنٹائن ڈے منایا جا سکے۔

ایک اچھا مینیو، اچھی سی سرخ ڈریسنگ، اک اچھا سا تحفہ، مینیو کے لئے میں نے مچھلی کا سالن اور چکن کے کباب کا انتخاب کیا کہ عثمان کو بلڈ پریشر اور دل کی کچھ تکلیف سی تھی اور مرغن غذائیں تو ویسے ہی منع تھیں۔

پلاؤ، بھنا قیمہ، چکن جلفریزی بھی بنانے کا سوچا کہ موسیٰ اور عیسیٰ کو یہی پسند تھا، عثمان کو میٹھے میں کھیر اور بچوں کو میکرونی سیلڈ ود کریم اور آلمنڈ کیک پسند تھا، یہ چیزیں فوراً میں نے بازار سے منگوانے والی لسٹ میں لکھ دیں۔

بھئی اب نہ تو میں کسی فلم یہ ناول کی ہیروئین ہوں کہ جھٹ پٹ سب کچھ تیار کر لوں اور نہ ہی میری اب ایسی عمر ہے کہ یہ سب محنت بھی سارا دن کروں اور رات کو فریش بھی نظر آؤں۔

سو کام والی شاہدہ کا انتظار کرنے کے ساتھ ساتھ سارے گھر میں سے پھیلاوا سمیٹنے لگی۔

شاہدہ کے آنے پہ اسے ساتھ لگایا اور ساری لسٹ کی تیاری میں مصروف ہو گئی، شام چار بجے تک لگاتار کام کرنے کے بعد جب میں نے گھر کی طرف نظر دوڑائی تو مکمل اک بھرپور دعوت کا سا سماں لگ رہا تھا۔

ڈائننگ ٹیبل پر سرخ چھوٹے چھوٹے دل کی شکل کے نیپکین جو کہ شاہدہ مارکیٹ سے ڈھونڈ لائی تھی، ٹیبل کے عین وسط میں اک بڑی سی سرخ دل والی شمع روشن تھی، سارا کچھ بہت مسحور کن سا لگ رہا تھا۔

میں دل ہی دل میں بہت خوش اور آپ کو چپکے سے بتاؤں بہت رومانٹک بھی ہو رہی تھی۔

جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی، اپنی وارڈ روب کھولا اور مناسب لباس ڈھونڈنے

لگی۔

"لو جی کرلو گل، میرے پاس اک بھی سرخ جوڑا نہیں، اب بتائیں ذرا اس عمر میں سرخ جوڑا کیسے بنا سکتی ہوں۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔" میں نے اک بار پھر تمام نئے کپڑوں پر نظر دوڑائی۔

اک سرخ پھولوں والا گرم سوٹ مجھے نظر آیا، لمبی سٹائلش سی فراک نما قمیض اور ٹراؤزر۔

میں نے وہی نکالا اور جلدی سے غسل خانے کی طرف بڑھی کہ شاور لے کر جلدی سے فریش ہوسکوں۔

واش روم میں آئینے میں خود پر نظر پڑی تو احساس ہوا کہ تھوڑی سی تھریڈنگ پلکنگ بھی توجہ طلب ہے، گو کہ میں نے خود کو بالکل ڈھیلا نہیں چھوڑا ہوا۔

چالیس کو پہنچ گئی تو پھر کیا، ہر ماہ فیشل تو ضرور کرواتی ہوں اور اپنا وزن تو پچھلے دس پندرہ سالوں سے ایسا مین ٹین کیا ہے کہ اب تو ایک پاؤنڈ بھی اوپر نیچے نہیں ہوتا، مناسب سراپا آج بھی مجھے بہت سوں سے ممتاز رکھتا ہے۔

جلدی سے دھاگہ نکال کر فالتو بال کھینچ، موئسچرائزر کریم سے اچھا مساج کیا، ایک گھنٹہ خود پہ صرف کرنے کے بعد میں کمرے سے نکلی تو بالکل اپنے گھر کی طرح چمک دمک رہی تھی۔

اسی وقت باہر دروازے کی گھنٹی بجی، جلدی سے پاؤں میں نازک سے سٹریپ والے نئے شوز اٹکائی میں جلدی جلدی دروازہ کھولنے کے لئے لپکی، موسیٰ دروازے پہ کھڑا تھا۔

"واہ ماما، کہیں جا رہی ہیں۔"

مگر آج تو کسی کی طرف نہیں جانا تھا۔

"ناں۔ موسیٰ نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے دروازہ بند کیا اور موسیٰ کے پیچھے چپ چاپ چل پڑی۔

"واؤ امیزنگ ماما، اتنی پیاری ڈائننگ ٹیبل ماما، آئی لو یو ماما، آپ کو ویلنٹائن ڈے یاد تھا، یہ میرے لئے ہے ناں ماما۔" موسیٰ نے پر یقین لہجے سے پوچھا۔

"جی میری جان، آپ کے لئے۔" میں تو گڑبڑا ہی گئی۔

اسی وقت پھر بیل بجی، یقیناً اب عثمان تھے کہ سب کے گھر آنے کا وقت قریب قریب ایک ہی تھا۔

موسیٰ دروازہ کھولنے کے لئے گیا تو میں نے آگے بڑھ کر ٹی وی آن کر دیا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

عیسیٰ اور عثمان دونوں ہی آگے پیچھے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

"میری ماما، میری جان، آئی لو یو ماما۔" عیسیٰ نے باہر ہی زور زور سے پکارنا شروع کر دیا۔

میں کچن میں سالن اور پلاؤ وغیرہ سب ڈش میں ڈال رہی تھی اور مسلسل مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر رقصاں تھی۔

"میرے پیارے بچے، کتنا خوش ہو رہے ہیں ناں۔"

دونوں اندر کچن میں آئے اور حسب عادت مجھے گال پہ پیار کرنے کے بعد میری مدد کروانے کے لئے برتن اور دیگر لوازمات باہر ٹیبل پر سیٹ کرنے لگے، ساتھ ساتھ دونوں آپس میں باقاعدہ نوک جھونک رہے تھے کہ یہ سب کس کے لئے کیا گیا ہے، ماما کا ویلنٹائن کون ہے۔

میں جب چائے بنا کے فلاسک میں ڈالے باہر آئی تو موسیٰ اور عیسیٰ تو ٹیبل پہ بیٹھے میرا انتظار کر رہے تھے، مگر عثمان صوفے پر ایک طرف

ڈھیلے ڈھالے سے بیٹھے تھے۔

''آجائیں عثمان آپ بھی۔'' میں نے ایک پیار بھری نظر عثمان پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''نہیں بھئی، تم لوگ انجوائے کرو، کھاؤ میں تم لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکوں گا، آج لنچ میں تھوڑی بد پرہیزی کرلی تب سے پیٹ خراب ہے، اب میں یہ سب کھا کے مزید خراب نہیں کرنا چاہتا۔'' عثمان نے بیزار سے لہجے میں جواب دیا۔

''عثمان پلیز میں نے آپ کے لئے مچھلی کا شوربہ اور چاول بھی بنائے ہیں آپ وہ کھالیں۔'' میں نے مان بھرے لہجے میں کہا۔

''ہاں کھالوں تاکہ کل پھر آفس جانے کے قابل نہ رہوں اور یہ ویلنٹائن ڈے والی خرافات تم نے کب سے پال لی ہیں۔'' عثمان نے کوفت سے جواب دیا، موسیٰ اور عیسیٰ دونوں بغور ہماری باتیں سن رہے تھے۔

ان دونوں کے انداز میں بے چینی تھی کہ جلدی سے فیصلہ ہو اور کھانا شروع کیا جائے، اس عمر میں یوں ہی بھوک ستاتی ہے۔

ان کو دیکھتے ہوئے میں چپ کر کے ٹیبل پہ فلاسک رکھتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''ماما آپ نے پاپا کے لئے یہ سب کیا تھا ناں۔'' موسیٰ نے شرارت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''یہ موسیٰ بھی ناں، کیسے میرے اندر کی بات بھی جان لیتا ہے، شاید سب اولادیں اپنے ماں باپ کی اندر کی خواہش کو یوں جان لیتی ہیں۔'' میں نے بہت پیار بھری نظروں سے موسیٰ کو دیکھا۔

''میری جان تو میرا بیٹا ہے، کیا میں نے آپ کے لئے آپ کی پسند کی ڈشز نہیں بنائیں کیا۔'' میں نے موسیٰ سے پوچھا۔

''ماما میں بھی آپ کا بیٹا ہوں ناں، سب سے پیارا والا بیٹا۔'' عیسیٰ نے اپنی آنکھوں میں شرارت سموتے ہوئے موسیٰ کو دیکھتے ہوئے مجھے کہا۔

''جی آپ تو میرے ایک ہی بہت چھوٹے سے بیٹے ہو عیسیٰ۔'' میں نے اس کو لاڈ بھرے لہجے میں کہا۔

''اب اگر یہ ماں بیٹوں کی لاڈ بازی ختم ہو گئی ہو تو میرے لئے مونگ کی دال کی کھچڑی بنا دینا۔'' عثمان نے سر صوفے کی ٹیک سے لگاتے ہوئے کہا۔

''یہ کھچڑی تو شاید میری قسمت میں لکھ دی گئی ہے، میری بری میں کپڑے لتے کے ساتھ یہ مونگ کی دال بھی میری چھاتی پہ مونگ دلنے کے لئے لائی گئی تھی شاید۔'' میں نے کڑھتے ہوئے سوچا۔

کرسی سے اٹھتے ہوئے بے ساختہ میرے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر ٹھہر گئے۔

''اُف۔'' درد کی تیز لہر پورے بدن کو نڈھال کر گئی تھی۔

یہ سارا دن کوکنگ اور سٹینگ کی نظر ہو گیا اور اب خیال آرہا تھا کہ میں نے دوپہر کا کھانا اور دوائی دونوں ہی اس چکر میں گول کر دیئے تھے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اٹھی۔

''ہاں بھئی اپنے بیٹوں کے لئے یہ سب اہتمام کرتے ہوئے تھکن نہیں ہوئی اور اک سادی سی کھچڑی کے لئے اب ان سے چلا نہیں جا رہا۔'' عثمان نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''عثمان میں نے آپ کے لئے آپ کی پسند کی ڈشز بھی بنائی ہیں۔'' میں نے تڑکتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

''ظاہر ہے اب کچن میں تھی تو سوچا ہوگا کہ اس کے لئے بھی اک آدھ چیز بنا ہی دوں۔''
عثمان نے جواب دیا۔

''ہاں آپ کے لئے تو کبھی کچھ بنایا ہی نہیں ناں۔'' میں نے تپ کر کہا۔

''ہماری ایسی قسمت کہاں، ذرا فراز بھائی اور بھابھی کو دیکھو، لوگوں کی بیویاں کیسے ان کی خدمت کرتی ہیں اور شوہر پھر بھی ان کو دبا کے رکھتے ہیں، اک میں ہوں آج تک کبھی تمہیں کچھ کہہ دوں تو تم تو لڑنے مرنے پر اتر آتی ہو۔''
عثمان نے اپنا ہی راگ الاپا۔

''لوگوں کے شوہر اپنی بیویوں کو عیش بھی بہت کراتے ہیں، تحائف، کھانے، روپیہ پیسہ نہ روک ٹوک نہ طعنے، آپ کی طرح نہیں ہوتے، سارا دن اپنے درد کی پروا کیے بغیر جناب کے لئے گھر سجایا، کام کیا اور آتے ہی لعن طعن شروع۔'' میں نے روہانسے لہجے میں کہا۔

موسیٰ اور عیسیٰ آرام سے کھانا کھا رہے تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ وقتی گرما گرمی ہے نہ تو ماما کہیں جائیں گی اور نہ ہی پاپا رہ سکتے ہیں ماما کے بغیر،

میں پاؤں پٹخ بھی نہ سکتی تھی کہ گھٹنوں میں شدید درد تھا، عثمان بھی جلدی اٹھ کر بیڈ روم میں نہ جان جا سکتے تھے کہ کمر میں درد تھا، میں نے خاموشی سے کھچڑی پکائی، عثمان کے آگے میز پر رکھی اور کمرے میں آ کر کپڑے بدلنے لگی، درد شدید ہو رہا تھا، اس لئے کراہتے ہوئے بیڈ پر لیٹ گئی۔

عثمان نے بھی کپڑے تبدیل کیے اور اپنی درد کی دوائی کھا کر بیڈ کے دوسری طرف لیٹ گئے۔

''اُف یہ بیگانگی، اس عمر میں بھی کیسے دل دکھاتی ہے۔'' میں نے بہتی آنکھوں کو صاف کرتے سوچا۔

''فائقہ یہ لو دوائی کھا لو، مجھے پتہ ہے تم نے غصے میں دوائی نہیں کھائی ہوگی، پھر رات کو درد سے بے چین رہو گی۔'' عثمان نے میرا کندھا ہلاتے ہوئے کہا۔

''مجھے پتہ ہے تم نے یہ سب میرے لئے کیا تھا اور آج تم اچھی بھی بہت زیادہ لگ رہی تھی۔''
عثمان نے آہستہ سے کہا۔

میں نے اٹھ کر عثمان پر اک شکایتی نگاہ ڈالی اور ان کے ہاتھ سے دوائی لے کر کھا لی، پانی سائیڈ پر رکھا اور پھر دونوں لیٹ گئے۔

''آج پتہ نہیں کمر درد بھی زیادہ کیوں ہے۔'' عثمان نے غنودگی میں کہا۔

''ہاں آج میرے بھی گھٹنوں میں زیادہ درد ہے۔'' میں نے نیند بھرے لہجے میں کہا۔

''عثمان ہیپی ویلنٹائن ڈے۔'' میں نے اچانک نیند سے ہڑبڑا کر جاگتے ہوئے کہا۔

''مگر...... ایں یہ کیا۔'' کمرے میں گہری خاموشی تھی۔

عثمان کے خراٹوں کی گونج دار آواز اس خاموشی میں اک ردھم پیدا کر رہی تھی، گھڑی رات کے ڈھائی بجا رہی تھی۔

''شاید میں 'ہیپی ویلنٹائن ڈے' کہنے سے پہلے تھوڑا اونگھ گئی تھی۔'' میں نے گھڑی کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

اور کراہتے ہوئے کروٹ لے کر عثمان کے سینے پہ ہاتھ رکھ کر پھر سو گئی۔

عثمان نے میرے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر پتہ نہیں کچھ بڑبڑایا تھا یا پتہ نہیں خراٹا کچھ اور انداز سے لیا تھا، مجھے خود نیند آ رہی تھی، لیکن مجھے وہ خراٹے بھی 'ہیپی ویلنٹائن ڈے' کہتے ہوئے لوری سنا رہے تھے۔

☆☆☆

گرمی خوب زوروں پر تھی، وسط جون کے دن تھے، سورج اپنی تمام تر شعاعیں جیسے آج ہی زمین پر برسانے پر تلا ہوا تھا، رائحہ بینک کے اے سی کی قدرے خنک فضا سے نکل کر باہر دھوپ میں آئی تو جھلتی دھوپ نے اسے تپانے کا پختہ ارادہ کرلیا، ستم در ستم کہ اسے کافی دور تک سواری کے لئے پیدل مارچ کرنا پڑا تھا، اسے روزانہ شاہان بینک ڈراپ کرتا ہوا آفس جاتا تھا وہ واپسی پر خود گھر چلی جاتی تھی ان دونوں کے آف کی ٹائمنگ مختلف تھی۔

''رکشہ۔'' گرمی کی شدت نے اس کا موڈ سخت آف کردیا تھا، اسے دور سے رکشہ آتا دکھائی دیا تو وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتی ایڈریس بتائے بناء سوار ہوگئی تھی۔

''حلیم پلازہ کے سامنے نیو کالونی جانا ہے۔'' رکشہ ڈرائیور نے پلٹ کر اسے منتظر نگاہوں سے دیکھا تو اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا، وہ دل میں خائف نرمی سے اسے ایڈریس سمجھانے لگی، ڈرائیور نے رکشہ اسٹارٹ کردیا۔

''بھائی میں نے صبح بھی ڈیڑھ سو کرایہ دیا تھا تمہیں بھی اب یہی دوں گی۔'' وہ گھر پہنچنے تک پسینے میں شرابور ہوچکی تھی، شدید گرمی نے اس کی گندم کی بالی سی سنہری رنگت کو جھلسا دیا تھا، رکشے والے نے مطلوبہ ایڈریس پر رکشہ روکا تو وہ قطعیت بھرے لہجے میں کہتی اسے پیسے تھما کر یہ جا وہ جا، رکشہ ڈرائیور اسے قدرے تحیر سے دیکھتا رہ گیا، کرایہ چونکہ مناسب تھا سو اس نے بھی بحث فضول سمجھی تھی، ڈیڑھ سو ملنے پر بھی مطمئن تھا۔

''اف گاڈ۔'' وہ گیٹ کھول کر اندر داخل ہوئی تو فضا میں بسی خاموشی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ شاہان گھر نہیں ہے، وہ کافی نڈھال ہوچکی تھی، وہ لاؤنج میں آئی تو احساس تھکن شدت اختیار کر گیا، لاؤنج ویسا ہی بے ترتیب تھا جیسا وہ صبح چھوڑ کر گئی تھی، ناشتے کے گندے برتن سینٹرل ٹیبل پر پڑے تھے جن پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں، رائحہ کی نفاست پسند طبیعت پر گراں گزرا تھا، شاہان نے صبح نہانے کے بعد گیلا تولیہ بھی صوفے پر گولے کی صورت پھینک دیا تھا جس سے عجب بو سی آرہی تھی، اس نے اک نزاکت سے دو انگلیوں سے تولیہ اٹھایا اور بالکونی میں تار پر پھیلا دیا، پھر وہ کمرے میں آگئی اس نے اے سی آن کردیا اور بیڈ پر دراز ہوگئی، کمرے خاصا معقول حالت میں تھا، ذہن کو آسودگی ملی تو بھوک کا احساس جاگنے لگا، اس نے بھوک نظر انداز کرکے سونے کی کوشش کی لیکن نیند کسی روٹھے سجن کی طرح لاڈ اٹھوانے کے موڈ میں تھی، اس کا موڈ فی الحال نیند تو کیا شاہان کے ناز اٹھانے کا بھی نہ تھا، وہ کچن میں چلی آئی کچن کی بے ترتیبی بھی لاؤنج سے کم نہ تھی، چائے کی خالی دیگچی چولہے پر رکھی تھی جس میں صبح چائے بنائی گئی تھی، پتی اور چائے خشک ہوکر دیگچی کے پیندے میں موٹی تہہ کی صورت جم چکے تھے، رائحہ غصے سے کھول اٹھی، وہ نفاست پسند اور صفائی پسند تھی، اسے بے ترتیبی سے سخت چڑ تھی جبکہ شاہان کی زندگی میں ترتیب نام کی کوئی چیز نہ تھی، وہ آفس جانے کے لئے تیار ہوتا تو پورا گھر بے ترتیب ہوتا، اس کے گندے کپڑے کہیں تو گیلا تولیہ کہیں پڑا ہوتا تھا، جس روز رائحہ پہلے گھر سے نکلتی تو اسے گھر یونہی تلپٹ ملتا تھا، رائحہ نے آملیٹ بنایا اور بریڈ کے ساتھ کچن میں موجود چھوٹی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانے لگی، اس کا موڈ کچھ اور بنانے کا نہ تھا پھر وہ اپنے لئے چائے بنانے لگی، اس نے چائے تیار ہونے تک لاؤنج اور کچن خاصا سمیٹ لیا تھا، وہ چائے کپ میں ڈال کر گندے برتن دھونے لگی، دو افراد کے کتنے برتن ہونے تھے مگر اسے تھکاوٹ اور جھنجھلاہٹ کے باعث یہ بھی زیادہ لگ رہے تھے، وہ برتنوں سے فارغ ہوکر چائے لے کر اپنے کمرے میں آگئی، اے سی آن ہونے سے کمرہ ٹھنڈا ہوچکا تھا، وہ چائے ختم کرکے اپنا کپ دھو کر کچن میں رکھ آئی، اسے گندے برتنوں سے نجانے کیوں سخت چڑ تھی، وہ واپس آکر بیڈ پر دراز ہوئی تو نیند نے ماں کی طرح اسے اپنی نرم آغوش میں سمولیا۔

☆☆☆

وہ گھر میں داخل ہوا تو شام کا ملگجا اندھیرا پھیل چکا تھا، اس نے کمرے میں جھانکا، رائحہ محو خواب تھی، اس نے رائحہ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا، رائحہ اور اس کے پاس گھر کے مین گیٹ کی ایک ایک چابی تھی، سو دونوں کو گھر کا گیٹ کھلنے کے انتظار کی زحمت نہ سہنا پڑتی تھی، وہ لنچ آفس میں کرچکا تھا اس وقت چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی، وہ اپنے لئے چائے بنا کر لاؤنج میں آکر صوفے پر بیٹھ گیا اور کشن کہنی کے نیچے ٹکاتے ہوئے ٹی وی آن کرلیا، رائحہ کی آنکھ ٹی وی کے شور سے کھل گئی، وہ لاؤنج میں چلی آئی۔

''السلام علیکم!'' شاہان نے رائحہ کے خفگی بھرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اسے سلام کیا، وہ جواب دیئے بناء ٹیبل پر پڑا خالی کپ اٹھا کر کچن میں چلی گئی، شاہان اس کی صفائی پسند طبیعت سے واقف تھا اسے صبح آفس جانے کی جلدی تھی اسی لئے وہ چیزیں سمیٹے بغیر آفس چلا گیا تھا، وہ دل میں خود کو کوستا اس کے پیچھے لپکا تھا۔

''رائحہ سوری یار۔'' شاہان نے کچن میں مصروف رائحہ کے کندھوں پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف موڑا، رائحہ نے خفگی سے اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے رخ دوبارہ موڑ لیا، شاہان کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی، جسے وہ بمشکل چھپاتا رائحہ کی طرف بڑھا وہ نہیں چاہتا تھا اس کی مسکراہٹ جلتی پر تیل کا کام دے اور رائحہ کی خفگی بڑھے، وہ اسے جلد از جلد منانا چاہتا تھا، وہ رائحہ کی لمحہ بھر کی خفگی نہ سہہ سکتا تھا وہ اسے اتنا عزیز تھی کہ شاہان نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا ہوا تھا، وہ دو بچوں کی ماں بن کر ابھی تک خود بچہ بنا پھرتی تھی، شاہان کو اکثر اپنی مما سے ڈانٹ سننا پڑتی تھی انہیں رائحہ کی حد درجہ شوخ و کھلنڈری فطرت پسند نہ تھی، مما کے خیال میں رائحہ احساس ذمہ داری سے بالکل نابلد ہے وہ مما کی ڈانٹ سن لیتا مگر رائحہ کے لاڈ اٹھانے سے باز نہ آتا تھا، اب تو مما کا چند ماہ قبل انتقال ہوچکا تھا۔

''یار سوری۔'' شاہان نے باقاعدہ کان پکڑ لئے، رائحہ کی ہنسی چھوٹ گئی، شاہان نے سکھ بھری طویل سانس لی، رائحہ بھی اس سے زیادہ دیر تک خفا نہ رہ سکتی تھی۔

''آپ مما کے گھر سے افنان اور لائبہ کو لے آئیں، میں آپ کے آنے تک ڈنر تیار کرتی ہوں۔'' رائحہ دوپہر میں گرمی و تھکن کے باعث بچوں کو اپنی مما کے گھر سے نہ لا سکی تھی، وہ صبح جاتے ہوئے بچوں کو میکے میں چھوڑ جاتی تھی، جو اسی کالونی میں تھا، رائحہ نے دل کی منتشر دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے اسے پیچھے دھکیلا، اس کا دل شاہان کی قربت میں مچل رہا تھا اور ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگی تھیں، مقصود صرف اسے یہاں سے بھیجنا تھا تاکہ وہ سکون سے کام کرسکے ورنہ وہ شاہان کی محبت بھری قربت میں کچھ نہ کرپاتی، اس نے صبح بھی برائے نام کا ناشتہ کیا تھا اور دوپہر میں بریڈ کھا کر گزارا کیا تھا، اس کے پیٹ میں بھوک سے چوہے ناچ رہے تھے، وہ جلد از جلد کھانا تیار کرنا چاہتی تھی۔

"اوکے سرکار! جو آپ کا حکم۔" شاہان نے فدویانہ انداز میں چہرے پر مسکینیت طاری کرلی، رائحہ کے دلکش چہرے پر گہری مسکراہٹ چھا گئی تھی۔

☆☆☆

وہ بچوں کو لے کر گھر لوٹا تو کھانا تیار تھا، وہ دونوں کھانا کھا کر بچوں سمیت سیر کے لئے تیار ہونے لگے، رائحہ شاہان کی محبت اپنا حق سمجھ کر وصول کرتی تھی، وہ اپنی بہنوں میں سب سے حسین و منفرد تھی اسے بچپن سے سراہا گیا تھا، وہ اپنی ستائش کی اتنی عادی ہو چکی تھی کہ اسے اب یہ اپنا حق لگتا تھا کہ وہ ہمیشہ ہر جگہ سراہی جائے وہ خود پرست یا خود پسند نہ تھی لیکن اسے اپنی ستائش سننا بے حد پسند تھا، یہ انسانی فطرت ہے کہ اسے اس فرد سے خود بخود محبت ہو جاتی ہے جو اسے لمحہ لمحہ سراہے، اس کی حفاظت و خیال کرے، شاہان بے ترتیب ضرور تھا مگر وہ بے حد کیئرنگ بھی تھا، وہ خود سے وابستہ رشتوں کی بے حد کیئر کرتا تھا، اسے رشتے نبھانے آتے تھے، شاہان اور رائحہ کے گھر ایک کالونی میں تھے، شاہان کی مما نے اسے کسی کے گھر دیکھا تو وہ انہیں پہلی نظر میں پسند آ گئی تھی، وہ ان دنوں بہو کی تلاش میں تھیں، شاہان الیکٹریکل انجینئر تھا اور ایک کمپنی میں بہتر پوسٹ پر تعینات تھا، رائحہ ایم بی اے کے بعد بینک میں جاب کر رہی تھی، دونوں کے گھر والوں کو رشتہ مناسب لگا اور ان کی چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا، شاہان اس پر جان چھڑکتا تھا، اس کی محبت بے لوث و کھری تھی، جبکہ رائحہ اس کی محبت کو اپنا حق سمجھ کر خاصا مغرور ہو چکی تھی۔

اس کی جاب بھی شاہان سے بہترین تھی، اسے ناز تھا کہ وہ شاہان سے زیادہ پے لے رہی تھی، وہ اسی زعم میں اکثر شاہان سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر بدتمیزی بھی کر جاتی اور نرم مزاج و نفس شاہان محض اس کی محبت میں نظر انداز کر جاتا تھا۔

"چلیں جناب!" رائحہ چند لمحوں بعد تیار ہو کر آئی تو اس نے ادائے دلربائی سے شاہان کو جانے کا اشارہ کیا، وہ بلیک اور میرون کنٹراسٹ سوٹ میں سادگی میں بھی دمک رہی تھی اس نے میک اپ کے نام پر صرف آنکھوں میں کاجل لگایا تھا، وہ ہر روپ میں شاہان کو پسند تھی اس نے شاہان کا پسندیدہ ڈریس اور میچنگ ایئر رنگز پہنے تھے۔

"ہائے ظالم۔" شاہان ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا کہ رائحہ نے اس کے بازو پر ہولے سے چٹکی بھری، شاہان گڑبڑا گیا، رائحہ کی ہنسی چھوٹ گئی، اس اس کے گالوں پر پڑنے والے ایئر رنگز کے عکس سے اس کی دلکشی بڑھ گئی تھی، شاہان نے آفس سے آ کر ڈریس چینج نہ کیا تھا، وہ آئینے میں اپنا تنقیدی جائزہ لے کر پورچ میں آ گیا جہاں گاڑی میں رائحہ بچوں سمیت موجود تھی۔

☆☆☆

شاپنگ مال پر خلاف معمول بہت رش تھا، رائحہ کو پچھلے تین گھنٹوں سے کوئی ڈریس پسند نہ آیا تھا، شاہان اس کے ساتھ پریڈ کرتے کرتے تھک چکا تھا پھر بھی خاموشی سے اس کا ساتھ دے رہا تھا، رائحہ شاپنگ کیے بغیر گھر جانے کا نام لینے والی نہ تھی، یہ شہر کا سب سے مہنگا اور رائحہ کا پسندیدہ شاپنگ مال تھا وہ ہمیشہ یہیں سے شاپنگ کرتی تھی۔

"شاہان، یہ ڈریس کیسا ہے۔" بالآخر اسے ایک ڈریس پسند آ ہی گیا اس نے چہرے پر بیزاری، کوفت اور لاتعلقی طاری کیے شاہان کو

مخاطب کیا، رائحہ شاپنگ کے معاملے خصوصاً ڈریسنگ میں بے حد چوزی تھی اس نے بیگ میں پیک میرون و سبز کنٹرسٹ سوٹ شاہان کے آگے کیا، شاہان نے کلمہ شکر ادا کیا۔

"یہ بہت مہنگا ہے رائحہ، تم کوئی اور ڈریس دیکھ لو۔" شاہان کی آنکھوں میں بھی ستائش ابھری تھی جو اگلے لمحے پیکٹ پر لگے پرائس ٹیگ پر نظر پڑتے ہی ماند پڑ گئی تھی، سوٹ کی قیمت اس کی مہینے بھر کی تنخواہ کے تقریباً نصف کے برابر تھی، اس نے نرمی سے رائحہ کو مشورہ دیا، وہ اسے خفا بھی نہ کرنا چاہتا تھا اور اسے سوٹ کی پرائس بھی جیب پر بھاری لگ رہی تھی، وہ شاپنگ کی خواری سے بیزار ہو چکا تھا اسی لئے اس نے رائحہ کے سوٹ پسند کر لینے پر سکون بھرا سانس لیا تھا جس میں پرائس ٹیگ دیکھتے ہی اگلے لمحے تشویش کا رنگ غالب آ چکا تھا، اسے رائحہ کی خفگی کا احساس بھی ستانے لگا تھا، اگر رائحہ اس سے خفا ہو جاتی تو اس کی محض رائحہ کی خاطر جھیلی گئی کئی گھنٹوں کی خواری بے کار جاتی۔

"آپ فکر نہ کریں یہ میں "اپنی" پے سے لے لوں گی۔" رائحہ اپنی پسند سے با آسانی دستبردار ہونے والوں میں سے نہ تھی، اسے کئی گھنٹوں کی خواری کے بعد سوٹ پسند آیا تھا، پھر وہ کیسے بھلا سوٹ نہ خریدتی، شاہان کے چہرے پر بیک وقت خفت و غصے کے آثار ابھرے تھے، جنہیں رائحہ نے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے سوٹ خرید لیا تھا۔

☆☆☆

"شاہان بیٹا تم گھریلو کام کاج کے لئے ایک کل وقتی ملازمہ رکھ لو۔" اس روز رائحہ ماں کی طرف آئی ہوئی تھی، اس کی طبیعت کچھ روز سے گری گری سی تھی، مما (ساس) جب تک زندہ تھیں وہ رائحہ کے گھر آنے تک کئی کام نپٹا چکی ہوتی تھیں وہ گھر کے تمام کام خود کرنے کی عادی تھیں، ان کی ڈیتھ کے بعد رائحہ کو جاب کے ساتھ گھر بھی سنبھالنا پڑتا تھا، موسم تبدیل ہو رہا تھا جس سے رائحہ کی طبیعت کچھ ناساز تھی، شاہان اور اس کے تعلقات میں اک عجب سی سرد مہری در آئی تھی، جسے رائحہ اپنی بے نیازی و لاپرواہی میں بالکل محسوس نہ کر پائی تھی اور شاہان نے بھی اسے کچھ باور نہ کرایا تھا، شاہان آفس سے واپسی پر رائحہ کو لینے کے لئے آیا تو رائحہ کی مما نے بیٹی کی ناساز طبیعت کی وجہ سے اسے مشورہ دیا تھا۔

"آنٹی! آپ کی نظر میں کوئی با اعتماد ملازمہ ہو تو مجھے بتائیں۔" رائحہ کی سنہری رنگت میں زردیاں گھلنے لگی تھیں اور چہرے کی رونق بھی ماند پڑ چکی تھی، اس کے چہرے کی پژمردگی نے شاہان کو خفت سے دوچار کر دیا، رائحہ بے نیاز و لاپرواہ تھی وہ تو ایسا نہ تھا، اسے اپنی کوتاہی پر غصہ آنے لگا۔

"سائرہ کی ملازمہ کی بہن ہے، وہ دیکھی بھالی اور با اعتماد بھی ہے۔" انہوں نے فوراً دیورانی کی ملازمہ کا حوالہ دیا، رائحہ شادی سے پہلے ہل کر خود پانی تک نہ پیتی تھی کجا کہ سارا گھر سنبھالنا، وہ بیٹی کی ناز برداریوں سے بخوبی واقف تھیں انہیں اپنی تمام بیٹیوں میں سے اسی کی سب سے زیادہ فکر رہتی تھی، اکثر ان کی دوسری بیٹیاں ان کی رائحہ کے لئے حد درجہ تشویش پر خفا ہو جاتی تھیں، آخر وہ ایک ماں تھیں اور ماں کا دل اولاد کی معمولی تکلیف پر بھی تڑپ اٹھتا ہے۔

ملازمہ آنٹی کے توسط سے تھی تو وہ یقیناً با اعتماد ہی ہوتی، شاہان نے فوراً رضامندی ظاہر کر دی تھی آنٹی مطمئن ہو کر داماد کے لئے کھانا لگوانے اٹھ گئیں، رائحہ بینک سے سیدھا ادھر آئی

تھی وہ بیٹی کو کھانا پکانے کی تردد سے بچانا چاہتی تھیں، شاہان نے انکار کرنا چاہا لیکن انہوں نے پرزور اصرار سے اسے منوالیا تھا۔

☆☆☆

رائحہ کو گھر آئے گھنٹہ بھر سے زائد ہو چکا تھا، نوراں (کام والی ملازمہ) ابھی تک نہ آئی تھی، وہ اگلے روز سے ہی کام پر آ گئی تھی اور وقت کی خاصی پابند تھی، گو وہ بااعتماد تھی مگر رائحہ نے اسے گھر میں اکیلا چھوڑنا مناسب نہ سمجھا، اس نے ملازمہ کو تین بجے کا ٹائم دے رکھا تھا، رائحہ گھر آ کر اپنا اور بچوں کا کھانا بناتی تھی پھر نوراں آجاتی تو وہ سارے گھر کا کام کرتی تھی نوراں کو کام سے فارغ ہوتے ہوئے رات کے دس بج جاتے تھے۔

”نوراں آج اتنی دی کیوں کر دی۔“ گیٹ پر بیل ہوئی تو رائحہ نے گیٹ کھولتے ہی نوراں کو دیکھ کر فوراً استفسار کیا، نوراں کی روئی ہوئی سرخ آنکھوں اور سوجے ہونٹ نے اسے متفکر کر دیا تھا، نوراں کا شوہر نشئی تھا اور کوئی کام کاج نہ کرتا تھا، نوراں کو ہی اپنا اور بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے محنت مزدوری کرنا پڑتی تھی، وہ خاموشی سے رائحہ کا سوال نظر انداز کرتی کچن میں چلی گئی، رائحہ نے بھی مزید کوئی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے کمرے میں جا کر سو گئی، اس کی آنکھ شاہان کی آواز سے کھلی، نوراں خلاف معمول خاموش تھی، وہ زیادہ باتونی تو نہ تھی لیکن وہ رائحہ سے جلدی فری ہو گئی تھی۔

☆☆☆

”کیا؟ وہ تمہیں مارتا پیٹتا ہے اور تم دن رات محنت کر کے اسے اور اس کے بچوں کو پال رہی ہو، تم بچوں کو اس کے حوالے کر کے چار دن اپنے میکے رہ آؤ تا کہ ذرا اس کا دماغ بھی ٹھکانے آئے نشئی کہیں کا، ہڈ حرام۔“ اس روز اتوار تھا، نوراں اتوار کو صبح ہی آجاتی تھی، نوراں کام پر آئی تو اس کا چہرہ سوجا ہوا تھا، ماتھے پر بڑا سا گومڑ اور بازو پر کہنی کے قریب گہرے جامنی رنگ کا بڑا سا نیل پڑا ہوا تھا، نوراں کا سارا جسم درد سے دکھ رہا تھا، رائحہ نے نوراں کے لاکھ ٹال مٹول کے باوجود بھی اس سے حقیقت اگلوا کر دم لیا تھا، نوراں نے اس کے سوال کو پہلے کی طرح نظر انداز کرنا چاہا مگر وہ حقیقت جاننے پر مصر تھی، ناچار نوراں نے اسے ساری حقیقت بتا دی۔

اس کا نشئی شوہر اپنا نشہ پورا کرنے کے لئے اسے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتا تھا، نوراں نے رائحہ کو بتایا تو وہ غصے سے بپھر گئی اور نوراں کو گھر چھوڑنے کا مشورہ دیتے ہوئے اس کے شوہر کو برا بھلا کہنے لگی، رائحہ جیسی نازک ونفیس لڑکی کے لئے یہ ناقابل برداشت تھا۔

”نہ......نہ بی بی جی نہ، وہ سائیں ہے میرا، میرا مالک۔“ نوراں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے وہ رونا بھول کر سختی سے رائحہ کو ٹوکنے لگی، اس کے لہجے میں شوہر کے لئے محبت وعقیدت تھی، عورت وفا ومحبت کے خمیر سے گندھی ہوتی ہے اسے مرد کا بننے میں زیادہ دیر نہیں لگتی ہے، رائحہ جیسی پڑھی لکھی اور اپنی خود مختاری پر نازاں لڑکی بھونچکا رہ گئی، اسے نوراں سے یہ امید نہ تھی، اس کے لہجے سے چھلکتی محبت نے غالباً اسی کا درد کم کر دیا تھا اسی لئے اس کے آنسوؤں میں کمی آ گئی تھی رائحہ کا منہ تحیر سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

”نوراں! وہ جب دل کرتا ہے تمہیں روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتا ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ وہ تمہارا مالک ہے۔“ رائحہ کی حیرت کم ہونے کا نام نہ لے رہی تھی۔

”تو بی بی جی، مجھے اس سے زبان نہیں

چلانی چاہیے تھی نا، بیوی کا فرض ہے کہ وہ اپنے مرد کا ہر حکم مانے، میں اگر اسے کچھ پیسے دے دیتی تو اس کا ہاتھ نہ اٹھتا۔“ دوسری طرف نوراں کی عقیدت کم نہ ہو رہی تھی اسے اپنے شوہر کی کوئی غلطی یا قصور نظر نہ آ رہا تھا، وہ خود کو قصوروار گردان رہی تھی۔

”نوراں تمہاری کمائی پہ صرف تمہارا حق ہے تم جیسے چاہو اپنی کمائی خرچ کرو۔“ رائحہ کا خود پسند و ناز بھرا خود ساختہ بت اک چھناکے سے کرچی کرچی ہوا تھا، اس کے ذہن میں کئی واقعات تازہ ہو گئے تھے وہ لاشعوری طور پر اپنا دفاع کرنے لگی۔

”میں اس کی رعیت ہوں تو میری کمائی بھی تو اسی کی ہوئی نا۔“ نوراں صرف پانچ کلاس پاس تھی لیکن وہ عقل وشعور اور فہم میں اعلیٰ تعلیم یافتہ رائحہ کو مات دے چکی تھی، رائحہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا، اس نے اک سوٹ کی خاطر شاہان کی بھرے مال میں انسلٹ کی تھی، اس نے وہاں موجود لوگوں کی پرواہ کیے بغیر شاہان پر اپنی کمائی کا رعب جھاڑا تھا، اسے ہمیشہ سے خود پر بہت زعم ہو رہا تھا اور اس کے زعم وناز میں اضافہ شاہان کی بے انتہا چاہت نے کیا تھا، اسے کبھی اپنی غلطی کا احساس نہ ہوتا اگر نوراں کی باتیں اس پر آگہی کا در وا نہ کرتیں، وہ تعلیم یافتہ تھی لیکن باشعور نہ تھی جبکہ نوراں باشعور تھی لیکن تعلیم یافتہ نہ تھی، انسان صرف تعلیم سے نہیں سیکھتا ہے اسے شعور وتحیر بات بھی زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھاتے ہیں۔

وہ تو یہاں اکیلی تھی اور نوراں اس کے سامنے مسلسل اپنے شوہر کا دفاع کر رہی تھی اسے اپنے شوہر سے محبت تھی یا وہ اپنی ذات کے زعم میں مبتلا نہ تھی، بہرحال کچھ ہی وہ رائحہ کی ہر دلیل کا جواب دے کر اسے خاموش کروا چکی تھی، رائحہ کو اچھی طرح یاد تھا شاہان کا موڈ کچھ روز آف رہا تھا اور اس کے انداز میں نامحسوس طریقے سے اجنبیت وبے گانگی عود آئی تھی، جسے اس نے درخور اعتناء نہ جانا تھا، اسے کہیں اپنی غلطی نظر ہی نہ آئی تھی، اس نے ایک آدھ بار شاہان سے اس کی بیگانگی کا شکوہ کیا تو شاہان نے سہولت سے اسے ٹال دیا تھا اور اس نے بھی اپنا وہم سمجھ کر سب کچھ بھلا ڈالا تھا۔

رائحہ اپنی سیلری اپنی مرضی وپسند سے خرچ کرتی تھی، اس نے کبھی شاہان کو اپنی سیلری نہ دی تھی اور نہ ہی کبھی اس نے رائحہ سے پیسے مانگے تھے وہ شرمندگی میں گھری بیٹھی تھی اسے احساس ندامت کچوکے لگا رہا تھا اسے یہ احساس شدت سے ستانے لگا تھا کہ وہ اس کا وہم نہ تھا۔

جاہل وکم تعلیمیافتہ نوراں نے اس کی آنکھوں پر بندھی خود پسندی وفخر وناز کی پٹی اتار دی تھی، آنکھوں پر بندھی پٹی کھلی تو اسے سامنے کا منظر صاف اور واضح دکھائی دینے لگا تھا، نوراں اسے سوچوں میں گم چھوڑ کر اپنے درد سے چور جسم کو گھسیٹتے ہوئے اپنے کام تیزی سے سمیٹنے لگی، رائحہ کی پرسوچ نگاہیں نوراں پر جمی تھیں جس نے انجانے میں تعلیمیافتہ رائحہ کو باشعور بنا دیا تھا۔

رائحہ عورت کی خود مختاری کی قائل تھی اور نوراں، مرد کی رعیت میں بھی بہت آسودہ تھی، اس کا چہرہ اطمینان کی روشنی سے دمک رہا تھا۔

اسلام میں مرد حاکم ہے نہ کہ آقا اور عورت مرد کی رعیت ہے نہ کہ اس کی محکوم یا غلام، شاہان نوراں کے شوہر سے لاکھ ہا درجہ بہترین تھا تو پھر وہ کیوں نہ خود کو اس کی رعیت میں دیتی، ابھی تو اسے شاہان سے معافی بھی مانگنا تھا، راستہ صاف وواضح ہو تو بھٹکا انسان بھی منزل پا لیتا ہے۔

☆☆☆

''آپ کب آئے؟'' وہ اپنی ہی سوچوں میں مستغرق تھی کہ زوردار دھماکے کی آواز پر وہ خوفزدہ سے انداز میں چونکی تھی اور الماری کا دروازہ کھینچ کر بند کرنے کے بعد واش روم میں کی طرف بڑھتے فرضام آفندی کو دیکھ وہ پہلی فرصت میں بیڈ سے اتری تھی اور اس تک لپک کر پہنچی مگر وہ اس کے سوال کے جواب میں ایک قہر بھری نگاہ اس پر ڈالتا واش روم میں گھس گیا تھا دروازہ اتنی زور سے بند کیا تھا کہ وہ پورے وجود سے لرز اٹھی تھی، اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی، کہ اس نے گھر میں گھستے ہی اپنے مزاج کا پتہ دے دیا تھا اور وہ تو اس کے اس آتشی روپ سے خوف کھایا کرتی تھی، کچھ دیر بعد آ کر وہ بیڈ پر لیٹ گیا۔

''فرضام! کھانا کھالیں۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے اسے پکارا تھا مگر اس کی پوزیشن ہنوز رہی تھی اور وہ لب کچلنے لگی تھی کہ اس نے اسے ایسا کوئی حق دیا ہی نہ تھا کہ وہ پیار سے اس پر جھک کر اسے اٹھا دیتی، یا یوں بے وقت منہ بنا کر پڑ جانے کا سبب دریافت کر لیتی، اپنی بے بسی پر آنکھوں میں آنسو لئے انگلیاں چٹخانے لگی تھی۔

ناولٹ

فرضام نے لیٹے لیٹے ہی ہاتھ بڑھا کر سیل فون ہاتھوں کی گرفت میں لیا اور ذرا سا اونچا ہو کر کمرے میں روشنی بکھیرتے انرجی سیور پر دے مارا، چھناکے کی آواز سے ساتھ ہی کمرہ تاریکی میں ڈوبا تھا اور وہ دہل کر اپنی بے ساختہ چیخ پر کنٹرول نہ کر سکی تھی جبکہ اس نے تکیہ اپنے منہ پر رکھ لیا تھا، وہ تقریباً دوڑتے ہوئے بیڈ روم سے لاؤنج تک آئی اور زمین پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھی اور روئی چلی گئی اس جانی انجانی جگہ پر اسے اپنے اکیلے پن کا احساس شدت سے ہوا تھا، وہ سسکتے ہوئے اٹھی تھی اور اسے ریسیور اٹھا کر ایک لینڈ لائن نمبر ڈائل کر دیا تھا، تیسری بیل پر

کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو، میثم آفریدی اسپیکنگ۔" کانوں میں دادا کا وہی بے لچک و دبنگ لہجہ گونجا تھا جس سے وہ تاعمر خائف رہی تھی اور آج ان حالوں کو پہنچی ہوئی تھی اس نے بے اختیار سسکی لی تھی، وہ چونک اٹھے تھے۔

"دادا ابو، میں منی!" ریسیور ان کے ہاتھ میں لرز اٹھا تھا کہ جس کو انہوں نے بہت چاہا تھا ہمیشہ اپنی نگاہ کے سامنے رکھا تھا وہ ان سے ایک ماہ سے دور تھی اور ایک ماہ بعد اس کی آواز سنی تھی تو اس میں اذیت کی رمق پا کر وہ تڑپ اٹھے تھے۔

"میں بہت اکیلی ہو گئی ہوں دادا ابو، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے پلیز میرے پاس آ جایئے، آپ کی منی کو آپ کی ضرورت ہے۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بول رہی تھی ان کا ہر عضو کان بن گیا تھا، ان کی روح تک اس کی تڑپ پر گھائل ہو گئی تھی۔

"دادا ابو، پلیز مجھے معاف کر دیں اور آ کر مجھے لے جائیں ورنہ آپ کی منی کی یہ ظالم سنگدل شخص جان لے لے گا، مجھے آ کر مرنے سے بچا لیں۔" وہ خاموش تھے اور وہ خاموش نہیں ہو رہی تھی، اپنا درد، اپنی اذیت اور بے بسی کہہ رہی تھی اور دوسری طرف وہ باقاعدہ کانپنے لگے تھے، رات گئے گھر میں داخل ہوتا خریم صلاالدین لائٹس آن دیکھ کر ہی حیران تھا کہ ان کو دیکھ حیرت بڑھی تھی اور ان کو ریسور کان سے لگائے باقاعدہ کانپتے دیکھ وہ لمحہ کے ہزارویں حصہ میں ان تک پہنچا۔

"دادا ابو!" فکر سے پکارا تھا مگر انہوں نے اس کی فکر کب محسوس کی کہ وہ تو دل و جان سے فون سے آتی اس لخت جگر کی آواز و تڑپ میں کھوئے ہوئے تھے جسے کھوئے فقط ایک ماہ ہوا تھا، خریم نے ان کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگایا اور گویا وہ بھی پتھر کا ہو گیا تھا ایک فیصد بھی امکان ہوتا کہ فون کے اس پار وہ دشمن جاں ہو گی تو وہ مر جاتا مگر ریسیور کان سے نہ لگاتا کہ اب بات اس کے اختیار سے باہر کی تھی کہ اس کی ہچکیوں کے درمیان کانپتی سی آواز سن کر وہ فون رکھ نہیں سکتا تھا۔

"دادا ابو پلیز معاف کر دیں اپنی منی کو، میں بہت تکلیف میں ہوں، آپ کی، آپ کے سہارے کی ضرورت ہے مجھے، یہ تنہائی، اکیلا پن، یہ خوف آپ کی منی کو اندر ہی اندر مار رہا ہے، آ کر اپنی منی کو مرنے سے بچا لیں۔" یہ کیسے ممکن تھا کہ منی محی الدین رو رہی ہو اور خریم صلاح الدین کی آنکھوں میں سمندر نہ اترے، وہ گہری اذیت سے دوچار ہو گیا تھا اور اس نے نم ہوتی پلکوں سے لرزتے لہجے میں اسے پکارا تھا۔

"منی!" اس کی سسکیاں یکبارگی تھم گئی تھیں، اس نے گرنے سے بچنے کو دیوار کا سہارا لے لیا تھا اس پر کیا وقت آیا تھا کہ رو رہی تھی تو آنسو صاف کرنے والا کوئی نہ تھا، لڑکھڑائی تو کسی نے تھاما نہیں ورنہ یہی تو وہ منی تھی ناں، کہ جس کے آنسو مقدس صحیفے کی مانند زمین پر گرنے نہیں دیئے جاتے تھے، جہاں وہ پاؤں دھرتی تھی کوئی پلکیں بچھا دیتا تھا اور وہ تو جیسے ہر لحاظ سے غریب ہو گئی تھی کچھ بھی نہیں بچا تھا اس کے پاس۔

"منی میں ہوں خریم، پلیز بتاؤ کیا ہوا ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟ فرضام کہاں ہے؟ کیا کہا ہے اس نے، پلیز کچھ کہو؟" وہ بے قراری سے کتنے ہی سوال داغ گیا تھا اور وہ اب کے خود پر قابو نہ رکھ سکی تھی، یوں روئی تھی کہ اس کا کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا، اس کے قدم لڑکھڑا گئے تھے اور اس نے نڈھال اور شکستہ سے کھڑے دادا کا بازو تھام لیا تھا کہ جو کل تک سہارے دیا کرتا تھا آج اسے سہارے کی ضرورت تھی، وقت نے، نصیب نے محبت کے ہرجائی پن نے اسے کتنا مفلس کر دیا تھا کہ وہ بانٹنے والوں کی صف سے نکل کر مانگنے والوں کی صف میں شامل ہو گیا تھا۔

"منی! خدا کا واسطہ تمہیں اس طرح نہ رو ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔" اس نے روتے ہوئے گویا التجا کی تھی۔

"خریم!" اس کے لبوں سے اس کا نام سسکی بن کر نکلا تھا کہ کسی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور بے دردی سے جھپٹ لیا تھا اور وہ فرضام آفندی کو خونخوار نگاہوں سے خود کو دیکھتا پا کر خوف سے پیلی پڑتی سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگی تھی کہ فرضام کے بھاری مردانہ ہاتھ کا تھپڑ اس کے چودہ طبق روشن کر گیا تھا وہ دو فٹ دور جا گری تھی۔

"بے حیا، بے غیرت عورت، مجھ سے نظر بچا کر اپنے یار سے بات کر رہی تھی۔" پڑھا لکھا، ویل ایجوکیٹڈ اور ذمہ دار عہدے پر فائز فرضام احمد اجڈ لوگوں سے بڑھ کر خود کو اجڈ ثابت کرتا اس کے بالوں کو ہاتھوں میں جکڑے مغلظات بک رہا تھا، جسے سن کر خریم کا گرم لہو وجود میں جوش کھانے لگا تھا اور اس کی چیخیں اور سسکیاں اس کا وجود سرد کرتی چلی گئی تھیں، فرضام اسے بے دردی سے مار رہا تھا جسے پھولوں کی چھڑی سے چھوا نہیں گیا تھا اور وہ پٹتے ہوئے دادا ابو کو پکارنے کے ساتھ اس کو بھی پکار اٹھی تھی اس کی پکار نے فرضام کے غصہ کو کئی گنا بڑھا دیا تھا، اس کے مارنے میں جنون کی سی ہیجانی کیفیت شامل ہو گئی تھی، اس کے لبوں پر سسکیاں دم توڑ رہی تھیں اور دوسری طرف وہ بری طرح سسکتے ہوئے ریش ڈرائیونگ کرتا ان راستوں پر سفر کر رہا تھا جہاں لوٹ کر نہ آنے کی اس نے قسم کھائی تھی، مگر فون کے اس پار سسکتی، بلکتی لڑکی کے لئے تو وہ جان دے سکتا تھا ایک قسم اور عہد کی قربانی کی کیا اوقات تھی مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ جب وہ اپنے سارے عہد توڑ کر جس پل وہاں پہنچے گا وہ وہاں نہ ہو گی کمرے کے دروازے پر لگا قفل اس پر منکشف کر دے گا کہ اس کی قسمت کا چکر ختم نہیں ہوا، یہ تو محض ابتداء تھی۔

☆☆☆

"منی! یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ ٹھنڈ لگ جائے گی۔" اسے دسمبر کی ٹھٹھرا دینے والی سردی میں یخ بستہ سیڑھیوں پر کسی شال اور گرم کپڑے کے بناء دیکھ کر وہ الجھن و فکر میں ڈوب کر بولا تھا اس نے نگاہ اٹھائی تھی سرخ آنکھیں، اس کی گریہ وزاری کی گواہ تھیں وہ تڑپ کر اس کے برابر ہی ٹک گیا تھا سردی کا جیسے احساس ہی مٹ گیا تھا۔

"منی! کیوں روئی ہو، دادا ابو نے کچھ کہہ دیا ہے؟" اس کے آنسو بے اختیار سے رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

"پلیز کچھ تو کہو؟" اس کے گھٹنے پر رکھے ہاتھ کو تھاما تھا جو بے حد سرد تھا کہ وہ کافی دیر سے یہاں بیٹھی تھی اور ٹھنڈی ہوا نے اسے بھی ٹھنڈا کر دیا تھا اور خریم کے ہاتھوں کی گرماہٹ اس کے وجود میں سنسنی سی دوڑا گئی تھی اس نے ہاتھ کھینچا اور کھڑی ہو گئی، خریم کی پکار نظر انداز کرتی لان سے ہوتی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی کہ وہ اس کے سامنے آ گیا۔

"مسئلہ کیا ہے کچھ بتاتی کیوں نہیں ہو؟" وہ متغیر سا پوچھ گیا تھا۔

"دادا ابو کے نواسے فرضام آفندی، پاکستان آ رہے ہیں اور چونکہ میرا کمرہ اس گھر کا سب سے بڑا اور خوبصورت کمرہ ہے اس لئے دادا

ابو نے اپنے نواسے کے رہنے کے لئے دوسرے کمرے میں شفٹ ہو جانے کا حکم دیا ہے۔" وہ روتے ہوئے گہرے طنز سے بولی تھی، جبکہ وہ مزید حیران ہوا تھا کہ فرضام کے وہ صرف نام سے واقف تھا اسے کبھی دیکھا نہیں تھا کہ وہ کبھی پاکستان نہیں آیا تھا دو سال قبل جب اس کے پیرنٹس آئے تھے تب بھی نہیں۔

"اب آپ خود بتاؤ خریم، کہ میں اپنا کمرہ کسی اجنبی کے حوالے کیسے کرسکتی ہوں؟" وہ اپنی ساحرانہ نگاہوں سے اسے سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"تم پریشان نہ ہو، میں دادا ابو سے بات کر لوں گا۔" اس نے نرمی سے دلاسہ دیا تھا۔

"آپ کب بات کریں گے، دادا ابو تو سو گئے ہیں اور کمرہ مجھے آج رات ہی خالی کرنا ہے، فرضام کل صبح سات بجے کی فلائیٹ سے آرہے ہیں۔" اس کی تسلی گویا کسی کام کی نہ تھی۔

"تم جا کر سو جاؤ، میں صبح نماز کے بعد بات کرلوں گا۔" ہنوز نرمی واطمینان سے بولا تھا۔

"لیکن!" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"منی! میں نے کہا نہ میں بات کرلوں گا، تم جا کر سو جاؤ۔" نرمی سے کہا تو اس نے آنسو رگڑ ڈالے تھے اور تھینکس کہہ کر آگے بڑھی تھی وہ اس کی پشت پر لہراتی لمبی ناگن سی چوٹی سے نگاہ الجھا بیٹھا تھا کہ وہ پلٹی تھی۔

"اپنی پریشانی میں مجھے آپ کا خیال نہیں رہا، آپ سفر سے آئے ہیں، کھانا لے آؤں آپ کے لئے؟" اس نے گہری سانس کھینچ کر اس پری پیکر کے حسین چہرے پر اپنی لئے پریشانی دیکھی تھی۔

"بھوک نہیں ہے اور چائے خود بنا لوں گا اس لئے تم پریشان نہ ہو۔" وہ نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا اور وہ اثبات میں گردن ہلاتی اسے اس کا وعدہ یاد دلاتی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

میثم آفریدی کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، نائلہ جو بھائیوں سے بڑی تھی اور اس کی شادی امریکہ میں مقیم پھپھی زاد سے ہوئی تھی اس کا ایک بیٹا تھا فرضام آفندی، نائلہ کی ڈیتھ سال بھر پہلے ہی ہوئی تھی جبکہ میثم آفریدی کے دونوں بیٹے اور دونوں بہوئیں آج سے تقریباً بارہ سال پہلے ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے، بڑے بیٹے کی ایک ہی بیٹی منی محی الدین تھی اور چھوٹے بیٹے کا ایک ہی بیٹا خریم صلاح الدین تھا، حادثے کے وقت منی دس سال کی تھی جبکہ خریم چودہ سال کا تھا دونوں بچوں کی پرورش میثم آفریدی نے کی تھی جو کافی سخت مزاج تھے، بیٹے بہوؤں کی اچانک موت نے انہیں مزید سخت کر دیا تھا ان دونوں کو نہیں یاد تھا کہ انہوں نے دادا کو کبھی مسکراتے بھی دیکھا ہو، وہ اصولوں اور بات کے بہت پکے تھے، منی کو ان کا سخت رویہ ہمیشہ ہی برا لگتا تھا کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ وہ ان کے ساتھ مل کر ہنسی مذاق کریں، نرمی سے پیش آئیں جبکہ وہ تو خیال بھی ایسے رکھتے تھے جیسے احسان کر رہے ہوں، یہ اس کا اپنا نظریہ وسوچ تھی جبکہ وہ دونوں ہی تو میثم آفریدی کی کل کائنات تھے، جنہیں وہ کھونے سے ڈرتے تھے، وقت وحالات نے انہیں سخت گیر بنا دیا تھا، وگرنہ وہ ان دونوں کے لئے نرم چھاؤں تھے اور یہ خریم سمجھتا تھا اس لئے ان سے خائف رہنے کی بجائے ان سے اپنی ہر بات کہنا اور منوا لیتا تھا جبکہ وہ ان سے خائف رہتے رہتے بدگمان ہو گئی تھی اور ان سے فاصلہ پر بھی، اس نے گریجویشن کے پیپرز دیئے تھے اور

رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی خریم کا شمار ملک کے مایہ ناز صحافیوں میں ہوتا تھا اور وہ ایک ہفتہ سے فیچر لکھنے کے لئے معلومات اکٹھی کرنے کے ارادے سے کراچی سے باہر گیا ہوا تھا۔

اس نے اپنی تھکن کی پرواہ کیے بغیر گیسٹ روم کی صفائی کی تھی کیونکہ ان کے ہاں کوئی آتا جاتا نہیں تھا اس لئے گیسٹ روم بند ہی رہتا تھا کہ صفائی کے لئے کل وقتی ملازمہ موجود تھی مگر جب ضرورت ہی نہ تھی تو اسے زحمت نہیں دی جاتی تھی کہ وہ وہاں کی صفائی کرے، اس لئے اب اسے صفائی کرنے میں تقریباً گھنٹہ لگ گیا تھا مگر اس کا اپنا حال بگڑ چکا تھا اور یہ اس کی نفاست پسند طبیعت سے کہاں برداشت ہو سکتا تھا اس لئے اس نے سرد موسم کی پرواہ کیے بغیر شاور لیا اور چائے پی کر کمبل تان کر سو گیا کہ دو تو بج ہی گئے تھے اور اس نے لازماً فجر میں اٹھنا تھا۔

☆☆☆

"صبح بخیر دادا ابو!" وہ ان کے سامنے جھکا تھا انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کی واپسی کب ہوئی تھی دریافت کیا تھا۔

"رات کو آ گیا تھا، جب آپ سو رہے تھے۔" وہ کہتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گیا تھا کیونکہ صبح کی چائے وہ ہی ان کے اور اپنے لئے بنایا کرتا تھا کہ ملازمہ نو بجے آیا کرتی تھی اور منی نماز پڑھ کر سو جاتی تھی کمرے سے ہی نہیں نکلتی تھی یہی برسوں کی روٹین تھی پہلے وہ چائے بنایا کرتے تھے اب اس نے یہ ذمہ داری خود سے ہی اپنے سر لے لی تھی کیونکہ جب وہ کالج جاتی تھی تو وہ تینوں ساڑھے سات بجے ناشتہ کرتے تھے اور جس دن چھٹی کرتی اس دن نو بجے ان کے ہاں ناشتہ ہوتا تھا کیونکہ ناشتہ اور کھانا پچھلے دو سالوں سے وہ بنا رہی تھی اور میثم آفریدی فجر میں اٹھنے کے عادی تھے، چائے کے ساتھ وہ بسکٹ یا پاپے ضرور لیتے تھے اس لئے انہیں ناشتہ کی پرواہ نہیں ہوتی تھی جبکہ کھانے کی ٹائمنگ وان کی برسوں پرانی تھی، دوپہر کا کھانا ڈھائی بجے اور رات کا کھانا نو بجے کھا کر دس بجے تک سو جاتے تھے اور اسی معمول کے وہ دونوں بھی بچپن سے عادی تھے۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا کیونکہ فرضام پاکستان آ رہا ہے، تم نہ ہوتے تو اسے پک کرنے مجھے جانا پڑتا، اب تم چلے جاؤ گے۔" وہ پرسکون سے بولے تھے۔

"یہ فرضام نے اچانک پاکستان آنے کا پروگرام کیسے بنا لیا؟" اس نے چائے کی ٹرے ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"محمود کو بزنس میں لوس ہوا ہے، جمع جمایا بزنس ختم ہو رہا ہے اسے لئے وہ پاکستان شفٹ ہونے کا سوچ رہا ہے۔" وہ قدرے اداسی سے بولے تھے کہ وہ تو برسوں سے یہی چاہتے تھے مگر محمود آفندی کبھی راضی نہ ہوئے تھے مگر اب حالات کے پھیرے میں آ کر جب لوٹنا چاہ رہے تھے تو ان کو کوئی خوشی نہ تھی کہ ان کی بیٹی جو نہیں رہی تھی۔

"مگر فرضام راضی نہیں اسی لئے فرضام چند ماہ کے لئے آرہا ہے تاکہ شفٹ ہونے نا ہونے کا فیصلہ کر لے۔" انہوں نے داماد کی بتائی تفصیل سے پوتے کو آگاہ کیا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں جو ہوگا اچھا ہی ہوگا ہاں میں نے فرضام کے لئے گیسٹ روم صاف کر دیا ہے، اسے یہاں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو گی۔" وہ اسے چونک کر دیکھنے لگے تھے۔

"اوہو، تو تم منی کے بلانے پر اپنا کام ادھورا چھوڑ آئے ہو۔" گہرے طنز سے بولتے ہوئے اسے ناگواری سے دیکھ رہے تھے اور اس

نے تحمل سے ساری بات بتادی تھی۔

"منی سے میں رابطہ میں نہیں تھا، رات آیا تب اس نے بتایا اور وہ غلط نہیں ہے دادا ابو، کہ آپ خود سوچیں کہ وہ اپنا کتنا سامان دوسرے کمرے میں شفٹ کرے گی؟" وہ چائے کے سپ لیتے دادا کو دیکھ رہا تھا۔

"دو سال قبل نائلہ اور محمود پاکستان آئے تھے تو محمود کو گیسٹ روم چھوٹا لگ رہا تھا اس نے ناگواری و ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا اسی لئے منی سے روم خالی کرنے کو کہا کہ فرضام، کو جانتا نہیں ہوں، اسے صرف تصویروں میں دیکھا ہے، اگر باپ کے سے مزاج کا حامل ہوگا تو خواہ مخواہ میں بدمزگی ہوگی۔" انہوں نے قدرے سنجیدگی سے اصل اسباب بتائے تھے۔

"دادا ابو جو ہوگا دیکھا جائے گا، اس کے لئے منی کو ڈسٹرب کرنے سے کیا فائدہ، کہ کسی بھی وقت یا رات کو اگر اسے کسی چیز کی ضرورت پڑی تو کیا وہ فرضام کو پریشان کرتی رہے گی؟" خریم نے دھیمے سے استفسار کیا تھا۔

"فضول بحث چھوڑو اور ائیرپورٹ چلے جاؤ، تم دونوں نے تو میری نہ سننے کا خود سے عہد کرلیا ہے، کچھ کہو تو بحث، منہ بنا کر ناراضگی کا اظہار اور دوسرا ابن جاتا ہے اس کا وکیل، تم دونوں کیے جاؤ اپنی من مانی، مگر یہ سوچنے کی ضرورت بھی نہ سمجھنا کہ میں کہہ کیوں رہا ہوں۔" وہ ناراضگی اور غصہ کا اظہار کرتے اٹھ گئے تھے اور وہ فی الوقت ان کے آسانی سے مان جانے پر شکر کرتا کمرے سے گاڑی کی چابی لانے کے لئے بڑھ گیا تھا کہ ان کے ماننے کی امید تھی مگر اتنی جلدی و آسانی سے مان جانے کی توقع نہ تھی کہ وہ ایک دفعہ بات منہ سے نکالنے کے بعد کم ہی اس سے پھرتے تھے۔

☆☆☆

"گڈ مارننگ دادا ابو!" اس کی فریش سی آواز پر وہ سب سے زیادہ چونک کر متوجہ ہوا تھا کہ وہ دونوں اس کے لہجے سے آشنا تھے اور وہ آشنائی سے پہلے ہی اس کا اسیر ہو گیا تھا کہ سامنے کھڑا شیشے سا پیکر، شہابی رنگت والے چہرے پر تیکھے نین نقش کچھ بھی نظر انداز کرنے والا نہ تھا اور وہ تو تھا ہی حسن پرست، اس کی نگاہ کا اٹھنا، اٹھ کر ٹھہرنا، اس نے شدت سے محسوس کیا تھا اور اسی قدر ناگواری سی محسوس کی تھی، مگر کچھ کہہ نہیں سکا تھا کہ میثم آفریدی ان دونوں کے تعارف کا فریضہ انجام دینے لگے تھے۔

"نائس ٹو میٹ یو منی؟" اس نے شائستگی سے کہہ کر ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھایا تھا، وہ جھجک کر ایک قدم پیچھے ہو گئی تھی۔

"منی! جا کر ناشتہ کا انتظام کرو۔" انہوں نے گڑبڑائی سی کھڑی پوتی سے اپنے مخصوص سخت لہجے میں کہا تھا اور اس نے وہاں سے جانے میں لمحہ بھی نہیں لگایا تھا تب وہ نواسے سے بولے تھے۔

"یہ پاکستان ہے امریکہ نہیں ہے۔" ان کے انداز میں سختی و ناگواری تھی وہ شرمندہ ہو گیا تھا اور سوری بھی کر ڈالی تھی، ناشتہ بہت خاموشی سے کیا گیا تھا، مگر اس کی نگاہ وقتاً فوقتاً بے اختیار سی سامنے بیٹھی سنجیدگی سے ناشتہ کرتی منی پر اٹھتی رہی تھی اور خریم یکدم ہی اشتعال کی لپیٹ میں آتا کرتی کھسکا کر اٹھ گیا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ ناشتہ تو پورا کرو۔" انہوں نے پوتے کو ناگواری سے دیکھا تھا۔

"میں کھا چکا ہوں، منی چائے مجھے کمرے میں دے دینا۔" وہ کہہ کر ٹھہرا نہیں تھا اور وہ ہاتھ میں پکڑا نوالہ پلیٹ میں رکھتی اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

"تھینکس خریم۔" وہ چائے کا مگ اس کو پکڑاتی اس کی مشکور ہوئی تھی۔

"اٹس او کے؟ اور تم ذرا سنبھل کے رہنا کہ فرضام یہاں نیا ہے، ہم اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے، سمجھ رہی ہو نا میری بات۔" وہ اس کی غیر متوقع بات پر حیران تھی مگر بچی نہ تھی کہ سمجھ نہ سکتی ہو اس لئے اثبات میں گردن ہلا گئی تھی، مگر اس کے سمجھا دینے اور اس کے سمجھ لینے سے کیا ہو سکتا تھا کہ وہ تو جیسے اس کے تعاقب میں رہتا تھا جہاں وہ اپنے کمرے سے نکلی وہیں وہ آن دھمکا اور اسے بھی مارے باندھے اسے کمپنی دینی پڑتی تھی اس لئے اس نے کمرے سے وقت نکلنا کم کر دیا مگر وہ جہاں اسے دیکھا آجاتا بات کرتا اتنی نرمی اور شائستگی سے تھا کہ وہ اپنی ناگواری بھی ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

"آپ کو کچھ چاہیے تھا؟" اس کو پاکستان آئے تقریباً بیس دن ہو گئے تھے اور وہ اس سے زچ ہو چکی تھی کہ اس کی نگاہوں کی چمک اسے ڈسٹرب کر دیتی تھی، اس وقت بھی اس نے خود کو لاپرواہ ظاہر کرنا چاہا تھا مگر اس کی نگاہیں خود پہ جمی محسوس کر کے وہ جھنجھلا کر پوچھ بیٹھی تھی۔

"نہیں، بور ہو رہا تھا تو سوچا، تم سے بات کرلوں، تمہاری کوئی دوست نہیں ہے کیا کہ میں نے تمہیں کبھی کہیں جاتے نہیں دیکھا، نہ ہی فون پر گپ شپ کرتے پایا۔" وہ بے تکلفی سے ماربل کے سلیب پر چڑھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"فرینڈز ہیں مگر اسکول کالج کی حد تک کہ دادا ابو کو کہیں آنا جانا پسند نہیں ہے۔" وہ بریانی کو دم دیتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولی تھی جبکہ اس کی نگاہ اس کے تراشیدہ بدن اور خمدار زلفوں سے الجھنے لگی تھی۔

"تمہارے بال بہت حسین ہیں منی۔" اس کے ہاتھ میں کسٹرڈ کا پیالہ لرز کر رہ گیا تھا اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا وہ بے باکی سے مسکرایا تو اس کی نگاہ جھک گئی تھی اور پیشانی سرد موسم میں بھی عرق آلود ہو گئی تھی۔

"مجھے لڑکیوں کے لمبے بال بہت اچھے لگتے ہیں۔" وہ یکدم ہی اس کے سامنے آ گیا تھا وہ ناگواری سے اسے دیکھتی دو قدم پیچھے ہوئی تھی اور اس نے مڑ کر پیالہ سلیب پر رکھا تھا ارادہ پلٹ کر کچن سے نکل جانے کا تھا مگر اس نے اس کی ناگن سی چوٹی پکڑ کر یوں کھینچا تھا کہ وہ درد سے بلبلاتی اس کے وجود سے آ لگی تھی۔

"تم بہت حسین ہو منی میں پہلی ہی نظر میں دل ہار بیٹھا تھا۔" وہ اس کی کمر کے گرد حصار کھینچتے ہوئے وارفتگی سے بولا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے چھوڑیے مجھے۔" وہ اس کی گرفت میں مچلی تھی۔

"منی! کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟" اس نے شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا کہ اب تک اس کی پشت فرضام کے سینے سے لگی تھی۔

"شٹ اپ۔" وہ چلا کر اس کے حصار سے نکلی تھی اور میثم آفریدی کو دروازے میں ایستادہ دیکھ کر بے اختیار ان کی طرف لپک کر ان کے سینے سے جا لگی تھی، انہوں نے غصے سے کانپتے ہوئے اسے دیکھا، وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی اور وہ ان کی قہر بھری نظروں کے مطالب و مفاہیم پر غور کیے بنا، جو کچھ دیر پہلے اس سے کہہ گیا تھا ان سے بھی بلا جھجک کہہ ڈالا۔

"گرینڈ پا میں منی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے دادا کے سینے سے سر اٹھایا وہاں

سے دوڑ لگا دی، لاؤنج میں کھڑا خریم حیران سا اسے پکارتا رہ گیا تھا مگر وہ ٹھہری نہیں اور وہ کچن کی طرف آ گیا کہ میشم آفریدی اسے دور سے ہی دہلیز پر کھڑے نظر آ گئے تھے۔

"اپنی چاہت اپنے تک محدود رکھو، کیونکہ منی بچپن ہی سے خریم کے ساتھ منسوب ہے۔" وہ گرج کر بولے تھے وہ حیران سا کھڑا تھا اور اس کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے۔

"منگیتر ہی تو ہے، بیوی تو نہیں جو مجھ سے شادی نہیں ہو سکتی، مجھے منی سے محبت ہو گئی ہے۔" وہ حیران کھڑے خریم کو گھور کر سختی سے بولا تھا۔

"شٹ اپ، تم یہاں مہمان ہو، بہتر ہوگا کہ چند ماہ یہاں رہ کر لوٹ جاؤ، ہماری زندگی کو ڈسٹرب نہ کرو۔" وہ اسے گھورتے سختی سے بہت کچھ باور کرواتے وہاں سے نکل گئے تھے۔

"میں منی سے محبت کرنے لگا ہوں، تم میری محبت کی راہ میں نہ آنا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" وہ خریم کو دھمکاتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا۔

☆☆☆

"پلیز منی، انکار نہ کرو، میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا۔" وہ ایک ہی گھر میں کب تک اس کے سامنے سے محفوظ رہ سکتی تھی، اٹھارہ گھنٹوں بعد وہ پھر سابقہ سوال کے ساتھ اس کے سامنے تھا اس نے سرخ آنکھوں سے اس کی التجا بھری لو دیتی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"آپ فضول میں مجھے پریشان نہ کریں کہ آپ نے مجھے اب پریشان کیا تو میں دادا ابو سے آپ کی شکایت کر دوں گی۔" اسے اس کی آنکھوں میں جذبے تو دکھائی دیے تھے مگر جذبوں میں سچائی محسوس نہ ہوئی تھی، اس لئے پہلے سے زیادہ سختی و ناگواری سے بولی تھی۔

"میں خود چاہتا ہوں تم گرینڈ پا سے کہو، ہماری شادی کی بات کرو، یقین کرو میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں، تمہارے بنا رہ نہیں پاؤں گا اور گرینڈ پا تمہاری شادی زبردستی خریم سے کر دیں گے۔" وہ پہلے سے زیادہ ملتجیانہ لہجے میں بولا تھا مگر وہ اس کے انکشاف پر اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

"میں جانتا تھا کہ تمہیں خبر تک نہ ہوگی جبکہ گرینڈ پا کے کہنے کے مطابق تم خریم کی بچپن کی منگیتر ہو، مگر تمہیں بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ تم پر تو صرف فیصلے لاگو کیے جاتے ہیں۔" اس نے مختصر دنوں میں ہی ہر چیز کا صحیح سے جائزہ لیا تھا ان کی سختی بھی محسوس کی تھی اور اس کا چڑنا بھی، اس لئے اب کے اس نے اس سے اس کے مزاج کے مطابق بات کی تھی۔

"جب ان کا دل کرے گا وہ تمہیں زبردستی تمہاری مرضی جانے بغیر خریم کی دلہن بنا دیں گے اور ایسا ہوا تو میں جیتے جی مر جاؤں گا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ میں پاکستان آیا ہی صرف تمہارے لئے ہوں، تمہاری محبت میرے نصیب میں لکھی جا چکی تھی اور وہی نصیب مجھے پاکستان تم تک لے آیا۔" وہ لہجے میں محبت کا جہان آباد کیے اس کی آنکھوں میں جھانکتا کہہ رہا تھا۔

"مجھ سے میری محبت نہ چھینو، یقین کرو میری محبت کا منی اور مجھ سے شادی کر لو کہ اب تمہیں اپنا کر ساتھ لئے بنا لوٹا تو میں زندہ لاش بن کر لوٹوں گا کہ میرا دل تو تمہاری دراز زلفوں میں اٹک گیا ہے، تمہاری ایک جھلک پر قربان ہو گیا ہے اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم مجھے محبت کے تختہ دار پر لٹکا کر سولی چڑھا دو، یا میری محبت کو اپنا کر مجھے مرنے سے بچا لو۔" وہ حیرت سے اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے دیکھ رہی تھی اس کا دل فرضام کے لئے موم بن کر پگھلنے لگا تھا کہ اس

نے اتنی والہانہ محبت کا اظہار پہلی دفعہ کسی نے کیا تھا، اسے اپنا آپ ہوا میں اڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

"میرے سارے فیصلے دادا ابو کرتے ہیں، آپ کو اپنا مقدمہ ان کی عدالت میں لڑ کر ہی جیتنا ہوگا۔" نہ جانے اس نے کیسا طلسم پھونکا تھا کہ وہ نرمی سے کہتی نکلتی چلی گئی تھی اور آنسو پور پر چن کر پھونک سے اڑاتا دلکشی سے مسکرا دیا تھا کہ اسے اپنی منزل بہت قریب نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

"منی کا اب دوبارہ نام بھی اپنی زبان پر نہ لانا۔" اس نے اپنے ذہن و دل کی بات کہنا شروع ہی کی تھی کہ وہ غصہ سے بھڑک کر بولے تھے۔

"آخر کیوں؟ اگر میں منی سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو اس میں برائی ہی کیا ہے؟" وہ ناگواری سے بولا تھا۔

"برائی ہے کیونکہ وہ خریم کی منگیتر ہے اور جب میں ایک دفعہ منع کر چکا تو بس بات ختم، بار بار ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟" وہ اسے نہایت ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"معنی کیوں نہیں رکھتا گرینڈ پا مجھے منی سے محبت ہو گئی ہے تو ذکر کیسے نہ کروں؟" وہ ان کے غصہ و ناگواری کو کسی خاطر میں نہ لایا تھا۔

"او کے کرو ذکر، دو اپنا پرپوزل، مگر ایسا کر لو گے تو بھی کیا حاصل، کہ منی کا سرپرست ہونے کے ناطے میں نے ہی اس کی زندگی کا فیصلہ کرنا ہے اور میں فیصلہ کر چکا ہوں، منی کی شادی خریم سے ہوگی؟" وہ اب کے اپنے جاہ و جلال کے ساتھ گرجے تھے اور وہ ان کے کمرے کے دروازے پر ساکت رہ گیا تھا۔

"یہ فیصلہ آپ اکیلے کیسے کر سکتے ہیں، زندگی منی کی ہے اس کی مرضی تو پوچھ لیں کہ وہ کس کے ساتھ گزارنا چاہتی ہے۔" وہ ضبط کرتے کرتے بھی بدلحاظی سے بولا تھا۔

"یہ میں جاننا ضروری نہیں سمجھتا کہ منی کے لئے اول و آخر فیصلہ میں نے ہی کرنا ہے اور جب مجھے اس کے اقرار و انکار کی پرواہ نہیں تو تم کس گنتی میں ہو؟" وہ خشونت سے بولے تھے۔

"آپ زیادتی کر رہے ہیں، آپ کو میرے بارے میں ایک دفعہ تو منی کی رائے پوچھنی چاہیے اور مجھ میں کیا برائی ہے جو آپ اتنی سختی سے انکار کر دیا ہے، میں خریم سے کسی طرح کم نہیں ہوں۔" اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے انہیں قائل کرلے۔

"میں نے ایسا کچھ کہا بھی نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ منی کی زندگی کا فیصلہ ہو چکا ہے، اس کی شادی خریم سے ہوگی، تم چند ماہ کے لئے پاکستان آئے ہو، یہاں رہو اور واپس چلے جاؤ، میرے لئے مسائل کھڑے نہ کرو، میں جانتا ہوں تم وقتی اٹریکشن کو محبت کا نام دے رہے ہو۔" اسے بے بس پا کر وہ دھیمے پڑ گئے تھے، جبھی نرمی سے سمجھانے والے انداز میں بولے تھے۔

"آپ میرے جذبات کی توہین کر رہے ہیں۔" اس نے کسی قدر ناگواری سے کہا تھا۔

"حقیقت بیان کی ہے برخوردار، کہ تم جس ملک سے آئے ہو وہاں یہ سب عام ہوگا مگر یہ پاکستان ہے، ہم اصولوں اور بات کے پکے ہیں، جو فیصلہ ہو گیا سو ہو گیا، اس لئے حقیقت تسلیم کر لو۔" وہ اس کے سامنے سے ہٹے اور بیڈ پر جا کر بیٹھ گئے تھے اور اسے ناچار کمرے سے جانا پڑا تھا اور وہ یہاں ناکام ہونے کے بعد کچھ اور سوچنے لگا تھا کہ اگر انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا تو وہ بھی تو بہت کچھ طے کر کے ہی اتنی دور سے یہاں آیا تھا۔

☆☆☆

"میں یہاں رہنے کے ارادے سے آیا تھا کہ ڈیڈ پاکستان شفٹ ہونا چاہتے ہیں، مگر میں یہاں اب نہیں رہ سکتا کہ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا، اسی لئے اپنا ارادہ بدل کر واپس جا رہا ہوں، کبھی نہ آنے کے لئے۔" وہ لان میں پودوں کو پانی دے رہی تھی، آہٹ پر مڑ کر دیکھا تھا اور اسے سفری بیگ کے ساتھ کھڑے، دیکھ کر وہ اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی تب اس نے دلگرفتگی سے لفظ لفظ پر زور دے کر کہا تھا۔

"کاش کہ میں یہاں نہ آتا، یا تم سے محبت نہ ہوتی۔" وہ اب اس کی نم آنکھوں کو متحیر سی دیکھ رہی تھی۔

"ہو سکے تو زندگی میں کبھی فرصت ملے، یا ذہن و دل اجازت دیں تو ایک لمحہ کے لئے ہی مجھے سوچ لینا کہ تمہاری ایک لمحہ کی سوچ کیسے میرے دل میں اترے گی یہ میں تمہیں کبھی سمجھا نہ سکوں گا کہ میرے دل میں تو تمہارا مجھے دیکھنا اور غور سے سننا بھی اتر گیا ہے اور میرے جینے کے لئے تو یہ بھی کافی ہے کہ کسی لمحہ تم نے مجھے غور سے دیکھا تھا، توجہ سے سنا تھا۔" اس نے رخسار تک آئے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑ ڈالے تھے۔

"اپنا آپ تمہارے پاس چھوڑ کر اجازت چاہتا ہوں، میری دعا ہے تم ہمیشہ خوش رہو، فی امان اللہ۔" اس نے اب کے مسکرا کر کہا تھا اور متحیر سی ساکن کھڑی منی پر الوداعی نگاہ ڈالتا آگے بڑھنے لگا تھا اور جیسے اس کا سکتہ بھی ٹوٹا تھا۔

"فرضام! آپ پلیز نہ جائیں، میں دادا ابو سے بات کروں گی، انہیں شادی کے لئے منالوں گی۔" اس نے اسے پکارا تھا اور اس کے پلٹتے ہی کسی طاقت کے زیر اثر بولتی چلی گئی تھیں۔

"وہ نہیں مانیں گے، شاید ہمارے پیار کے نصیب میں وصل ہی نہیں ہے۔" وہ اس کو دیکھ یاسیت سے اب کے "میں" کی جگہ "ہم" کا صیغہ لگا کر بولا تھا۔

"میں منالوں گی۔" وہ نم پلکوں سے پریقین لہجے میں بولی تھی۔

"نہیں منی گرینڈ پا نے تمہارے لئے اچھا ہی فیصلہ کیا ہوگا کہ وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں تمہارے لئے غلط فیصلہ نہیں کر سکتے، اس لئے ان سے بات کرنے، منانے کی ضرورت نہیں کہ میرے لئے یہی کافی ہے کہ محبت کے آسمان پر میں چاند بن کر اکیلا نہیں رہا اس کی چاندنی اس کے ہر سو پھیلی ہے، تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے، میرے زندہ رہنے کے لئے تو یہ بھی کافی ہے۔" وہ اس کی ساحرانہ بھیگی آنکھوں میں دیکھتا جذبوں سے چور لہجے میں بولا تھا۔

"محبت کی مجھے خبر نہیں فرضام، مگر لگتا ہے کہ آپ یوں اداس سے چلے گئے تو اداسی میرے گرد حصار کھینچ دے گی، میں صرف ایک بار دادا ابو سے بات کر کے دیکھنا چاہتی ہوں تاکہ زندگی کے کسی لمحہ میں مجھ پر منکشف ہو کر مجھے آپ سے محبت ہو گئی تھی تو مجھے احساس زیاں نہ ستائے کہ میں نے آپ کو پانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔" وہ سچائی سے بولی تھی کہ اسے اس سے محبت نہ ہوئی تھی مگر اس کے جذبے اس کے دل پر اثر کرنے لگے تھے اسی لئے وہ قسمت آزما لینا چاہتی تھی۔

"اور زندگی کے کسی لمحے تم پر یہ منکشف ہو گیا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہی نہ تھی تب کیا کرو گی؟" وہ اس کے صبیح چہرے کو گہری نگاہوں سے دیکھتا سوال داغ گیا تھا۔

"میری زندگی میں کوئی نہیں ہے، جو اظہار

آپ نے کیا وہ کبھی کسی نے نہیں کیا، میں نہیں جانتی کہ محبت کیا ہوتی ہے؟ اور آپ کی محبت میں کتنی سچائی ہے، لیکن میرا دل مجھ سے کہتا ہے کہ میں آپ کو جانے نہ دوں بس اس لئے کہا پلیز نہ جائیں۔" وہ اس کی نظروں سے کنفیوژ ہوتی حیا آمیز لہجے میں بولی تھی، خریم کچھ فاصلے پر ہی تھم گیا تھا وہ اسے بچپن سے جانتا تھا، اس نے اس کے کتنے ہی روپ دیکھے تھے مگر آج اس کے سامنے ایک نئی ہی منی کھڑی تھی اور اس کا یہ نیا پن اس کو بے چین کر گیا تھا کہ وہ واضح طور پر اس کی آنکھوں میں فرضام کا عکس محبت بن کر لہراتے دیکھ رہا تھا اور یہ دیکھنا اسے تڑپا کر رکھ گیا تھا اور اس کے دل سے آہ نکلی تھی جو اس کے سینے میں ہی اس کی محبت کی طرح دبی رہ گئی تھی وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اس میں کیا کمی تھی کہ اس کے سچے جذبے اتنا قریب رہنے کے بعد بھی اس پر اثر انداز نہ ہوئے تھے اور ایسا کیا تھا اس کے سامنے کھڑے شخص میں کہ محض پچیس دنوں میں ہی وہ اس کی آنکھوں میں محبت بن کر سما گیا تھا؟ اس کے جذبے بلکنے لگے تھے، محبت بین کر رہی تھی مگر وہ لب سیے، اسے سن رہا تھا جو اسے اپنے پرایا ہونے کا احساس سونپ رہی تھی۔

"میں آپ سے محبت نہیں کرتی، آپ تو کرتے ہیں ناں، میں اپنے لئے نہیں آپ کے لئے آپ کی بن جاؤں گی۔" وہ بھیگی پلکوں سے مسکائی تھی، فرضام کے دل میں اس کی مسکراہٹ اتر گئی تھی، اب وہ اسے متحیر سا دیکھ رہا تھا اور اسے یکدم شرمندگی سی ہوئی تھی کہ وہ لڑکی کتنی سچی تھی ذہن و دل کی بات سچائی سے کہہ رہی تھی اور وہ کیا کر رہا تھا، اسے دھوکا دے رہا تھا، اس نے نگاہ چرالی تھی۔

☆☆☆

"دادا ابو! بات آپ کے فیصلہ سے رو گردانی کرنے کی نہیں ہے، منی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی، میں بھی اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تو آپ کو ہی اپنا فیصلہ بدلنا پڑے گا۔" وہ اس کے انکار پر غصہ سے بے قابو ہو رہے تھے اس نے بڑے ضبط سے کام لے کر نہایت آہستگی سے کہا تھا۔

"تم جانتے ہو نہ تم دونوں کو میرے فیصلہ کو ماننے میں کوئی مسئلہ ہے تو بس اپنا انتظام کر لو۔" وہ دونوں ہی ان کے اتنے کڑے فیصلہ پر انہیں تڑپ کر دیکھ رہے تھے۔

"میرے فیصلہ اور خواہش کے مطابق منی کی شادی صرف تم سے ہوگی، منی کو اعتراض ہے تو میں اس کی شادی اس سے کر دوں گا جس سے یہ کرنا چاہتی ہے لیکن......" وہ ان دونوں کو باری باری دیکھتے تھمے تھے اور ان کی لیکن کے پیچھے چھپے طوفان کی آہٹ ان دونوں کو ہی مضطرب کر گئی تھی۔

"اس کے بعد اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔" وہ سنگدلی کی انتہا کر گئے تھے وہ دونوں ان کو بے یقینی سے دیکھ رہے تھے۔

"دادا ابو یہ صحیح ہے کہ میں خریم سے شادی نہیں کرنا چاہتی کہ میں نے ان کے بارے میں ایسے کچھ نہیں سوچا تھا۔" وہ نم لہجے میں اپنے دل کی بات کہہ رہی تھی۔

"فرضام سے شادی پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں آپ کی مرضی کے خلاف جا کر شادی نہیں کرنا چاہتی، کہ میرا تو ہر رشتہ آپ ہیں میں آپ سے تعلق توڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی، اس لئے آپ جو چاہے میرے لئے فیصلہ کر دیں، مجھے اعتراض بھی ہوا تو زندگی کے ہر معاملے کی طرح یہاں بھی اف نہ کروں گی۔" اپنے آنسو

رگڑتی آگے بڑھنے لگی تھی کہ خریم نے اس کی کلائی جکڑ لی تھی۔

"تم سر جھکانے کو راضی ہو گی، میں نہیں، مجھے اعتراض ہے اور میں کسی کے لئے بھی یہ شادی نہیں کروں گا، چاہے کوئی مجھے اپنی زندگی سے ہی کیوں نہ بے دخل کر دے۔" وہ دادا کو ناراضگی سے دیکھتا، درشتگی سے کہتا اس کی کلائی آزاد کر کے کمرے سے ہی نکلتا چلا گیا تھا۔

"خریم تم سے محبت کرتا ہے، تمہاری محبت میں قربانی دے رہا ہے۔" وہ جو ساکت سی کھڑی تھی دادا کی آواز پر چونکی اور اس کی حیرت کئی گنا بڑھ گئی۔

"جبکہ فرضام تمہارے ساتھ سچا نہیں، وہ جس ماحول میں پلا بڑھا ہے تم وہاں کے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں کر سکو گی اس لئے سوچ کر بہت سمجھ کر فیصلہ کرو۔" وہ پوتے کی خاطر اپنے خول سے کچھ باہر نکل آئے تھے کہ انہیں خریم بہت عزیز تھا اس میں ان کے مرحوم بیٹے کی بہت شباہت تھی، وہ اس کے جذبوں سے واقف تھے، اسے دکھی نہیں دیکھ سکتے تھے اس لئے وہ پوتی کی آنکھوں میں جذبے دیکھ بھی نظر چرا گئے تھے کہ ان کا شعور ان سے کہتا تھا کہ فرضام اس کے ساتھ مخلص نہیں، وہ ایسا کیوں سوچتے تھے، انہیں ایسا کیوں لگتا تھا، وہ خود نہیں جانتے تھے مگر ایسا تھا ضرور، اسی لئے آج اظہار بھی کر ڈالا تھا۔

"میرے ساتھ کون مخلص ہے کون نہیں، میں نہیں جانتی نہ ہی یہ سمجھ پا رہی ہوں مگر میں آپ سے یہ کہوں گی کہ میرا ذہن و دل سچائی جاننے کے بعد بھی خریم کی جانب نہیں جھک رہا اب آپ جو فیصلہ لیں۔" وہ ان کو پریشان کرتی وہاں ٹھہری نہ تھی اور اس کے جاتے ہی وہ مضطرب سے بستر پر بیٹھ گئے تھے۔

☆☆☆

"ڈیڈ! چڑیا تو قید میں آ گئی ہے لیکن اس کے سرپرست اعلیٰ، میرے گرینڈ پا ولن بنے ہوئے ہیں، بٹ یو ڈونٹ وری، ہو گا وہی جو ہم چاہتے ہیں۔" وہ دلکشی سے ہنسا تھا اور وہ گیسٹ روم کی دہلیز پر گومگو کی سی کیفیت میں جم گئے تھے۔

"اس سب میں منئی کی دولت تو ہمیں مل جائے گی لیکن میرے دل کا کیا ہو گا جو اس کے معصوم حسن سے متاثر ہونے لگا ہے؟" وہ باپ سے بہت بے تکلفی سے بولا تھا۔

"دل لگ جائے تو بسا لینا، نہ لگے تو آزاد تو کرنا ہی ہے ناں، کہ یہ مت بھولو کہ یہاں تم بیوی ہی نہیں بیٹا بھی چھوڑ گئے ہو، تمہارا مقصد صرف دولت کا حصول ہے۔" انہوں نے بیٹے کے بہت کچھ یاد دلایا تھا اور بہت کچھ ساتھ ہی باور بھی کروایا تھا۔

"جی یاد ہے اپنا مقصد، اور اسی کے حصول کے لئے تو میں کتنے عرصے سے جھوٹ بول رہا ہوں اداکاری کر رہا ہوں۔" اس نے قہقہہ لگایا تھا اور میثم آفریدی وہیں سے پلٹ گئے تھے کہ وہ سوچ بھی ہیں سکتے تھے ان کا داماد اور نواسا ایسے ہوں گے، نہیں وہ کیسے نہیں سوچ سکتے تھے کہ وہ یکدم ماضی میں چلے گئے تھے کہ کیسے محمود آفندی نے ان کی نازوں پلی بیٹی کو اپنا اسیر بنا لیا تھا اور وہ کیسے باپ کے مقابل آن کھڑی ہوئی تھی اور انہوں نے اس کی شادی تو کر دی تھی مگر دل میں گرہ لگ گئی تھی اس لئے وہ پوتی سے نرمی سے پیش نہیں آ سکے تھے کہ لاشعور میں بات چھپی تھی کہ ان کی نرمی کا ان کی بیٹی نے ناجائز فائدہ اٹھایا تھا پوتی بھی ایسا ہی کچھ کرے گی اس لئے وہ اس کے لئے چٹان بن گئے تھے، محمود آفندی کی نیت کا لالچ تو شادی کے چند ماہ بعد ہی کھل گیا تھا اس

لئے نائلہ باپ سے نگاہ چراتی انہوں نے جو کچھ دیا وہ لے کر وہاں سے چلی گئی تھی، سامنے یہی بات تھی کہ محمود پاکستان نہیں آنا چاہتا تھا جبکہ نائلہ ایسا نہیں چاہتی تھی اور دو سال پہلے بھی صرف اس لئے آئی تھی کہ اسے کینسر تشخیص ہو گیا تھا وہ مرنے سے پہلے باپ سے ملنا چاہتی تھی اور جب وہ پاکستان آئے تھے انہوں نے تب ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ منئی کو ہی اپنی بہو بنائیں گے اور اس پر عمل اب کیا تھا جھوٹ بول کر فرضام کو پاکستان بھیجا تھا، بزنس مس کرائسس کا اس لئے کہا تھا کہ نائلہ والی غلطی منئی نہ دہرائے اور میثم آفریدی سے قطع تعلقی اختیار نہ کرے کہ ان کے پاس نائلہ کی دولت کے توسط سے جما جمایا بزنس اور اس کے دم سے خوشحال زندگی تھی بس ان کی نیت میں فتور و لالچ تھا، نیت بھرتی ہی نہ کہ انہیں لگتا تھا کہ نائلہ باپ سے نہ کٹتی تو انہیں مزید دولت ملتی رہتی تھی، اس لئے بیٹے کو اپنی روش سکھا کر پاکستان بھیج دیا تھا جبکہ حوا کی بیٹی بھی آدم کے بیٹے کے جال میں پھنس گئی تھی، کہ ان کی فطرت کا حصہ کہ وہ محبت پر ایمان لے آتی ہیں اور جس پر ایمان لے آیا جائے اس پر شک کی گنجائش نہیں ہوتی۔

☆☆☆

"شادی کے لئے میری ایک شرط ہے۔" سب سے زیادہ متحیر نگاہ ان پر خریم نے ڈالی تھی۔

"مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے گرینڈ پا۔" وہ پرجوش سا کہہ اٹھا تھا اور اس نے کرسی کھسکائی تھی مگر اس کے اٹھنے سے قبل ہی وہ اسے بیٹھے رہنے کی ہدایت کر گئے تھے وہ سرخ چہرے کے ساتھ نگاہ جھکا گئی تھی۔

"میں منئی کی شادی خریم سے صرف اس لئے کرنا چاہتا تھا تا کہ میری جائیداد تقسیم نہ ہو اور گھر ہی میں رہے۔" اس نے بہت تڑپ کر دادا کو دیکھا تھا جبکہ خریم کی حیرت بڑھ گئی تھی، جبکہ وہ حیرت سے نہ سمجھ آنے والا انداز میں دیکھ رہا تھا اور انہوں نے چند لمحوں میں اس کی سماعتوں پر کوئی بلاسٹ کر ڈالا تھا۔

"تم سے شادی ہو گی تو ایسا ممکن نہیں ہو گا اس لئے تم اگر منئی سے شادی کرنا چاہتے ہو تو اچھی طرح سے سوچ سمجھ لو کہ میں ایک پھوٹی کوڑی نہیں دوں گا نہ ہی کوئی جہیز نہ اس گھر میں اور نہ میری تمام جائیداد میں منئی کا کوئی حصہ اور حق رہے گا۔" وہ نانا کے اس فیصلہ کو سمجھنے کی کوشش میں تھا، اسے بازی الٹتی محسوس ہوئی تھی اور وہ کم مائیگی کے احساس میں گھری آنسو بہا رہی تھی، انہوں نے اپنے فیصلہ پر اس کے چہرے پر سائے لہراتے دیکھے اور وہ اسی اطمینان سے مزید اسے دیکھتے کہہ اٹھے۔

"فیصلہ تمہیں جلد کرنا ہو گا، کیونکہ کل جمعہ ہے چار کپڑوں میں منئی کو اپنانے کو تیار ہو گے تو میں کل عصر کے بعد تمہارا منئی سے نکاح پڑھوا دوں گا ہاں تمہیں اعتراض ہوا تو کل عصر کے بعد منئی کا نکاح خریم سے ہو گا اور یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔" وہ اس کے لئے سارے در بند کر گئے تھے اور وہ ان تین لوگوں کی نگاہ کے حصار میں تھا اس نے ان دونوں کی تیز نگاہوں کو نظر انداز کیا مگر اس کی بھیگی آس اور دکھ سے لبریز آنکھوں کی التجا وہ نظر انداز نہ کر پایا کہ میثم آفریدی اسے بری طرح پھنسا چکے تھے اور وہ اپنا بھرم رکھنے کو وقتی طور پر لالچ کے حصار کو ٹھوکر مارتا ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تھا کہ وہ اپنی زبان سے پھر نہیں سکتا تھا وہ جو اپنی برائی کو بینت بینت کر رکھتا تھا کسی فائدے کے بغیر آشکار ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا اس لئے جبراً ایسا فیصلہ کر گیا تھا جو اس نے کبھی نہیں کرنا تھا اور اس کا اقرار ان

کے ہاتھوں کے طوطے اڑا گیا تھا انہیں لگا تھا کہ آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا وہ اپنے بچھائے جال میں پھنس گئے تھے ان کا پریشان ہونا خریم کی نگاہ سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔

''میں منی سے محبت کرتا ہوں، دولت کی ہوس نہیں ہے مجھے، آپ منی کو خالی ہاتھ مجھے سونپ دیں گے تو یہ بھی آپ کا مجھ پر احسان ہو گا۔'' وہ آنسو رگڑتی اٹھی تھی۔

''مجھے ساری زندگی لگا کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں، آپ نے مجھے سہارا اس لئے دیا کہ میں آپ کے بیٹے کے مرنے کے بعد بے سہارا ہو گئی تھی اور آپ کو ڈر تھا کہ آپ کی دولت اِدھر اُدھر ہو جائے گی۔'' وہ ان کے سامنے کھڑی روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور وہ یہ دیکھ نہ کہہ سکے کہ کچھ دیر قبل انہوں نے فرضام کا اصلی روپ سامنے لانے کو جھوٹ کہا تھا ورنہ دولت کی چاہ تو انہیں کبھی نہیں رہی تھی اور وہ تو انہیں بہت عزیز تھی نائلہ کے اقدام سرکشی کے سبب وہ خوفزدہ ہو کر اس پر سختی کرتے تھے ورنہ تو وہ اسے خود سے بڑھ کر عزیز تھی کہ وہ ان کے جان سے پیارے مرحوم بیٹے کی آخری نشانی تھی۔

''مگر آپ کو آپ کی دولت مبارک ہو دادا ابو، میں اس گھر سے ایک تنکا بھی نہیں لے جاؤں گی اور آپ نے جواب تک میرے لئے کیا وہ آپ کا احسان ہے مجھ پر جو مرتے دم تک چکا نہیں سکوں گی اس کا مجھے افسوس رہے گا۔'' وہ دوڑتے ہوئے وہاں سے نکلی تھی۔

''دادا ابو بات کیا ہے، آپ کیا چھپا رہے ہیں مجھ سے۔'' فرضام کے جاتے ہی وہ دادا کے قریب آیا تھا کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے استفسار کیا تھا اور انہوں نے دلگرفتگی سے اچانک سننے والی بات بتا دی تھی اور اس کے بعد وہ خود ہی سمجھ گیا تھا کہ کچھ دیر پہلے انہوں نے وہ سب کیوں کہا تھا۔

''ایسا ہوتا دادا ابو تو وہ راضی کیوں ہوتا؟'' اس نے سب سمجھ لینے کے بعد الجھ کر کہا تھا۔

''یہی میں سمجھ نہیں پا رہا اور جب شک کا شکار ہوں تو کل نکاح کیسے ہو گا کہ تم نے منی کی بات سنی تھی ناں، وہ کس قدر بدگمان ہے مجھ سے۔'' ان کی آنکھوں میں نمی پھیلی ہوئی تھی۔

''اوہوں، اب اس کا ایک ہی حل ہے کہ ہم فرضام سے کھل کر بات کر لیں کہ صرف منی کی خوشی کے لئے ہم اس شادی کے لئے راضی ہو رہے ہیں اور وہ مخلص نہ ہوا تو وہ کس قدر دکھی ہو گی کہ اس کی حساسیت سے تو آپ واقف ہی ہیں۔'' وہ اپنا دکھ بھلائے اس کے لئے متفکر تھا کہ اس کی خوشی اسے اپنی خوشی سے بڑھ کر تھی۔

''ہاں فرضام اسے بات کرنی پڑے گی، میں ذرا فریش ہو جاؤں، تب تک تم اسے لے کر میرے کمرے میں آ جاؤ۔'' وہ دھیمی چال چلتے وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے اور وہ اپنے اندر کے سناٹے سے گھبرا کر گیسٹ روم کی جانب بڑھ گیا تھا کہ اس کی آنکھوں میں اس نے جو عکس دیکھا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ عکس منفی ہو اور اس کی آنکھوں کے سارے سہانے خواب نوچ لے، اس لئے اس کا روم روم دعا کر رہا تھا کہ میثم آفریدی کو غلطی ہوئی ہو، فرضام آفندی، منی محی الدین کے ساتھ سچا، مخلص اور اپنے جذبات میں کھرا ہو۔

☆☆☆

''دیکھو فرضام صرف سچ بولنا اگر تم صرف دولت کی چاہت میں منی سے شادی کرنا چاہتے ہو تو بتا دو کہ اگر ایسا بھی ہے تو تم اس کے ساتھ مخلص ہو بھی کہ نہیں؟'' وہ اپنی سوچ کے طشت از بام ہو جانے پر اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔

''یہ سچ ہے کہ میں صرف دولت کے حصول کے لئے پاکستان آیا تھا مگر مجھے منی سے سچ میں محبت ہو گئی ہے اس لئے آپ اسے کچھ نہ دیں اسے صرف میرا بنا دیں۔'' اس نے پینترا بدلا تھا اپنے سچے ہونے کا انہیں یقین بخشا تھا۔

''ایک بار پھر سوچ لو کہ ہم منی کو کچھ نہیں دیں گے نہ آج نہ آئندہ۔'' انہوں نے اسے ٹٹولنا چاہا تھا۔

''مجھے کچھ چاہیے بھی نہیں۔'' وہ اٹل لہجے میں بولا تھا۔

''اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ شادی کے بعد تم کوئی مطالبہ نہیں کرو گے؟'' خریم کی بات پر وہ اسے ناگواری سے دیکھنے لگا تھا۔

''آپ لوگ میری انسلٹ کر رہے ہیں، میں نے ہر بات کا جب اعتراف کر لیا ہے، آپ کو یقین دلا رہا ہوں تو یہ بے یقینی کیا معنی رکھتی ہے؟'' اس کے لہجے میں ناگواری و تلخی تھی۔

''ہم منی کی محبت میں مجبور ہیں۔'' میثم آفریدی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے تھے۔

''منی سے محبت ہوتی تو اس کی خوشی کا خیال رکھتے آپ، کہ آپ تو اس کی محبت کو دولت کے ترازو میں تول رہے ہیں۔'' وہ چبا چبا کر بولا تھا۔

''ہم کیا کر رہے ہیں یہ تمہارا مسئلہ نہیں تم گارنٹی دینے کو تیار ہو کہو؟'' میثم آفریدی کو اس کا لب و لہجہ گراں گزرا تھا اس لئے درشتی سے بولے تھے۔

''آپ کو کیسی گارنٹی چاہیے؟'' وہ بھی نرم نہیں پڑا تھا۔

''تمہیں اپنی کچھ پراپرٹی منی کے نام کرنی ہو گی۔'' ان کا مطالبہ اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا گیا تھا کہ وہ تو مختصر عرصے کے بعد طلاق دینے کا ارادہ رکھتا تھا اور وہ اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال رہے تھے مگر ہر طرح سے فائدہ اس کا ہی تھا ابھی اس نے صرف ان کی مانی تھی کہ اسے یقین تھا کہ آج وہ جتنی مانے گا کل دگنی منوا لے گا اس لئے اس نے حامی بھر لی تھی، وہ دونوں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ اسے واقعی اس سے محبت ہو گئی ہے وہ منی کے ساتھ مخلص ہے اس لئے اگلے دن بڑی سادگی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا، انہوں نے تو رخصتی اس وقت پر اٹھا رکھی تھی جب وہ نکاح نامہ سبمٹ کروا کے اس کے ساتھ جانے کے انتظامات کر لیتا لیکن منی نے کہہ دیا کہ وہ آج ہی رخصتی چاہتی ہے اس لئے فرضام اسے جب تک جانے کے انتظامات نہ ہو جائیں ہوٹل میں خود بھی ٹھہرے اور اسے بھی رکھ لے اور میثم آفریدی اور خریم اسے اپنے فیصلے سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے، میثم آفریدی کو وہ نائلہ کا پرتو لگی تھی جو محمود آفندی کی محبت میں سب کچھ کرنے کو تیار تھی جبکہ وہ ایسا ضد و غصہ میں کر رہی تھی اسی لئے جب انہوں نے اسے اس کے لئے بنائے اور اس کی ماں کے رکھے زیورات اور گھر کے کاغذات دیئے تھے تو وہ لینے سے صاف انکاری ہو گئی تھی اور وہ بازی الٹتے دیکھ کر پیچ و تاب کھا رہا تھا، خریم نے اسے ساری بات بتائی تھی مگر وہ یقین کرنے کو تیار نہ ہوئی تھی۔

''آپ نے کہا تھا دادا ابو کہ فرضام سے شادی کروں گی تو آپ سے رابطہ ختم تو آپ آج فرضام سے شادی ہو گئی، آپ منی محی الدین کو آخری بار دیکھ لیں کہ اب منی فرضام آپ کو کبھی اپنی شکل نہیں دکھائے گی۔'' وہ دونوں ہی تڑپ اٹھے تھے، انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا مگر وہ فاصلہ پر ہو گئی تھی۔

"آپ نے دولت کی بساط بچھا کر ثابت کر دیا کہ میں آپ کے لئے کچھ نہیں، تو آپ دولت کو سینے سے لگا کر رکھیں منٰی آپ کے سینے کا حصہ کبھی نہیں بنے گی کہ پرشفقت سایہ آپ نے خود میرے سر سے چھین لیا ہے۔" وہ اب رو رہی تھی ان کو ایک نظر دیکھا اور بھاگتے ہوئے وہاں سے نکلی تو ان کی ہر پکار کو ان سنا کر گئی تھی۔

اور وہ پوتے کے سینے سے لگے روتے چلے گئے تھے، خریم کی حالت بھی عجیب تھی کہ وہ تو دوہرے عذاب سے گزر رہا تھا، محبت کھونے کا غم مناتا، یا باپ جیسے دادا کی ڈھال بنتا، وہ ابھی صرف اندر سے مرا تھا اور جب تک زندہ تھا زندگی کی لاش کو اپنے ہی کاندھوں پر اٹھائے پھرنا تھا کہ زندگی کی لاش کو چار کاندھے میسر نہیں آسکتے تھے۔

☆☆☆

"دادا ابو کے لئے میں اہم نہیں تھی فرضام۔" وہ اس کے سامنے بیٹھی رو رہی تھی۔

"ان کے لئے دولت اہم ہے انہوں نے مجھے کس قدر بے توقیر کر ڈالا ہے۔" وہ سسک رہی تھی اور وہ اس کے سامنے اٹھ گیا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ غلط نہیں تھے، غلط تو وہ خود تھا وہ اس کی آزمائش کرتے خود پوتی کی نگاہ سے گر گئے تھے۔

"دادا ابو، اتنے ظالم کیسے ہو سکتے ہیں فرضام؟" وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"اور اگر میں یہ کہوں کہ گرینڈ پا غلط نہیں ہیں، انہوں نے صحیح ہی کہا تھا کہ انہوں نے مجھے آزمانے کو جھوٹ بولا تھا۔" وہ رونا بھول کر بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ایسے مت دیکھو منٰی کہ یہ سچ ہے کہ دولت کی چاہ گرینڈ پا کو نہیں مجھے ہے۔" وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہو گئی تھی۔

"میں پاکستان صرف تم سے شادی کرنے کے لئے آیا تھا کہ تم سے شادی کر کے تمہارے حصے کی جائیداد کا حقدار بن جاؤں، اسی لئے میں نے تم پر محبت کا جال پھینکا، تم میری جھوٹی محبت کی چند دنوں میں ہی اسیر ہو گئیں، میں اپنی کامیابی ڈیڈ سے شیئر کر رہا تھا تو گرینڈ پا کے سامنے میری اصلیت آگئی، میری آزمائش کو انہوں نے میرے گرد جال بچھایا جس میں، میں نے انہیں ہی پھنسا دیا اور سب کچھ میری امیدوں کے مطابق ہوا لیکن آخری وقت میں، سب تم نے بگاڑ دیا اپنے دادا سے بدگمان ہو کر ساری دولت ان کے منہ پر مار آئیں، جبکہ مجھے تم میں نہیں تمہاری دولت میں انٹرسٹ تھا۔" اس نے الف سے یے تک پوری کہانی سنا ڈالی تھی اور اس کا اعتماد ریزہ ریزہ کر ڈالا تھا اس سے اپنے ہی قدموں پر کھڑا ہونا دشوار ہو گیا تھا۔

"مگر میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا کہ مجھے اگلے ماہ ہی واپس جانا ہے، اس لئے تم اپنے دادا سے خود ساختہ ناراضگی و بدگمانی کو ختم کر لو۔" اس نے نیر بہاتی پتے کی طرح لرزتی منٰی کو دیکھ اپنے ارادے بتائے تھے، کہ وہ اپنی برائی سینت کر نہیں رکھ سکتا تھا اس لئے سب اپنے منہ سے کہہ ڈالا تھا۔

"نہیں کہ آپ مجھے اور میرے گھر والوں کو بہت دھوکا دے چکے، مگر اب میں آپ کو آپ کے کسی مکروہ فعل میں کامیاب نہ ہونے دوں گی، جس دولت کی چاہ میں آپ نے مجھے دھوکا دیا، وہ دولت آپ کو بھی نہیں ملے گی۔" وہ بری طرح چیخی تھی۔

"شٹ اپ، بکواس کی یا میرا کوئی فیصلہ ماننے سے انکار کیا تو تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کروں گا۔" درشتی سے اسے بہت کچھ باور کروانا چاہا تھا، مگر وہ بھی جیسے اپنے کیے پر ڈٹ گئی تھی، اس کے زور ڈالنے مارنے پیٹنے کے باوجود وہ اپنے کہے پر ڈٹی رہی تھی، خریم ہوٹل آیا تھا تو اس نے اس پر فرضام کی حقیقت ظاہر کیے بناء اسے ذلیل کر کے نکال دیا تھا کہ وہ فرضام کے لئے سارے راستے مسدود کر دینا چاہتی تھی، خریم وہاں نہ جانے کی قسم کھا کر واپس لوٹ گیا تھا اور وہ اس کا ہر برا رویہ، سنگدلی، حقارت، بے عزتی بڑے صبر سے جھیل رہی تھی کہ اس کی شادی کی خبر نے جیسے اسے گہرے صدمے سے دوچار کر دیا تھا اور وہ اسی کا غم منا رہی تھی کہ وہ لوٹا تھا تو اسے خبر تک نہ ہوئی تھی مگر اس کی جگہ وہ غصہ دکھاتا، ایک لفظ معذرت کا ادا کیے بغیر اینٹھ کر پڑ گیا تھا اور اس نے روتے بلکتے کمزور لمحے کی زد میں آ کر اپنوں کو آواز دے ڈالی تھی کہ ان سے بچھڑ کر وہ کچھ نہیں رہی تھی، مگر جب فرضام کو پتہ چلا تھا تو اس نے خریم کے حوالے سے اس پر رکیک الزامات لگا کر اس کو بہت مارا تھا، ٹھنڈے فرش پر اس کا سر بری طرح ٹکرایا تھا اور بھل بھل بہتا خون اس کے ہاتھ پاؤں پھیلا گیا تھا، وہ اسے ہاسپٹل لے کر دوڑا تھا اور پیچھے سے خریم آ گیا تھا مگر ہوٹل کا روم لاکڈ تھا اور انتظامیہ کو خبر نہ تھی کہ وہ کہاں گئے؟ اس نے پوری رات وہیں ہوٹل کے باہر بینچ پر بیٹھ کر گزاری تھی، صبح آٹھ بجے کے قریب وہ تھکا ہارا اسے ہاسپٹل میں چھوڑ کر لوٹا تھا تو اس کی نظر خریم پر پڑ گئی تھی اور وہ وہیں سے پلٹا تھا، واپس جانے کے لئے سیٹ کنفرم کروائی تھی اور اس کا انتظار کرتے خریم اور ہاسپٹل میں زخمی تڑپتی منٰی کو پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ پردیسی دھوکا دے کر جا چکا ہے، دو دن اس نے ہوٹل کے ان گنت پھیرے لگائے تھے، فرضام کا نمبر ڈائل کرتے کرتے اس کی انگلیاں تھک گئی تھیں اس نے اس کے ڈیڈ کا نمبر اتنی دفعہ ملایا تھا کہ سیل فون ہاتھ میں پکڑے جانے کے بعد وہ ہزار سوچوں میں ڈوب کر بھی وہ نمبر ڈائل کر سکتا تھا اور ان دونوں نے اس کی بے بسی سے حظ اٹھانے کو نمبر آف نہیں کیا تھا اور وہ اسی آس پر کال کیے جا رہا تھا کہ شاید کہ اب ریسیو کر لی جائے، ہوٹل مینجمنٹ نے اپنی ریسورسز کے ذریعے پتہ لگا لیا تھا کہ وہ پاکستان میں نہیں اور وہ جسے سن کر صم بکم بن گیا تھا، وہ نڈھال سا ہوٹل سے نکلا تھا کہ اس کا سیل بج اٹھا تھا، اس نے "فرضام" کا نمبر دیکھ کر فوراً کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو فرضام! منٰی کہاں ہے؟" اس کے لہجے میں عجلت و تڑپ تھی۔

"مجھے کیا معلوم، کہ منٰی کہاں ہے؟" اس کا ٹھنڈا لہجہ اس کے پیروں سے زمین کھینچ لے گیا تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے فرضام، تمہیں اندازہ بھی ہے کہ ہم منٰی کے لئے کتنے پریشان ہیں۔" وہ چیخ پڑا تھا۔

"اندازہ ہے اور اسی لئے تو تمہیں تڑپا رہا تھا ورنہ دو دن قبل ہی جب تمہیں ہوٹل کے باہر بینچ پر اپنا انتظار کرتے دیکھا تھا تفصیل نہ بتا دیتا۔" وہ ہنسی کے درمیان بولا تھا۔

"کیوں کر رہے ہو تم ایسا؟ اور بتاتے کیوں نہیں کہ منٰی کہاں ہے؟" وہ بے بسی کی انتہا پر تھا۔

"میں نے جو کیا، جتنے سچ جھوٹ بولے، دولت کے حصول کے لئے، مگر میری ساری محنت پر منٰی نے پانی پھیر دیا۔" وہ چبا چبا کر بولا تھا۔

"دیکھو، تمہیں جتنی دولت چاہیے وہ میں تمہیں دوں گا، بس تم یہ بتاؤ، منٰی کہاں ہے؟ وہ اس دن بہت رو رہی تھی؟ کیا کہا تھا تم نے اسے

صرف ایک بار میری اس سے بات کروادو۔" وہ جیسے ملتجی ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر تم مجھ سے ایک ڈیل کرلو، تمام جائیداد میں منٰی کا جو حق ہے وہ میرے نام کر دو میں منٰی کو طلاق دے کر تم لوگوں کے پاس بھیج دوں گا۔" اس نے فوراً ہی کہا تھا۔

"جتنی دولت کہو گے ہم تمہارے نام کر دیں گے، بس تم منٰی کو ڈائیورس مت دینا، کہ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے۔" وہ تو طلاق کی بات سن کر ہی تڑپ اٹھا تھا۔

"ہاہاہا، منٰی مجھ سے محبت نہیں کرتی جیسے تم نے اس سے محبت کی، وہ صرف تم سے محبت کرتی ہے۔" وہ سن کر بولا تھا اور وہ ساکت رہ گیا تھا۔

"میں پوری پلاننگ کے ساتھ پاکستان آیا تھا اور مگر مجھے تم دونوں کی کیمسٹری دیکھ کر لگا تھا کہ میں کامیاب نہیں ہوسکوں گا، مگر منٰی تو بہت بے وقوف نکلی سامنے کی بات وحقیقت بھی اسے دکھائی نہ دی اور اس نے سچی محبت کو ٹھکرا کر دھوکے کو اپنا لیا، مجھے اس پر ترس آتا تھا، مگر میں کیا کرتا مجھے اپنی پرواہ تھی، اپنے اسٹیٹس کو بلند کرنا تھا، اس لئے میں ترس کھانے کے باوجود اس کے ساتھ برا کر گیا اور مجھے اس کا افسوس ہے اسی لئے میں اسے چھوڑنا چاہتا ہوں، اب یہ تم لوگ سوچ لو کہ میں ایسا کروں کہ نہیں کہ میں بتا چکا کہ اس کی اہمیت نہیں ہے میری نظر میں، صرف اس کی دولت کی ہے، دولت دو، منٰی لے لو۔" اس کا خون کھول اٹھا تھا اگر وہ سامنے ہوتا تو شاید وہ اسے زندہ نہ چھوڑتا اسی لئے جب وہ بولا تو اس کا لہجہ ترش اور لفظ سخت تھے جو اس سے برداشت نہ ہوئے وہ اسے ٹوک گیا۔

"یہ مت بھولو خریم، کہ ایک واحد میں ہی ہوں جو بتا سکتا ہوں کہ منٰی کہاں ہے اور یہ بھی جان لو کہ میں منٰی کو اپنے ساتھ نہیں لایا وہیں پاکستان چھوڑ آیا ہوں، جس دن مجھے جائیداد کے پیپرز ملیں گے میں تمہیں بتادوں گا کہ وہ کہاں ہے اور میرا مطالبہ نہ مانا تو تم لوگ منٰی کی شکل دیکھنے کو بھی ترس جاؤ گے۔" وہ حیران تھا کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس کا سگا پھپھی زاد اس قدر گھٹیا اور چالباز ہوگا۔

"دیکھو فرضام، تم مجھے ابھی بتا دو کہ منٰی کہاں ہے میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارا ہر مطالبہ پورا کردوں گا، بس یہ بتا دو وہ ابھی کہاں اور کس حال میں ہے؟" وہ لمبا چوڑا مرد فون پر التجا کر رہا تھا وہ ہوٹل کے کاریڈور میں کھڑا تھا وہاں سے گزرتے لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"میں تم پر بھروسہ نہیں کرسکتا۔" اس نے بے حسی کی انتہا کردی تھی۔

"تم صرف ایک بار مجھ پر بھروسہ تو کر دیکھو کہ منٰی مجھے دولت سے بڑھ کر ہے، میں اس کے لئے جان وار سکتا ہوں، چند کھنکتے سکوں کی اوقات ہی کیا ہے۔" اس کے لہجے کی سچائی اس نے بہت دور ہو کر بھی صاف محسوس کی تھی۔

"لیکن پیپرز تمہارے نام ٹرانسفر کرنے میں ٹائم لگے گا، منٰی تمہارے ساتھ ہوتی تو کوئی مسئلہ نہیں تھا کہ تم نے کسی بھی سوچ سے دھوکا دے کر اسے اپنایا تھا، نکاح ہوا تھا تم اس کے محرم تھے، اب تم نے اسے کہاں، کس کے پاس چھوڑا ہے یہ سوال ہمیں اذیت میں مبتلا رکھے گا، تمہیں پھپھو کی قسم مجھ پر بھروسہ کرلو، بتا دو منٰی کہاں ہے؟" وہ اگر اس کے سامنے ہوتا تو پیر پکڑ کر اس سے پوچھ لیتا، مجبور کر دیتا لیکن وہ کس قدر مجبور تھا کہ ملتجی ہو کر، گڑگڑا رہا تھا کہ کسی طور وہ اس کی بات مان لے۔

"ٹھیک ہے میں تم پر بھروسہ کر کے ایڈریس دے دیتا ہوں، دھوکا دینے سے قبل اپنے وعدے کو ہی نہیں اس بات کو بھی یاد کر لینا کہ وہ میری بیوی ہے، تم نے کوئی چالبازی دکھائی تو میں تم سے بڑا چالباز ہوں، منٰی کو طلاق نہیں دوں گا۔" اس نے گویا اسے دھمکی دی تھی مگر وہ خاموش رہا تھا کہ اس کے ستارے گردش میں تھے۔

☆☆☆

"خریم! اس سے کہو کہ یہ مجھ سے کوئی بات کرے، یوں نہ دیکھے مجھے۔" منٰی کو وہ ہاسپٹل سے گھر لے آیا تھا اس کے لبوں پر چپ کے تالے تھے، زرد رنگت، چہرے پر پڑے نیل کے نشانات، ماتھے پر بندھی پٹی، ان دونوں کا ہی روم روم اس کو دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا، وہ اس کا ہاتھ تھامے اس کو اپنی طرف خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے مزید بے سکون ہوتے رو پڑے تھے۔

"آئی ایم سوری، آپ کو ہرٹ کرنے کی سزا ہے یہ دادا ابو، آپ کی نافرمانی کی سزا ہے۔" وہ یکدم ان کے سینے پر سر ٹکاتی بلک اٹھی تھی، اس کا رونا تڑپنا اس سے برداشت نہ ہوا تو وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا جبکہ وہ اسے چپ کراتے بہلاتے خود رو رہے تھے۔

"نہیں تم تو میری بہت پیاری پوتی ہو، میں نے پہلے تمہیں نائلہ کے کیے کی سزا دی اور میں نے سب کچھ سامنے آجانے کے بعد بھی کیسے اس شخص کو تمہارے لئے منتخب کرلیا، کیسے اس پر بھروسہ کرلیا؟ تمہاری اس حالت کا صرف میں ذمہ دار ہوں، مجھے معاف کردو منٰی سوری فار ایوری تھنگ۔" وہ اس کے چہرے پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے روتے ہوئے بولے تھے۔

"دادا ابو میں فرضام کو کبھی معاف نہیں کروں گی، انہوں نے مجھے بہت ہرٹ کیا، دھوکا دیا، میں نے ان پر بھروسہ کیا، ان کے لئے آپ کو غلط سمجھا آپ سے بدگمان ہوگئی، انہوں نے مجھے بہت مایوس کیا، آپ کی منٰی کو بہت مارا، مجھے بہت درد ہو رہا تھا دادا ابو، میں نے آپ کو خریم کو بہت مس کیا، اپنی تکلیف میں آپ کو پکارا مگر آپ نہیں آئے، مجھے بہت درد ہو رہا ہے دادا ابو، پلیز مجھے اپنی پرشفقت آغوش میں چھپا لیں، میرے سارے درد ہمیشہ کی طرح کہیں دور بھگا دیں، پلیز دادا ابو۔" وہ ان کے سینے سے چھٹی بچوں کی طرح کہتی بلک رہی تھی اور وہ اس پر اپنے پرشفقت بازوؤں کا حصار کھینچے اسے نرمی سے دلاسہ دینے لگے تھے وہ کافی دیر رونے کے بعد ان کی آغوش میں ہی سر رکھے سو گئی تھی، وہ اس کی بند آنکھوں کو چومتے اپنے آنسو صاف کرنے لگے تھے کہ انہوں نے خود سے عہد کیا تھا کہ اب اس کی آنکھ میں کبھی آنسو نہیں آنے دیں گے، اسے خود سے کبھی بدگمان نہ ہونے دیں گے اور کسی بھی سوچ سے جو اس پر سختی کی تھی اسے بھی نرمی کا قالب عطا کردیں گے کہ انہیں سمجھ آگیا تھا کہ بیٹیوں کو اگر ان کی غلطی کی سزا دیتے خود سے دور کیا جائے تو ان کی مثال کٹے پروں کے پرندے کی سی ہو جاتی ہے نہ اڑ سکتی ہیں، نہ اڑان کی خواہش سے دستبردار ہو سکتی ہیں، نائلہ بھی ساری عمر تشنہ رہی تھی کہ اس کے دل سے ملال نہیں گیا تھا کہ اس نے باپ کے مقابل کھڑے ہونے کی جرأت کی تھی اب انہوں نے پوتی کو اس ملال میں گھرنے نہیں دینا تھا کہ وہ ان کے مقابل کھڑی بھی نہ ہوئی تھی کہ اس کے ساتھ جو ہوا وہ اس کی قسمت کا پھیر تھا، جسے ان کی کوئی تدبیر بدل نہیں سکی تھی، مگر وہ ابھی بھی ہمت نہیں ہار سکتے تھے کہ انہوں نے اب کچھ نئی تدبیر کرنی تھی، اس کی زندگی سے فرضام آفریدی کو نکال

پھینکنا تھا اور اس کے دل سے طالب، اس کی محبت میں مبتلا شخص کا اسے ساتھ سوچنا تھا کہ کچھ حق تو ان کے اس کی طرف بھی نکلتے تھے کہ خریم سے انہوں نے کبھی وعدہ کیا تھا جو وہ اب پورا کریں گے کہ دیر ہو چکی تھی مگر اتنی بھی نہیں کہ ابھی محبت زندہ تھی، احساس باقی تھا، انہوں نے اس کی زرد پیشانی چومی تھی اور مطمئن سے مسکرا دیئے تھے کہ جانتے تھے کہ خریم صلاح الدین کے ہوتے منی محی الدین کی زندگی میں دکھ زیادہ عرصے نہیں رہ سکتے کہ وہ اپنے نام کی طرح ان دونوں کے لئے ہی تحفہ تھا اور وہ تحفہ وہ اپنی پوتی منی کو سونپ کر اس کا ہر دکھ اس کی زندگی سے نکال پھینکنا چاہتے تھے، وہ پلاننگ کر رہے تھے کہ قدموں کی آواز پر چونکے، دیکھا تو خریم سفری بیگ لئے ان کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

”میں منی کو اس حال میں نہیں دیکھ سکتا، اس لئے شہر سے باہر جا رہا ہوں۔“ وہ کہہ کر آگے بڑھا تھا۔

”میری خواہش تو وہی ہے کہ منی تمہاری دلہن بنے مگر کیا تمہاری خواہش اور محبت اب بھی زندہ ہے؟“ وہ اس کو بغور دیکھتے سوال کر رہے تھے۔

”جو خواہش محبت سے وابستہ ہوں کبھی دم نہیں توڑتیں اور محبت مر جائے تو وہ محبت نہیں ہوتی۔“ اس نے بیگ ہاتھ سے چھوڑا تھا اور ان کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا۔

”میری تو ہر سانس نے صرف منی کو چاہا، میرے دل کی ہر دھڑکن نے صرف منی پکارا، مگر منی مجھ سے محبت نہ کر سکی، میرے جذبے اس پر اثر انداز نہ ہو سکے اور اس کی آنکھوں میں فرضام کے خواب سج گئے۔“ وہ یکدم اذیت کا شکار ہوا تھا۔

”فرضام کہتا ہے کہ منی مجھ سے محبت کرتی ہے، مگر وہ یہ اپنی جھوٹی دھوکے کے جال میں الجھیں آنکھوں سے دیکھ نہ سکا کہ منی نے صرف اپنی آنکھوں میں اسے بسایا، اس کی محبت خریم صلاح الدین نہیں، فرضام آفندی ہے اور یہ میرے لئے بہت اذیت ناک ہے دادا ابو کے یہ جانتے ہوئے بھی منی کو مجھ سے محبت نہیں، اس کی محبت فرضام ہے، میں اس کی خوشی کے لئے اپنی محبت کے وصل کے لئے، اس کو اپنا لوں گا، اگر منی کو اعتراض نہیں ہوا تو میں اعتراض نہیں کروں گا کہ میں محبت کے آگے کٹھ پتلی ہوں، میری محبت چاہے جیسے مجھے نچائے، میرا دل مگر منی سے محبت کرتے کرتے، اس کی محبت کی آس لگاتے لگاتے درد کا ٹکڑا بن گیا ہے، نہ جانے اب اس دل کے ٹکڑے کو کوئی آسودگی حاصل ہوگی بھی کہ نہیں، کہ آدھا وصل، پورے ہجر سے زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔“ وہ آنکھ میں آئی نمی پور پر چنتا ایک نظر اس کے خوابیدہ چہرے پر ڈالتا واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا، ان کی آنکھیں پوتے کے درد پر نم ہو گئیں تھیں مگر وہ مطمئن تھے کہ انہیں یقین تھا کہ اس کے سچے جذبات ایک دن ضرور منی پر اس کے دل پر اثر انداز ہوں گے اور اس کا ادھورا وصل، تکمیل پا جائے گا اس کا درد کا ٹکڑا بن جانے والا دل، محبت کا ساز چھیڑ کر درد کے سارے سر بکھیر دے گا، پھر دو دلوں کی تال پر صرف محبت کے ساز ہوں گے، وصل کی دھن پر دل دھڑکیں گے کہ محبت اپنا اثر رکھتی ہے اور اپنا اثر دکھا کر ہی رہتی ہے، محبت کے اثر، اس کے رنگ سے اہل دل نہیں بچتے اس لئے منی کیسے محفوظ رہے گی کہ اس نے تو خریم کی چاہتوں اس کے دل کا اسیر ہو ہی جانا ہے۔

☆☆☆

اگر یہ ہجر ٹھہرا

در نجف

”ملائکہ پلیز میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کرو، ایک طرف تم ہو دوسری طرف ماما اور آپی، اگر بات محض ان کی پسند یا ضد کی ہوتی تو میں کبھی بھی سرنڈر نہ کرتا مگر بات ان کی پوری زندگی کی ہے، مجھے قربانی کے لئے اپنی ذات کے علاوہ کچھ بھی تو حاصل نہیں ہے، کیسے خود غرض ہو جاؤں میں؟“ کاشان سر پکڑے بیٹھا تھا، جبکہ مقابل بیٹھا وجود شاید پتھر کی مورت تھا، ہلکی سی حرکت بھی اس میں نہ تھی۔

ہاں اس کی آنکھیں، وہ جو کہہ رہی تھیں ان کی تحریر پڑھنے کی ہمت اور حوصلہ کاشان میں نہیں تھا تبھی وہ ارد گرد کی ہر چیز کو دیکھ رہا تھا، یہ وہ آنکھیں تھیں جن میں زندگی بستی تھی، کاشان کو پوری کائنات ان میں دکھائی دیا کرتی تھی، وہ ان آنکھوں میں اپنا عکس دیکھتا تھا تو سارے عالم سے بچھڑ جایا کرتا تھا، اسے یہ بھی یاد تھا کہ اس نے وعدہ کیا تھا ان آنکھوں کو نم نہیں ہونے دے گا، ان آنکھوں سے جتنے قطرے گرتے اس کے دل کے اتنے ہی ٹکڑے ہوتے، کچھ بھی نہیں بھولا تھا وہ، مگر قسمت تھی یا وقت کہ وہ انہی آنکھوں سے نظر چرا رہا تھا۔

”ملکہ پلیز کچھ تو بولو، پلیز ناراض ہی ہو لو، مگر جواب تو دو، مجھے مارو، گالی دو، بے وفا کہو مگر چپ نہ رہو، مجھے تمہاری یہ چپ مار ڈالے گی پلیز ملکہ بولو ناں۔“ اس کے قدموں میں بیٹھتا وہ اس کے ہاتھ تھام کر ضبط کھو بیٹھا تھا۔

"ملکہ پلیز بولو، تمہیں خدا کا واسطہ ہے چپ نہ رہو، ورنہ خود کو ختم کرلوں گا میں، نہ میں رہوں گا نہ ہی کوئی مسئلہ بچے گا۔" ملائکہ نے دہل کر اس کی جانب دیکھا تھا اور کاشان کے لئے کائنات سمٹ گئی تھی۔

آج ان آنکھوں میں وحشت تھی، درد تھا، دیوانگی تھی، آنسو تھے، کرلاتی دامن پکڑ کر زار زار روتی محبت تھی، مگر ایک خالی پن کا احساس سب پہ حاوی تھا جو کاشان کو ڈرا رہا تھا، وہ تو ان آنکھوں میں اپنے لئے نفرت سوچ کر مرا جا رہا تھا مگر وہاں نفرت تو کہیں نہیں تھی، پیار تھی، زخم زخم احساسات تھے، وہ کاشان کی ملکہ تھی مگر آج اپنے منصب سے معزول کردی گئی تھی، وہ کاشان کی زندگی میں نہیں رہے گی، یہ سوچ دل بند کرنے کو کافی تھی، مگر دل بے درد تھا کہ دھڑکے چلا جا رہا تھا، اس نے دھواں دھواں نظروں سے کاشان کو دیکھا جو اسے زندگی لگا کرتا تھا مگر آج دور جا رہا تھا، پھر سانس کیوں چل رہی تھی۔

"ملائکہ تم بہت اچھی ہو، مجھ سے بہت اچھا شخص ڈیزرو کرتی ہو، بہت خوش قسمت ہوگا وہ جس کا نصیب تم بنو گی، تم تو بنی ہی محبت کے لئے ہو، وہ کون ہوگا جو تمہیں دیکھے گا اور اسے تم سے محبت نہ ہوگی۔" کاشان کا لہجہ بھرا رہا تھا، اس کی آنکھوں کی وحشت بڑھنے لگی۔

"اور دیکھو ناں، میرے پاس ہے ہی کیا؟ خالی محبت اور بہت سے خواب، بھلا ان سے بھی زندگی گزرتی ہے کبھی؟ اللہ تمہیں بہت سی خوشیاں دے گا، وہ سب جو تم چاہتی ہو۔" اپنی ہاتھوں کی لکیریں دیکھتے اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

وحشت حد سے سوا تھی، وہ ہاتھ چھڑا کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"اللہ کی بندی اٹھ بھی جاؤ کتنا سوتی ہو تم، اٹھ جاؤ ورنہ واقعی فریج کا ٹھنڈا ٹھار پانی تم پہ پھینکنے لگی ہوں۔" دھمکی اتنی جاندار تو نہیں تھی مگر دینے والی کی اہمیت پیش نظر تھی کہ وہ کمبل ہٹا کر اٹھ بیٹھی، دوسری طرف پکارنے والی نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔

"اب بتاؤ ایسا کیا سانحہ پیش آ گیا ہے کہ تم صبح صبح میرے سر پہ سوار ہوگئی ہو۔" جمائی روکتے اس نے ودیعہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"بی بی ذرا کلاک دیکھو بارہ بج رہے ہیں اور تمہیں صبح لگ رہے ہیں یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے کہ چچی جان گاؤں چلی گئی ہیں ورنہ تمہاری طبیعت تو وہ سیٹ کرتیں۔" دیا نے بھی کوئی ادھار نہیں رکھا تھا۔

"ہائیں میں، اتنا سوئی ہوں۔" اسے خود جھٹکا لگا تو نظر سامنے لگے کلاک پر گئی۔

"رات دس بجے ہم آئے تو محترمہ کے کمرے کا بند دروازہ آپ کے محو خواب ہونے کی نشانی تھا سو ہم نے ڈسٹرب کرنا بہتر نہیں سمجھا؟" دیا غصے میں بہت تمیز دار ہو جایا کرتی تھی، اسی نشانی کو دیکھتے وہ فوراً بستر چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی غسل خانے میں منہ دھوتے شیشے نے بہت غور سے اس کی سوجی ہوئی سرخ آنکھوں کو دیکھا تھا جس نے ان کا حسن اور بھی بڑھا دیا تھا، وہ شیشے سے نظریں چراتی ٹاول سے منہ خشک کرتی اندر چلی آئی، یہ اس کی آنکھوں کی عجب خوبی یا خامی تھی کہ اگر وہ تھوڑا سا بھی زیادہ سوتی یا روتی تو وہ سوج کر اور نمایاں ہو جاتیں اور آج تو بہت زیادہ سوئی تھی سو کسی کو کوئی شک نہیں ہونا تھا، اس نے خود کو تسلی دی۔

"دیا چلو آج کہیں باہر چلتے ہیں، خوب گھومیں گے پھریں گے، شاپنگ کریں گے، مستیاں ہوں گی۔" اس نے بشاش لہجے میں دیا کو مخاطب کیا تھا، دیا اس کے چہرے پہ درج حکایات سے بے چین نظر آنے لگی۔

"ملکہ تم ٹھیک تو ہو ناں؟ مجھے کیوں لگ رہا تم کسی بات پر روئی ہو، تمہیں کس بات کی ٹینشن ہے؟" اس کے نام ملائکہ کو ملکہ ودیعہ نے ہی بنایا تھا اور اسی لفظ نے اسے خوابوں کی سرزمین پہ ایک ملکہ کا روپ دیا تھا، یہ الگ بات تھی کہ خوابوں کے نگر بھلا کب حقیقت میں مقدر بن پاتے ہیں سو وہ جو ہر جگہ جیتتی آئی تھی، دل کی بازی ہار گئی تھی۔

"دیا پتہ نہیں بس عجیب سی وحشت ہے، جیسے سب ختم ہو گیا ہو، جیسے زندگی کا مقصد ہی نہ ہو، جیسے ساری کائنات ساکن ہو، سب اندھیرے میری زندگی میں در آئے ہوں یا جیسے......" اس نے رک کر سانس لی، پھر گویا ہوئی۔

"یا جیسے میں مرنے والی ہوں۔" اس کا فقرہ ایسا تھا کہ دیا تڑپ اٹھی۔

"ملکہ پلیز ایسا کچھ نہیں بولو، سب ٹھیک ہو جائے گا، کاشان سب ٹھیک کرے گا، اپنی محبت پہ تو اعتبار رکھو، بھلا وہ تمہیں چھوڑ کر کہیں جا سکتا ہے؟" وہ ملکہ کے ساتھ خود کو بھی بہلا رہی تھی۔

"تمہیں کیسے بتاؤں دیا، میں ہار گئی، میں، ملکہ ہار گئی، وہ ملکہ جسے کسی کے دل اور زندگی پہ حکومت کرنا تھی، ہار گئی، میری محبت میری وفا ہار گئی۔" دل نوحہ کناں تھا مگر لبوں پر چپ کے تالے پڑے تھے۔

"چلو اٹھو کہیں باہر چلتے ہیں۔" وہ اندر کی وحشتوں سے گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی، دیا بھی اس کا دل بہلانے کو چل پڑی تھی۔

☆☆☆

وہ پاس تھا تو زمانے کو دیکھتی ہی نہ تھیں
بچھڑ گیا تو ہوئیں پھر سے دربدر آنکھیں

دیا کمن سی ڈریسز دیکھنے میں معروف تھی مگر اس کی توجہ بھٹک بھٹک کر اسی گوشے کی طرف جا رہی تھی جہاں محبت تھی، خوشی تھی، زندگی تھی اور بھی تو کچھ تھا، ہاں بدقسمتی، دل نے سرگوشی کی۔

"ملکہ ہم اپنی شادی پہ بہت ڈیفرنٹ سے ڈریسز پہنیں گے، تم آف وائٹ اور میں میرون شیروانی لوں گا۔" کاشان کا لہجہ بہت شوخ تھا، دیا کھلکھلاتی ہوئی دونوں کو لاچہ کرتا پہننے کا مشورہ دے رہی تھی، بہت پہلے کی تو بات بھی نہیں تھی، صرف چند ماہ ہی تو ہوئے تھے جب ہر طرف خوشبو تھی، پیار تھا، محبت کا خمار تھا، ملکہ ان دنوں واقعی میں ہواؤں پہ چلتی اور کاشان کی پلکوں پہ دھرے خوابوں کی مانند ڈولتی پھرتی، پھر ایک ظالم دیو آیا اور سب خوشیاں چھین کر لے گیا، ملکہ جو کاشان کے دل میں رہنے کی عادی تھی، بھلا زمین پر کیسے رہ پاتی؟ بہت مشکل تھا جینا اور مرنا اس سے بھی مشکل، پھر بھی اس نے جینے کا انتخاب کرلیا تھا، اسے جینا تھا کہ یہ کاتب تقدیر نے اسے کے لئے راہ منتخب کی تھی جہاں اسے محبت کی سہانی وادی سے بہت دور حقیقت کے سنگلاخ پہاڑوں سے ٹکراتا تھا اور زخموں پہ مرہم بھی خود ہی لگانا تھا۔

گھوم پھر کر وہ شام گئے گھر لوٹی تھیں، تھکن حد سے سوا تھی مگر اندر کا خالی پن جاتا ہی نہیں تھا، کائنات یکدم خالی ہوگئی تھی یا پھر اس کی کائنات بہت محدود ہوگئی تھی، وہ سمجھ نہیں پائی۔

دیا تھک ہار کر تو سو اب وہ گہری نیند میں ڈوب چکی تھی مگر اس کی آنکھوں میں نیند نام کو نہ تھی، اس نے جلتی آنکھیں بند کرکے دیوار سے ٹیک لگالی۔

☆☆☆

”اے مسٹر آنکھیں سلامت ہیں ناں؟ کیا بے تحاشے بیل کی طرح ٹکراتے پھر رہے ہو؟“ ودیعہ کے ماموں زاد کی مہندی میں کاشان تیزی سے سیڑھیاں اترتی ملکہ سے ٹکرایا تھا۔

”اس دن تم گھر کی سیڑھیاں نہیں میرے دل کی سیڑھیاں اتر گئی تھیں، ڈائریکٹ اٹیک تھا۔“ پچھلے پہر کی مخمور خاموشی تھی۔

اس نے آنسو ضبط کرتے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کھڑی ہوئی، کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور چاند اکیلا محو سفر تھا۔

”کتنے پاگل ہیں نا ہم، بھلا چاند ہماری باتیں کیا سمجھے گا؟ وہ تو خود اکیلا ہے۔“ چاند پہ نظریں جمائے اس کی ہنسی اپنے ہی کانوں میں گونجی۔

چاند پر سکون تھا، آج بھی اسی طرح مگن، اسی طرح تنہا، اسی طرح محو سفر، کیونکہ چاند سے محبت نہیں کی تھی، وہ دریچے سے ہٹ گئی۔

تمام شب یونہی دیکھیں گی سوئے دو آنکھیں
تجھے گنوا کے نہ سوئیں گی عمر بھر آنکھیں

وہ پلٹ کر رائٹنگ ٹیبل پر آ بیٹھی، سامنے رکھی ڈائری نے اس کی توجہ کھینچی۔

”تمہاری آنکھیں دیکھ کر پانی کی سطح پر جلتے دیئے کی یاد آتی ہے۔“ لہجہ بہت خوابناک اور آنکھوں کا تاثر بے خودی سے بھرپور تھا، اس نے قلم اٹھالیا، کتابوں کے بیچ رکھا کارڈ یکا یک جگمگایا تھا۔

”میرے لئے ہر سانس، ہر دھڑکن، ہر خوشی کا نام میری ملکہ کا وجود ہے۔“ اس کی آنکھیں اور باہر گزرتی رات دونوں بھیگتی جارہی تھیں۔

طلوع شب سے پہلے ہی بجھ نہ جائیں کہیں
یہ دشت شب میں ستاروں کی ہمسفر آنکھیں

”ملکہ اٹھو، نماز کو دیر ہو رہی ہے، شاباش جلدی اٹھو۔“ اسے دور سے دیا کی آواز آئی تو آنکھیں ملتی اٹھ بیٹھی، وہ وہیں کرسی پہ بیٹھے بیٹھے سوگئی تھی، دیا نے تاسف سے سر ہلایا۔

نماز ادا کر کے وہ خالی ذہن کے ساتھ ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے بیٹھی تھی، سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ مانگے کیا تو ہاتھ سمیٹ کر اٹھ گئی۔

”دیا ادھر بیٹھو اور بتاؤ کیا بات ہوئی ہے کاشان بھائی سے؟“ دیا نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”کیا بتاؤں دیا؟ کچھ بھی نہیں ہے بتانے کو، وہ ہار گیا، میری محبت ہار گئی۔“ کیا کرتا وہ، ماں جیسی بہن کا گھر بچانے کے لئے مجھے قربان کر دیا اس نے، سب ختم ہو گیا، وہ اس کے گلے لگی بلک رہی تھی، دیا ساکت رہ گئی، اندیشے حقیقت بن کر خوابوں کی فصل اجاڑ گئے تھے۔

☆☆☆

”کاشی میرے چاند، تم دل سے راضی ہو ناں؟ دیکھو میں تمہارے لئے ابھی بھی حیدر کو انکار کر سکتی ہوں، مجھے تمہاری خوشی سے عزیز کچھ نہیں۔“ اسے آپی کی محبت پہ کوئی شک نہیں تھا مگر وہ بہنوئی کے قطعی انداز دیکھ چکا تھا سو اسے کوئی امید نہیں رہی تھی، اس نے آپی کو تسلی دی۔

”آپو میں بہت خوش ہوں، آپ بالکل فکر مت کریں اور اپنی بھابھی اور نند صاحبہ کو پارلر سے لے آئیں، مہمان سارے آچکے ہیں۔“ وہ فوراً ہی کمرے سے نکل گیا تھا ورنہ اس کی ماں جائی جس نے اسے پالا بھی تھا، اس کی آنکھوں میں مچلتے عذاب دیکھ لیتی۔

ہر طرف شادی والے گھر کی رونق تھی، اسے کوئی ایسا گوشہ نظر نہیں آیا جہاں بیٹھ کر وہ رو سکے، مرد بھی تو درد کی شدت سے رو دیتے ہیں ناں، انسان جو ٹھہرے۔

ستم یہ کم تو نہیں دل گرفتگی کے لئے
میں شہر بھر میں اکیلا ادھر ادھر آنکھیں

تبھی میسج ٹیون بجی تھی، اس نے بے تابی سے دیکھا تو ملکہ کا پیغام تھا۔

اگر بچھڑنا ٹھہر گیا ہے
تو میرے سمیت اپنی اداس آنکھیں
بھلا کے جاؤ
کہ جب بھی ملنا پڑے کسی سے
(کسی شناسا کہ اجنبی سے)
تو یوں نہ ہو
تم چھپا نہ پاؤ
تمام مرضی!
تمام سچ کے لہو میں تر
ناتمام وعدے
کہ اجنبی دوستوں سے ملتے ہوئے
خود اپنی اداس آنکھوں میں
بولتے سچ کو دفن کرنا
بہت ہی مشکل ہے
اپنے ماضی کے سچ پہ
”اظہار معذرت!“
اور معذرت!
اعتراف جرم و سزا سے بھی
اک کڑا عمل ہے
جو تم سے شاید کبھی نہ ہوگا!

”شادی مبارک ہو، ہمیشہ کے لئے خدا حافظ، خوش رہو۔“ اس نے Reply کا بٹن دبایا مگر کوئی لفظ نہ ملا تو بیک کر دیا، وہ اب اسے اور اذیت نہیں دینا چاہتا تھا سو آنسو ضبط کر لئے۔

”تم میرے دل اور میری دعاؤں کا ہمیشہ حصہ رہو گی۔“ اس نے دل میں کہا، پھر پلٹ کر اپنے کمرے میں چلا گیا، آخر وہ محفل کا دولہا تھا تو شایان شان تیاری بھی کرنا تھی۔

”ملکہ پلیز بہادر بنو، تمہیں پتہ ہے ناں، چچا چچی کی جان تم میں اٹکی رہتی ہے، تمہیں اس حال میں دیکھیں گے تو کیا سوچیں گے؟“ دیا مستقل اس کا سایہ بنی ہوئی تھی، کاشان کی شادی والے دن جو بخار چڑھا تھا تو پورے ہفتے بعد وہ اٹھنے کے قابل ہوئی تھی۔

”اور سنو، اگر وہ شادی کر کے خوش رہ سکتا ہے تو تم کیوں نہیں؟ مانا کہ اس نے اپنی آپی کے لئے قربانی دی ہے مگر وہ زندہ تو ہے ناں؟ پھر تم اتنی خود غرض کیسے ہو سکتی ہو کہ اپنے غم میں اپنے ماں باپ کو بھول جاؤ، تم بھی ان کے لئے جیو، خوش رہنا سیکھو۔“ دیا کے لیکچر پہ اس نے بس بے دلی سے سر ہلایا تھا۔

”سچ کہوں ملکہ، تمہاری حالت دیکھ کر میں خود کو مجرم سمجھتی ہوں کہ تمہیں کاشان کی طرف میں نے ہی مائل کیا تھا، عرفان بھائی ان کی اتنی تعریف کرتے تھے کہ مجھے لگا ہی نہیں کہ یہ شخص غلط ہو سکتا ہے، مجھے اپنی بہن جیسی دوست کے لئے وہ پیارا سا شخص پرفیکٹ لگا تھا، خیر محبت تو ان کی سچی تھی مگر قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔“ دیا کا لہجہ دل گرفتہ تھا۔

”چھوڑو یار! اگر ہماری سب خواہشیں سب خواب ایسے ہی پورے ہو جائیں تو بھلا قسمت کو کیسے مانیں؟“ یہ داستان یہیں ختم ہو گئی بس، اس نے آنکھیں موند کر خود کو یقین دلایا تھا، وقت سب سے بڑا مرہم ہے، میں بھی اس کو بھول جاؤں گی، اس کی بات سن کر محبت تلخی سے مسکرا کر پلٹ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ ایک لمحہ محبت کا

رمشا احمد

تھکے تھکے سے وہ قدم جب سیاہ اور کریم کلر کے گیٹ کے آگے رکے تو اس نے سر اٹھا کر اس گھر کی طرف دیکھا، بوگن ویلیا کی بیل سے ڈھکے سرخ ٹائلوں والے گھر پر شام ہو رہی تھی، اس نے آگے بڑھ کر کال بیل پر انگلی رکھی اور بھول گیا کہ اٹھانی بھی ہے۔

''ارے یہ کون خانہ خراب کا بچہ ہے۔'' خان بابا بہت گرم ہوتے ہوئے برآمد ہوئے۔

''ارے یہ تم ہو جنید بچہ، کیا حال ہے، ٹھیک ٹھاک تو ہو نا، میں تو سمجھا تھا پتا نہیں کون ہے جس کو دستک دینا بھی نہیں آتا۔''

''بابا! ابھی تو میرا اپنا خانہ کافی خراب ہے۔'' جنید ان کے نان اسٹاپ استقبالئے سے نبٹ کر اندر آیا تو جیسے اس کی ساری تھکن اڑ گئی۔

''جنید بیٹا! جنید بھائی، یار جنید۔'' کتنی آوازیں اس کے اردگرد گونجنے لگیں، وہ ہنستے مسکراتے سب سے ملنے لگا۔

''بیٹا آنے سے پہلے اطلاع تو کرتے۔'' بابا کی آنکھوں میں جیسے سو والٹ کا بلب روشن تھا۔

''بس بابا! سرپرائز دینے کو دل چاہا تو ایسے ہی چلا آیا۔'' وہ ماما کے ساتھ صوفے پر جا بیٹھا۔

''ایسے سرپرائز نہ ہی دیا کریں تو بہتر ہے، ہماری پبلک کا دل کافی کمزور ہے۔'' مانی نے مما کی طرف اشارہ کیا جن سے یہ اچانک خوشی سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔

''جی نہیں، ہماری مما بہت بہادر ہیں۔'' اس نے مما کو بہت محبت سے دیکھا۔

مکمل ناول

مانی کی زبان پھر حرکت میں آئی تو وہ اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

آدھے گھنٹے تک گرم پانی سے شاور لیتے ہوئے اس کی کافی تھکن بھاگ گئی اور جب وہ کمرے میں واپس آیا تو سورج اپنا آخری سفر طے کر کے پہاڑوں کے پیچھے غائب ہو چکا تھا اور غروب ہوتے سورج کے ساتھ اسلام آباد شہر کی ایک ایک کر کے جلتی ہوئی لائٹیں اس کے کمرے کی کھڑکی سے صاف نظر آ رہی تھیں۔

وہ لائٹ آن کیے بغیر خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا، یہ منظر آج بھی اتنا ہی جکڑ لینے والا تھا جتنا آج سے بہت سال پہلے جب پاپا نے یہ مکان خریدا تھا، تو اس نے سب سے لڑ کر یہ کمرہ لیا تھا، جہاں سے سورج غروب ہونے کا یہ منظر ہر روز وہ کھڑکی میں کھڑے ہو کر دیکھتا، وہ ضدی یا جھگڑالو نہیں تھا لیکن اسے اپنے کمرے میں اپنے بیڈ کی اتنی عادت تھی کہ وہ کہیں اور سکون سے رہ ہی نہیں پاتا تھا۔

اور چچا حسن کتنا ہنس کر پاپا سے کہتے کہ ''تمہارے اس بیٹے کے سینے میں تو لڑکی کا دل فٹ کیا ہے اللہ میاں نے، اپنے گھر سے، اپنے کمرے سے اپنے تکیے اور چادر سے محبت کرنے والا دل، لڑکیوں کی طرح سافٹ اور حساس۔''

لیکن جب اسی سافٹ اور حساس دل والے نے جب میڈیکل کی ٹف پڑھائی میں پانچ سال تک انتہائی ٹف پڑھائی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے گھر سے دوری کو بھی ہنس کر برداشت کیا تو اس پر ہنسنے والے بھی حیران ہو گئے۔

''اور آج۔'' اس نے دور اندھیرے میں شہر کی روشنیوں پر نظر جمائے ہوئے سوچا۔

''آج ایسا لگتا ہے کہ وہ ساری شامیں جو میں نے کے ای میں موٹی موٹی کتابوں کے پیچھے گزاری ہیں وہ شاید میری زندگی میں کبھی آئیں ہی نہیں، میں تو یہیں رہ رہا تھا ہمیشہ سے۔''

''جنید!'' نہ جانے وہ کب تک اس منظر میں کھویا رہتا اگر دروازے پہ دستک نہ ہوتی۔

''آ جائیں مما۔'' اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے آواز لگائی۔

''باہر آ جاؤ بیٹا، چائے پر تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔'' انہوں نے اندر آ کر لائٹ جلائی۔

''مما یہ جو میرا بیڈ روم ہے اس سے بالکل ایسا نہیں لگ رہا جیسے میں پانچ سالوں سے یہیں رہ رہا ہوں جیسے میں کبھی کہیں گیا ہی نہیں۔''

''ہاں تو لگنا بھی چاہیے، تمہارے بعد میں نے کبھی کسی کو گھسنے نہیں دیا اس بیڈ روم میں، ہر چیز اپنے ہاتھوں سے صاف کرتی تھی اور ویسے ہی رکھتی تھی جیسے تم رکھا کرتے تھے، تاکہ جب تم واپس آؤ تو بھول جاؤ کہ تم اتنے برس یہاں سے دور رہے ہو، اتنے سالوں کی تھکن تمہارے ساتھ نہ رہے۔''

''وہ اپنے تارڈ صاحب بھی تو کہتے ہیں نا مما کہ زندگی کی تھکاوٹیں اسی طرح رہتی ہیں، ہر سیڑھی چڑھ کر انسان سوچتا ہے کہ تھوڑا اور اوپر جائے، اوپر سے منظر بہت حسین ہوگا، میں جب ہاسپٹل میں تھا تو سوچتا تھا کہ مجھ میں اور قتل کر کے عمر قید پانے والے شخص میں یہ قدر مشترک ضرور ہے کہ ہم دونوں اپنی ایک خواہش کو پوری کرنے کے لئے اتنے سارے سالوں کی بھینٹ دے دیتے ہیں۔''

''اور میرا خیال ہے کہ آپ یہ پیاری پیاری باتیں بند کر کے نیچے چائے کے لئے آ جائیں۔'' مما قتل وغیرہ کے ذکر سے ہول گئیں۔

''چلیں جناب!'' وہ جھٹکے سے کمبل دور پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''مانی، علی تو گھر پر ہی ہو گا نا۔'' چائے کے لوازمات پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس نے مانی سے پوچھا۔

''نہیں وہ اپنی کمپنی کے کسی کام سے کچھ روز کے لئے کراچی گئے ہیں۔'' اور وہ جو چھوٹے چچا کی طرف جانے کے لئے پر تول رہا تھا ٹھنڈا پڑ گیا۔

''میرا خیال ہے چھوٹے چچا کی طرف کچھ اور لوگ بھی رہتے ہیں علی بھائی کے علاوہ جو آپ سے مل کر یقیناً بہت خوش ہوں گے۔'' مانی نے اس کا ارادہ بھانپ کر طنز کیا۔

''کل چلا جاؤں گا یار۔'' اس نے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے سستی سے کہا۔

''تم سناؤ تمہارا ''کرکٹریا'' کہاں تک پہنچا۔''

''ہم اپنے کرکٹریا کو آپ کے ڈاکٹریا کی طرح حواسوں پہ سوار نہیں رکھتے، ہم اپنے شوق پر حکومت کرتے ہیں، ہمارا شوق ہم پر حکومت نہیں کرتا۔''

''تبھی تو آپ اپنے محکوم شوق کے ہاتھوں اکثر ہی ڈیڈی سے اپنی عزت افزائی کراتے ہیں، ویسے لگتا ہے آج کل کچھ جدائی چل رہی ہے۔'' جنید نے کپ واپس رکھتے ہوئے اس کو چڑایا، وہ کرکٹ کا بہترین کھلاڑی تھا لیکن پاپا کے نزدیک پڑھائی کے آگے کچھ اہمیت نہیں رکھتا تھا اس کا یہ شوق۔

''ہاں جی امتحان جو سر پر کھڑے ہیں، ویسے بھائی کچھ اچھی مثال سیٹ نہیں کی آپ نے ہمارے لئے، شروع سے آخر تک ہر کلاس میں کبھی فیل شیل ہوئے ہوتے، کبھی درمیانے قسم کے نمبر ہی لئے ہوتے تو ہمیں یہ ہر وقت آپ کے طعنے تو سننے کو نہیں ملتے۔'' مانی بڑبڑایا تو وہ کپ لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

اگلے روز اس کا ارادہ تھا ناشتے کے بعد چچا جان کی طرف جانے کا، لیکن نکلتے نکلتے اسے بارہ بج ہی گئے۔

''بابا تم نے ابھی تک گلاب کے پودوں کی ٹرمنگ نہیں کی اور یہ دیکھو اس بیل نے بڑھ کر موتیے کے پورے پودے کو جکڑ لیا ہے اور یہ کوڑا کرکٹ، کتنی دفعہ کہا ہے چوکیدار سے کہہ کر ہٹاؤ اسے، سارے لان کو ستیاناس کیا ہوا ہے اور یہ، ارے ارے آپ کون ہیں جی...... بیل بجا کر کیوں نہیں آئے۔'' ابھی وہ گیٹ پوری طرح پار بھی نہیں کر پایا تھا کہ دھر لیا گیا۔

اجنبی آواز، اجنبی خاتون اور اجنبی انداز، وہ گڑبڑا گیا۔

''یہ امبر ایک سال میں اتنی بڑی تو نہیں ہو سکتی۔'' اس نے سر کھجاتے ہوئے سوچا۔

''یا کہیں میں غلط گھر میں آ گیا ہوں۔'' وہ پلٹ کر نیم پلیٹ دیکھنا ہی چاہ رہا تھا کہ مالی بابا نے اسے پکڑ لیا۔

''ارے جنید بابا! آپ کب آئے؟ خیریت سے تو ہیں۔''

''جی بابا اللہ کا شکر ہے ویسے یہ چچا جان کا ہی گھر ہے نا۔'' اس نے دزدیدہ نگاہ ان خاتون پر ڈالی جو ہاتھ میں ''کھرپی'' پکڑے کافی رعب دار لگ رہی تھیں۔

''ارے ہاں بیٹا! اور مینا بی بی یہ صاحب کے بھتیجے ہیں۔'' مالی نے تعارف کروایا تو اس کے تنا ہوا چہرہ کچھ ریلیکس ہوا۔

''آئی ایم سوری میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

''کوئی بات نہیں، آپ نے مجھے پہلے کب

دیکھا تھا جو پہچان سکتیں، ویسے اب کیا میں اندر جا سکتا ہوں۔" جنید نے سپاٹ لہجے میں اسے احساس دلایا کہ وہ اب تک راستہ روکے کھڑی تھی، وہ خاموشی سے ہٹ گئی تو جنید اندر بڑھ گیا۔

چھٹی کی وجہ سے ساری "آبادی" گھر پر ہی تھی، وہ شہر کے مانے ہوئے وکیل اپنے چچا حسن ہمدانی، ہنس مکھ سی چچی اور دونوں چھوٹے کزنز شازی اور امبر سے ملتا ملاتا رہا اور علی کو جی بھر کے مس کرتا رہا، وہ دونوں تھے بھی بچپن سے بہت گہرے دوست، اسکول کالج میں بھی ساتھ، البتہ علی کا رجحان شروع سے کمپیوٹرز کی طرف تھا جبکہ جنید کا ڈاکٹری کی طرف۔

☆☆☆

"بھائی صاحب نیچے آ جائیں سورج ڈوب چکا ہے۔"

شازی نے ٹیرس پر پچھلے ایک گھنٹے سے کھڑے جنید کو آواز دی تو اسے بھی فضا میں بڑھتی ہوئی ٹھنڈک کا احساس ہوا، جاتے دسمبر کی شامیں اب بھی کافی ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔

"امبر ایک کپ کافی کا مل جائے گا۔" اس کے نیچے آتے ہوئے سیڑھیوں کے آخری موڑ پر بیٹھی ہوئی امبر کے سر پر ہاتھ میں پکڑا اخبار زور سے دے مارا اور جب اس نے سر اٹھایا تو وہ شرمندگی سے کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

"آئی ایم سوری، میں سمجھا امبر بیٹھی ہوئی ہے۔" گو کہ آج اس کے ہاتھ میں "کھرپی" نہیں تھی، لیکن اس کے تیور کافی ناگواری ظاہر کر رہے تھے۔

"آپ یقین کریں میں نے یہ جان بوجھ کر نہیں کیا۔" اس نے دوبارہ معذرت کی تو اس نے سر جھٹکا۔

"کوئی بات نہیں۔" کہتی ہوئی وہ اٹھ کر اندر چلی گئی تو وہ شازی اور مانی کی طرف متوجہ ہو گیا وہ بیڈمنٹن کھیل کم اور لڑ زیادہ رہے تھے۔

"شازی تمہاری چھٹیاں ختم نہیں ہوئیں ابھی تک۔" وہ سائیڈ پر پڑی چیئر پر جا بیٹھا۔

"کیوں آپ کو میرا گھر میں بیٹھنا برا لگ رہا ہے ویسے چھٹیاں تو کب کی ختم ہو گئیں۔" اس نے مانی کو سروس کراتے ہوئے جواب دیا۔

"تو تم کالج کیوں نہیں جا رہے۔" اس نے بڑے بھائی کی سیٹ سنبھالی۔

"بڑے لوگوں کو بہت بڑے بڑے کام ہوتے ہیں۔" وہ بدستور مگن رہا۔

"ہاں تمہارے بڑے بڑے کاموں کا کچھ ذکر تو سنا ہے میں نے، یار یہ کن چکروں میں پڑتے جا رہے ہو تم لوگ، اس کو کرکٹ کا بخار چڑھا رہتا ہے، تم آج کل میوزک گروپ بنا رہے ہو، تم لوگ کوئی ڈھنگ کا کام سیریس ہو کر کیوں نہیں کرتے۔"

"بھائی آپ بوڑھے ہو گئے ہیں اس لئے اتنی بوڑھی بوڑھی باتیں کر رہے ہیں، یہی کام تو آج کل ڈھنگ کے ہیں۔" مانی کا پوائنٹ اس کی تقریر سے مس ہو گیا تھا، سو وہ ریکٹ پھینک کر ادھر ہی چلا آیا۔

"اور کیا، آپ کر چکے ہیں نا ڈھنگ کا کام، رزلٹ نہیں آیا ابھی، جب رزلٹ آئے گا عملی زندگی میں جائیں گے تو پتا چلے گا کہ آج کل بے ڈھنگے کاموں کی مارکیٹ ویلیو کتنی اچھی ہے۔" شازی نے بھی سیٹ سنبھال لی، اس نے غور سے ان دونوں کو دیکھا۔

"شوق کی مارکیٹ ویلیو اب ڈاؤن ہو سکتی ہے عزیزو، تعلیم کی نہیں ہو سکتی، تعلیم کو تم مارکیٹ ریٹ سے نہیں پرکھ سکتے اور جو کچھ تم کر رہے ہو یہ پڑھائی کرنے کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔"

"بالکل، پچیس چھبیس سال کی عمر میں تعلیم ختم کرنے کے بعد یہ مانی کو تو پروفیشنل کرکٹ ٹیم میں ڈائریکٹ کیپٹن لے لیا جائے گا، اس کی ڈگری کی بنیاد پر اور میں اس عمر میں اپنا میوزیکل کیریئر شروع کر کے پھر اپنے بچوں کو "پاپا کہتے ہیں" ہی سنایا کروں گا بڑھاپے میں۔"

"بھائی آج کے دور کا تقاضا ہے کہ جو کام آپ نے دس سال بعد کرنا ہے وہ آپ آج کریں اور ویسے بھی ہم اپنی تعلیم کو اتنا نظر انداز نہیں کر رہے، کچھ نہ کچھ تو پڑھ ہی رہے ہیں اور یہ کافی کا اکلوتا کپ کس کے لئے آ رہا ہے۔"

شازی لمبی تقریر جھاڑتے جھاڑتے کریم کی طرف متوجہ ہوا، جو جنید کی طرف کپ بڑھا رہا تھا۔

"مینا بی بی کہہ رہی تھیں آپ کافی مانگ رہے تھے۔"

"میں..... کب؟ اچھا ہاں۔" اس نے کپ پکڑتے پکڑتے پھر شازی کو دیکھا۔

"یہ مینا بی بی کون ہیں؟"

"امی کی دور کی کوئی بھانجی ہیں۔"

ان سب کی رشتہ داروں کے متعلق معلومات کافی ناقص رہا کرتی تھیں سو وہ تفصیل میں جائے بغیر کافی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆

اسلام آباد ائیرپورٹ پر اندرون ملک پروازوں کے ٹرمینل پر آدھے گھنٹے سے بور ہوتے ہوئے جنید اب تنگ آ کر واپس مڑنے ہی لگا تھا کہ لاؤنج سے باہر آتے علی کو دیکھ کر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے وہیں رک گیا۔

علی لاؤنج سے باہر نکل کر اب متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"صاحب جی ٹیکسی چاہیے۔" اس نے پیچھے سے جا کر علی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"نہیں چاہیے۔" علی نے مڑ بغیر جواب دیا۔

"صاحب جی ٹیکسی۔" اس نے دوبارہ اس کا بازو ہلایا۔

"نہیں چاہیے نا، سنتے نہیں ہو۔" علی نے پھر مڑ کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

"صاحب جی مفت لے جاؤں گا۔" اب کے اس نے زور سے کندھا ہلایا۔

"یار کہہ جو دیا نہیں جانا۔" علی جھلا کر پیچھے مڑا اور ایک سیکنڈ کے لئے حیران رہ گیا۔

"ٹیکسی نہیں چلے گی صاحب۔" جنید کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔

"خبیث۔" وہ ایک دم اس کے گلے لگ گیا۔

"پکی پکی چھٹی کر کے آئے ہو یا ابھی کچھ وائیوز کا دم چھلا رہتا ہے۔" گاڑی میں بیٹھ کر علی نے اس سے پوچھا۔

"منہ پر مار کر آیا ہوں سارے وائیواز۔"

"اچھا اس کا مطلب ہے روز تم اپنی شکل دکھا دکھا کر بور کیا کرو گے۔" علی نے بیزاری سے سر ہلایا۔

"ویسے اچھا ہوا تم آ گئے مجھے تم سے بہت اہم بات شیئر کرنی تھی۔"

"وہ کیا؟" جنید نے موڑ پر گاڑی آہستہ کی۔

"میں شادی کر رہا ہوں۔" علی نے اپنی طرف سے دھماکا کیا۔

"اچھا!" اس نے موڑ کاٹتے ہوئے سرد مہری سے کہا۔

"اچھا؟" علی نے تپ کر اسے دیکھا۔

"صرف اچھا، حد ہے یار تمہارے لنگوٹیے

یار کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے اور صرف اچھا۔“

”ہاں اس لئے کہ میرے لنگوٹیے یار کا اگر بس چلتا تو سترہ برس کی عمر سے اب تک بیسیوں شادیاں کر چکا ہوتا۔“

”نہیں یار وہ سب تو دل لگی تھی صرف دل لگی۔“ علی کھسیا کر رہ گیا۔

”تم نے کبھی دل لگی اور محبت میں فرق کیا ہے علی۔“ ریڈ لائٹ پر گاڑی روکتے ہوئے جنید تھوڑا سنجیدہ سا ہو گیا۔

”ہاں کیا ہے تم نے گاڑی روکی ہے جنید اس لئے کہ سامنے لائٹ ریڈ ہے، تم کچھ دیر کے لئے ہی رکو گے لیکن رکو گے ضرور اور پھر تم آگے بڑھ جاؤ گے، اس جگہ پر اپنا کوئی بھی نشان چھوڑے بغیر، لیکن پھر گاڑی تمہارے اپنے گھر کے آگے جا کر رکے گی، کبھی آگے نہ بڑھنے کے لئے بس یہی فرق ہوتا ہے۔“

”میں ریڈ لائٹ پر رکا ہوں کہ یہ اصول ہے، تم اپنی بے اصول محبتیں اس کے ساتھ بے شک مت ملاؤ۔“ جنید نے بیزاری سے کہا تو علی چڑ گیا۔

”تم بھی بور مت کرو، اتنے سال لڑکیوں کے ساتھ پڑھ کر بھی ایسے ہی رہے۔“

”میں پڑھتا رہا ہوں، لڑکیاں نہیں دیکھتا رہا۔“ اس نے ٹریفک بلاک ہونے کا غصہ علی پر اتارا۔

”پھر بھی یار کوئی ہلکا سا خاکہ تو ہوتا ہے ذہن میں، جو انسان کو یاد نہیں رہتا لیکن اچھا لگتا ہے، اتنا تو کہو کہ تمہیں لڑکیوں کی کون سی قسم اچھی لگتی ہے شرمائی شرمائی، سر جھکا کر چلتے چلتے دروازے سے ٹکرا جانے والی، دوسروں کی زور کی آواز سے سہم جانے والی یا سر اٹھا کر چلنے والی اپنی رعب دار آواز سے دوسروں کو چپ کرا دینے والی۔“ علی جان کو آ گیا۔

”نہیں یار۔“ جنید نے دور آسمان پر نگاہ ڈالی اور سوچ کر بولا۔

”بے اعتماد ڈرپوک لوگ تو شاید ان کی پسند ہوتے ہیں جنہیں اپنا سر بلند رکھنے کے لئے دوسروں کے سر جھکا دیکھنے کی خواہش ہو، جو دوسروں کی نظروں میں دیکھنے کا حوصلہ نہ رکھتے ہوں انہیں ہی مخالف کی نظر ہمیشہ جھکی رہنے کی خواہش ہوتی ہے مجھے دبی دبی، خوفزدہ بے اعتماد لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔“

”عورت تو بڑا خوبصورت تحفہ ہے مالک کا، انہیں تو اپنے ہونے پر ناز ہونا چاہیے فخر ہونا چاہیے نا کہ شرمندگی اور خوف۔“

”تمہارا مطلب ہے مغرور ہونا چاہیے۔“ علی اس کا مذاق اڑانے لگا۔

”کانٹے دار جھاڑیوں کی طرح، کہ پاس سے گزرنے والوں کے دامن میں بھی سوراخ کر ڈالیں۔“ جنید آہستہ سے مسکرا دیا۔

”نہیں، لیکن پھولوں کی طرح قابل نظارہ بھی نہیں ہونا چاہیے، عورت کو تو بس خوشبو کی طرح ہونا چاہیے جو وجود نہیں رکھتی، نظر نہیں آتی لیکن جس جگہ موجود ہوتی ہے وہ ساری فضا خوبصورت اور خوشگوار ہوتی ہے مجھے بھی ایسی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں جو محفل سے غیر حاضر ہوں لیکن ان کی موجودگی محسوس ہوتی ہو، جن کے اندر کا اعتماد ان کو کسی مرد کے سہارے کا محتاج نہ بناتا ہو، جس کے اندر کی آگہی نے اسے باعلم اور باخبر بنایا ہو، مغرور اور خود پسند نہیں۔“

”مجھے لگتا ہے تم کنوارے ہی دنیا سے جاؤ گے۔“ علی نے سر ہلاتے ہوئے افسوس سے کہا تو اس نے مسکرا کر گاڑی بڑھا دی۔

☆☆☆

”مجھے نہیں لگتا کہ یہ معصوم اپنی منزل کو پہنچ جائے گی۔“ جنید نے فل بھری گاڑی کے اندر نظر دوڑائی۔

”یقیناً نہیں پہنچے گی، کیونکہ میں نے آج تک کسی گاڑی کو بغیر چابی کے چلتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ شازی نے اس کی اصل بات نظر انداز کرتے ہوئے احساس دلایا کہ وہ گاڑی کی چابی اندر ہی بھول آیا تھا۔

”خیر وہ تو میں لے آتا ہوں تم لوگ برائے مہربانی یہ باہر نکالو۔“ وہ ان کو ڈپٹتا ہوا اندر بڑھ گیا، وہ سب لوگ آج سنڈے منانے کے چکر میں پکنک کے لئے نکلے تھے اور مانی اپنے کرکٹ کے، شازی گٹار اور امبر کھانے پینے کے ڈھیروں سامان کے ساتھ گاڑی میں پھنس کر بیٹھے ہوئے تھے۔

”میں آخری دفعہ کہہ رہی ہوں، برائے مہربانی مجھے تنگ مت کریں۔“ وہ چابی اور علی دونوں کو دیکھتا ہوا لاؤنج میں آ نکلا تھا، جب جھنجھلائے ہوئے لہجے میں ریسیور پر کسی کو ڈانٹتی مینا نے اس کے قدم وہیں روک دیئے۔

”یا اللہ کس کی شامت آئی ہے۔“ وہ کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ ریسیور رکھتے وہ پلٹی، دروازے پہ اسے دیکھ کر اس کی شفاف پیشانی پر لاتعداد شکنیں پڑ گئیں۔

”آپ نہیں چلیں گی ہمارے ساتھ۔“ اس کی پوزیشن کافی پریشان کن تھی، جیسے وہ چھپ کر اس کی باتیں سن رہا ہو، سو اس نے کرٹسی دکھا کر معاملہ برابر کرنے کی کوشش کی۔

”نہیں۔“ وہ پلٹ کر جانے لگی کہ سامنے سے علی برآمد ہوا۔

”یہ تم لوگ یہاں کیوں کھڑے ہو، چلو چلو جلدی گاڑی میں بیٹھو۔“

”علی بھائی میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔“

”ہاں تو ٹھیک ہو جائے گی کھلی ہوا میں جانے سے۔“ علی کی یہ پیچھے پڑ جانے والی عادت جس سے وہ بہت چڑتا تھا آج اسے بہت اچھی لگی، جس سے زچ ہو کر وہ امبر کے ساتھ گاڑی میں جا بیٹھی۔

اور اس دن کنول جھیل کے خوبصورت کنارے، علی سے کرکٹ کھیلتے ہوئے، شرط لگا کر جھیل کے بالکل سامنے، سب سے اونچی چوٹی پر چڑھتے ہوئے لکڑیاں اکٹھی کر کے دھوئیں والی کالی چائے پیتے ہوئے اور شام کو واپسی سے کچھ دیر پہلے شازی سے گٹار پر یونہی بے سبب نہ پھرا کو، سنتے ہوئے اس نے بہت کوشش کی کہ اس لڑکی کی طرف نہ دیکھے جس کی آنکھوں کا گہرا برف جیسا سکوت اس کی ہنسی کا ساتھ نہیں دیتا تھا، لیکن جن آنکھوں پر وہ سالوں سے کڑے پہرے بٹھاتا آیا تھا، آج نہ جانے کیوں بغاوت پر مل گئی تھیں۔

☆☆☆

”چچی جان آپ کا بلڈ پریشر تو بہت زیادہ ہے، لگتا ہے آپ کوئی احتیاط نہیں کرتیں۔“ جنید سیدھا ہو کر کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”ارے بیٹا! احتیاط تو بہت کرتی ہوں، بس یہ بڑھاپا جو ہے سو بیماریوں کی جڑ۔“ وہ بڑھاپے کا رونا رو کر کریم کو چائے کا آرڈر دینے لگیں۔

”آپ کا لان کافی نکھر آیا ہے۔“ جنید نے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

ساری رات کی بارش کے بعد صبح کی چمکیلی دھوپ کافی اچھی لگ رہی تھی۔

”یہ سب تو مینا کی محنت ہے، مجھے تو اس موئے بلڈ پریشر نے کچھ کرنے کے قابل ہی نہیں

چھوڑا۔"

"بینا!" جنید دھیرے سے مسکرایا۔

"غیر موجود رہ کر بھی موجود۔"

"تم نے کیوں تکلیف کی بیٹی، کریم کہاں ہے۔" چچی جان اسے چائے کی ٹرے لاتے دیکھ کر بولیں۔

"وہ امبر اور شازی کو ناشتہ دے رہا ہے۔" اس نے ٹرے لان کے درمیان چھوٹی میز پر رکھ دی۔

"تو کیا علی ابھی تک نہیں جاگا۔"

"نہیں خالہ جان وہ ابھی تک تو سو رہے ہیں۔"

"ایک تو میں اس لڑکے سے بہت تنگ ہوں، اب چھٹی کے دن کا یہ مطلب بھی نہیں کہ سارا دن سوتے ہی رہو۔" چچی جان بڑبڑانے لگیں پھر واپس جاتی بینا سے بولیں۔

"ارے بیٹا! تم ذرا جنید کو چائے بنا کر دو، میں اس کی خبر لے کر آتی ہوں۔" وہ علی کی خبر لینے چلی گئیں تو جنید اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"اور جناب! آپ کا کیا حال ہے؟" وہ عین اس کے سامنے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے چائے بنا رہی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔" وہی سپاٹ لہجہ۔

"سنا ہے آپ کو باغبانی کا کافی شوق ہے۔"

"جی صحیح سنا ہے، چینی کتنی۔" وہ سر جھکائے مگن رہی۔

"ایک چمچ، لیکن لگتا ہے آپ کو بولنے کا کوئی خاص شوق نہیں۔" اس نے پہلی دفعہ نظر اٹھا کر جنید کو دیکھا اور پھر نظر جھکا لی۔

"کوئی خاص نہیں۔" مختصر جواب آیا۔

"یہ کوئی اچھی عادت تو نہیں، انسان کو کم از کم اتنا تو بولنا چاہیے کہ اپنے آپ کو ایکسپریس کر سکے۔" وہ مسلسل اس کا گھیراؤ کیے ہوئے تھا۔

"یہ بھی ضروری نہیں کہ انسان ہر دوسرے کے سامنے اپنے آپ کو ایکسپریس بھی کرے۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی تندی آ گئی، جنید ایک دم خاموش ہو گیا۔

"واقعی ضروری تو نہیں۔" اس نے تھوڑی دیر بعد سر ہلا کر کہا، تو بینا اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی، اسے شاید لفظ "دوسرا" بہت برا لگا تھا، حالانکہ وہ بہت کوشش کرتی تھی کہ اس کے لہجے میں اتنی تپش نہ آئے کہ مقابل خوامخواہ ہی برا مان جائے، لیکن کبھی کبھی خود بخود ہی ایسا ہو جاتا تھا، اسے جنید کا ایکدم چپ ہو جانا محسوس ہوا۔

"میرا مطلب یہ تھا کہ ضروری تو نہیں کہ میں بھی اسے اچھی عادت ہی سمجھوں۔" اس نے بات سنبھالنے کی کوشش کی، جنید مسکرا دیا۔

"گویا آپ اپنی عادت کے متعلق خود فیصلہ کرتی ہیں، دوسروں کی تعریف یا برائی پر نہیں۔"

"یہی سمجھ لیں۔" وہ اس کے ہاتھ میں چائے کی پیالی تھما کر اٹھنے لگی۔

"اچھی عادت ہے، بلکہ بہت اچھی، اس لئے بھی کہ مجھے پسند ہے۔" بینا نے ایک دم سر اٹھا کر اسے دیکھا، کچھ دیر خاموش رہی پھر ہموار لہجے میں بولی۔

"علی بھائی آپ کے لئے ناشتہ لاؤں۔" جنید نے مڑ کر دیکھا، علی دن کے دس بجے اٹھ کر منہ پھلائے آ رہا تھا، شاید چچی جان سے ڈانٹ کھائی تھی۔

"نہیں بینا، صرف ایک کپ چائے کا دے دو۔" وہ دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اور تمہیں صبح صبح کوئی کام نہیں ملا کرنے کو جو ادھر دوڑے چلے آئے ہو، آخر رشتے داروں

کے ہاں جانے کے بھی کچھ اوقات ہوتے ہیں۔" علی ماما کا غصہ اس پر اتارنے لگا۔

"کون سے اوقات کی بات کر رہے ہو بھائی، صبح کے یا دوپہر کے۔" جنید نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا تو وہ کھسیا گیا۔

"اب میں بھی کیا کروں، اگر سورج صبح چھ بجے طلوع ہو جائے تو، اسے بھی آخر سوچنا چاہیے کہ چھٹی کا دن ہے، کیا ہو گا اگر دو چار گھنٹے لیٹ نکل آئے تو۔" علی نے منہ بنایا۔

"اور ہاں تم نے وہ کام کیا جو تمہیں کہا تھا۔"

"کرنے ہی تو والا تھا۔" جنید جاتی ہوئی بینا پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"لیکن اچانک ہی چچی جان کو تمہاری خبر لینا یاد آ گیا، ویسے یار! ابھی تک تو مجھے بھی پوری طرح یقین نہیں آیا، کہیں ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر تم پٹری بدل لو۔" جنید نے اسے چھیڑا۔

وہ کئی دنوں سے چچی جان سے بات کرنے کا موقع تلاش کر رہا تھا، کہ انہیں بتا سکے کہ ان کا بیٹا اب اتنا بڑا ہو چکا ہے کہ کسی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ سکے۔

"اچھا بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔" علی تپ گیا۔

"اچھا بابا نہیں کرتا بکواس، لیکن ایک بات تو بتاؤ۔" جنید پیالی میز پر رکھ کر پوری طرح سنجیدہ ہو گیا۔

"کیا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچانک ہی کوئی ایسا شخص جسے آپ جانتے بھی نہ ہوں، جس کے متعلق کبھی سوچا بھی نہ ہو، لیکن جب وہ ملے تو لگے کہ وہ ہمیشہ سے ہماری سوچوں میں تھا، جیسے اسے برسوں سے جانتے ہوں جیسے یہ شروع سے ہمارے ساتھ ہی رہتا آیا ہو۔"

"خیریت تو ہے نا بھائی۔" علی نے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔" جنید کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

"آئیڈیل بنایا ہے کبھی کوئی، اپنے پروفیسرز کے علاوہ۔" علی کپ میز پر رکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

"کبھی نہیں، ہم حقیقت کی دنیا میں رہنے والے لوگ ہیں۔"

"لیکن اس روز تو تم نے کہا تھا کہ تمہیں فلاں فلاں طرح کی لڑکیاں......"

"وہ اور بات تھی، اچھی ضرور لگتی ہیں فلاں فلاں طرح کی لڑکیاں، لیکن نہ تو کبھی آئیڈیل بنایا ہے نہ اسے ڈھونڈا ہے۔" جنید اڑا رہا۔

"یہی تو بات ہے ڈاکٹر صاحب۔" علی مسکرایا۔

"ہم سب خواب دیکھتے ہیں، آئیڈیل بناتے ہیں، اس کو ڈھونڈتے ہیں، لیکن اسے اون کرتے ہوئے ڈرتے ہیں، حقیقت پسندی کا دعوی کرنے کی خاطر اپنے خوابوں سے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔"

"تم کسی آسان زبان میں بات کر سکتے ہو۔" جنید چڑ گیا۔

"بات سیدھی سی ہے یار! خواب دیکھنا آئیڈیل بنانا ایک بالکل قدرتی عمل ہے، جو لوگ سخت ماحول میں رہتے ہیں وہ تمام عمر اپنے ذہن میں اس شخص کا تصور پالتے رہتے ہیں جو بہت نرم مزاج ہو، جن لڑکیوں کے والد حیات نہیں رہتے ان کے اندر کا عدم تحفظ کا احساس انہیں اپنے سے بہت بڑی عمر کے لوگوں کو آئیڈیلائز کرنے پر مجبور کرتا ہے۔"

"یہ آئیڈیل یہ خاکے ہمارے ذہن میں ہوش سنبھالنے کے ساتھ ہی بننا شروع ہو جاتے

ہیں، سالوں ہمارے ساتھ رہتے ہیں اور خوش قسمتی سے اگر کسی کا اپنا آئیڈیل مل جائے تو ہمارا لاشعور اسے پہچان کر اپنے تمام بے نام و نشان جذبے اس کے نام کر دیتا ہے اور یار لوگ اسے محبت کا نام دے دیتے ہیں، سمجھے یا نہیں۔''

''سمجھ گیا ہوں یار! سب سمجھ گیا ہوں۔'' جنید نے گہری سانس لے کر کرسی سے ٹیک لگا لی۔

☆☆☆

فون کی گھنٹی بہت دیر سے بج رہی تھی، اس نے لاؤنج میں جھانکا اور کسی کو آس پاس نہ پا کر فوراً ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو! زرینا کو بلا دیں۔'' بھاری مردانہ آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

''کون زرینا اچھا ہاں، ہولڈ کریں پلیز۔''

(تو دراصل نام زرینا ہے)، وہ سوچتے سوچتے آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ سائیڈ کے کمرے سے فلور کشن دونوں ہاتھوں میں اٹھائے وہ برآمد ہوئی۔

''زرینا آپ ہی ہیں نا۔'' اس نے کنفرم کرنا مناسب سمجھا۔

''جی!'' وہ رک گئی۔

''آپ کا فون ہے۔'' وہ سرسری انداز میں بتا کر مڑنے ہی والا تھا کہ مخالف کے تاثرات نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔

''کک......کون......کون تھا فون پر۔''

شکر ہے کہ اس کے ہاتھ میں فلور کشن ہی تھے، ورنہ جس طرح وہ اس کے ہاتھ سے سلپ ہو کر گرے تھے کوئی نازک چیز ہوتی تو وہ ٹکڑوں میں بکھر جاتی۔

جنید نے سنجیدہ سی نظر اس کی اڑی رنگت والے چہرے پر ڈالی اور ''میں پوچھ کر آتا ہوں'' کہہ کر مڑ گیا۔

''نہیں......نہیں میں دیکھ لیتی ہوں۔''

جس طرح اچھل کر وہ فون تک آئی تھی، جنید کو فوری طور پر یہ ہی خیال آیا کہ اگر وہ جمپنگ کے مقابلے میں حصہ لیتی تو شاید اس جمپ پر اسے اولمپک میں کوئی میڈل مل سکتا تھا۔

''آپ کو کوئی کام ہے۔'' اس سے پہلے فون تک آ کر ریسیور ہاتھ میں پکڑ کر اب وہ اس کے باہر جانے کی منتظر تھی، جنید تپ کر رہ گیا۔

''جی نہیں آپ آرام سے بات کریں۔''

(خاتون کا خیال ہے کہ میں چھپ کر ان کی باتیں سنتا ہوں) وہ لان میں اترنے والی آخری سیڑھی پر بیٹھا اسی بات کو سوچ سوچ کر کھول رہا تھا کہ علی نے چونکا دیا۔

''تم یہاں باہر کیا کر رہے ہو اکیلے۔''

''تو اور کیا کروں، وہ تمہاری......'' کہتے کہتے وہ رک گیا۔

''کچھ نہیں، ویسے ہی تمہارا انتظار کر رہا تھا اور تم کہاں غائب ہو گئے تھے مجھے بلا کر۔'' اب غصہ کسی نہ کسی پر تو اتارنا تھا۔

''اندر ہی تھا یار چلو اٹھو باہر چلتے ہیں۔'' وہ اسے کھینچ کر باہر لے گیا۔

☆☆☆

''آخر تم اپنے کپڑے کیوں نہیں پہنتے، اب تو لوگ بھی پہچاننے لگے ہیں کہ تم کس کے کپڑے پہن کر روز آ جاتے ہو۔''

شازیب کا کسی جگہ فنکشن تھا اور وہ حسب عادت مانی کی وارڈروب پر حملہ آور تھا۔

''بکومت، صرف تین شرٹس اور دو جینز تم سے ادھار لی تھی میں نے اور اس بات کو بھی چھ مہینے ہو چکے ہیں۔'' شازی اس کے آدھے کپڑوں کو وارڈروب سے نکال کر سارے کمرے میں پھیلا چکا تھا۔

''اور وہ جو ابھی پچھلے مہینے تم نے نئی شرٹس لی ہیں ان کو کیا ہوا۔'' جنید سی ڈی کو ڈھونڈتے ہوئے بولا۔

''وہ تو میرے سارے دوست دیکھ چکے ہیں۔''

''تو پھر ایسا کرو نئے دوست بنا لو اگر نئے کپڑے نہیں لے سکتے تو۔'' علی نے مفت مشورہ دیا۔

''نہیں بھائی ایسا کریں میرے کپڑے پہن جائیں، وہ آپ کے کسی دوست نے نہیں دیکھے ہوں گے۔'' امبر چائے کے کپ رکھنے آئی تو لقمہ دے گئی۔

''آپ لوگ برائے مہربانی چپ ہو جایئے اور مانی نکالو اپنی نئی جینز جو ابھی تم پرسوں لے کر آئے ہو، آخر کہاں چھپائی ہے۔''

''لیکن جینز پر تو پابندی ہے۔'' جنید نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

''جہاں جینز پر پابندی ہے میں وہاں جا بھی نہیں رہا، ایسے تنگ نظروں کے سامنے ہم اپنی فارمنس پیش بھی نہیں کرتے، جو انسان کی قدر اس کے فن کی بجائے اس کے کپڑوں سے کریں۔'' شازی نہ جانے کب کی خار کھائے بیٹھا تھا۔

''اچھا۔'' جنید اٹھ کر نزدیک چلا گیا۔

''تم یہ کاٹن کا کلف لگا ہوا کرتا کیوں نہیں پہن لیتے۔''

''یہ۔'' شازی نے تمسخر سے پہلے جنید کو پھر اس کے ہاتھ میں سفید کلف لگے کرتے کو دیکھا۔

''یہ پیرا شوٹ پہن کر میں اسٹیج پر جاؤں گا، لوگ ٹماٹر مار مار کر اس کو ریڈ کر دیں گے۔''

''لیکن تم تو وہاں پر فارمنس پیش کرنے جا رہے ہو جہاں لوگ تمہیں تمہارے گانے کے حوالے سے دیکھیں گے نہ کہ اس حوالے سے کہ تم نے جینز پہنی ہے یا کرتا شلوار۔'' جنید کا لہجہ تیکھا ہو گیا۔

''چلو بزرگو کو پھر نصیحت کرنے کا شوق ہوا ہے۔'' مانی کپڑے سمیٹتے ہوئے بڑبڑایا۔

''بھائی آپ لوگ کیا سمجھتے ہیں جو شخص جینز جیکٹ پہنتا ہے منہ ٹیڑھا کر کے انگلش بولتا ہے اسے اپنے ملک سے محبت نہیں ہے، ساری محبت کرتا شلوار اور اجرک پہننے والے لوگ ہی کرتے ہیں۔'' شازی کپڑوں کو بھول کر بحث کرنے بیٹھ گیا۔

''بیٹا جس سے محبت ہوتی ہے نا اس سے وابستہ ہر چیز سے محبت ہوتی ہے، تم لوگوں کی جنریشن، ملک کو بھی چند گھنٹوں کی محبوبہ کی طرح سمجھتی ہے، اس کی شان میں ایک گیت گایا، فنکشن کے آخر میں پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگایا اور بس، حقیقت میں اس ملک کے کپڑے پہنتے ہوئے اس ملک کی علاقائی زبانیں بولتے ہوئے اس ملک کے ادیبوں و دانشوروں کا حوالہ اپنی گفتگو میں دیتے ہوئے تم شرمندگی کا شکار رہتے ہو، جینز جیکٹ پہننے والے کی حب الوطنی پر شک کرنا ہی تنگ نظری نہیں ہے عزیزم، تنگ نظری یہ بھی ہے کہ کسی عام فنکشن میں کسی سڑک پر چلتے ہوئے اگر شلوار قمیض پہنے اجرک اوڑھے ہوئے کوئی شخص تم سے پنجابی، پشتو یا سندھی لہجے میں اردو بولتے ہوئے تم سے کچھ پوچھے اور تم اسے اس شخص کے مقابلے میں آدھی اہمیت بھی نہیں دیتے جو سوٹڈ بوٹڈ ہو کر انگلش لہجے میں تم سے کوئی بات کر دے تم شوق سے نئی دنیا میں تسخیر کرو، لیکن اپنے قدم تو اپنی زمین پر رکھو۔'' جنید لمبی چوڑی تقریر کر کے باہر نکل گیا۔

''آپ کچھ پسند فرمائیں گے یا میں اسی طرح بازار لگائے رکھوں۔'' مانی نے خاموش

کھڑے شازی کو جھنجھوڑا۔

''مانی کیا خیال ہے نیا ٹرینڈ نہ نکالیں، شلوار قمیض پہن کر پاپ سنگنگ کرنا۔'' شازی نے پرخیال انداز میں اسے دیکھا۔

''خیال تو اچھا ہے۔'' علی اطمینان کا سانس لے کر اپنے کپڑے سمیٹنے لگا۔

''بس ٹھیک ہے پھر میں تمہارا یہ نیا کرتا شلوار لے لیتا ہوں، میرے پاس تو کوئی ڈھنگ کا سوٹ ہے ہی نہیں۔'' اور مانی بس اس کو گھور کر رہ گیا۔

☆☆☆

کھاریاں سے راولپنڈی چار گھنٹے کی ڈرائیونگ کرنے کے بعد اس کا خیال تھا کہ اب گھر میں گھسے گا اور پڑ کر سو رہے گا، لیکن اندھیرے میں ڈوبا ہوا گھر اس کو کوفت زدہ ہونے کے ساتھ ساتھ تشویش زدہ بھی کر گیا۔

''یہ دونوں گھر والے رات کے دس بجے تو کسی صورت نہیں سو سکتے۔''

دو ایک دفعہ بیل بجانے پر گیٹ بجانے کے بعد وہ تھوڑا پیچھے ہٹ کر چچا کے گھر کی طرف دیکھنے لگا، لان کے آخری سرے پر جلتا لیمپ پوسٹ گھر میں کسی کی موجودگی کی امید دلا رہا تھا، اس نے باہر سے ہی جھانک کر دیکھا، لان کے بیچوں بیچ میں بیٹھی وہ شاید چاندنی کا لطف لے رہی تھی، اسے خوامخواہ ہی شرارت سوجھی، گیٹ بجانے کے بجائے دیوار پھاندی اور عین اس کے پیچھے جا کر ''ہاؤ'' کیا۔

''السلام علیکم!'' اس نے آہستہ سے گردن موڑ کر ٹھنڈے لہجے میں کہا تو وہ شرمندہ ہو گیا۔

''کمال ہے آپ کی دو آنکھیں پیچھے بھی ہوتی ہیں۔'' وہ گھوم کر سامنے والی چیئر پر جا بیٹھا۔

''نہیں ایک تیسری آنکھ شعور کی بھی ہوتی ہے۔'' اس کا لہجہ بہت دوستانہ تھا۔

''اتنی دیر سے آپ بیل بجا رہے تھے، ایک آدھ آواز بھی دی تھی، اس طرف تو آپ کو آنا ہی تھا اور ہاں اگلی دفعہ آپ دیوار پھاند کر آئیں تو اتنی زور سے جمپ مت لگایئے گا کہ سارے محلے والوں کو پتا چلے۔''

''اچھا۔'' اس نے منہ لٹکایا۔

''اس کا مطلب ہے میں کبھی اچھا چور نہیں بن سکتا، ویسے یہ گھر والے گئے کہاں ہیں۔''

''غالباً آپ کے والد کے کسی دوست کے بیٹے کی شادی تھی آج، سب لوگ اسلام آباد اسی فنکشن میں گئے ہیں۔''

''آپ کیوں نہیں گئیں۔'' جنید نے غور سے اسے دیکھا نہ جانے کیوں آج وہ کچھ مختلف سی لگ رہی تھی۔

''جن لوگوں سے آپ کا اپنا تعارف کروانا پڑے ان کی دعوت میں جانے سے کیا فائدہ۔''

''تو اس طرح باہر بیٹھ کر کیا آپ چاند کی چودہ تاریخ ہونے کا انتظار کر رہی ہیں کہ آج چودھویں کی چاندنی تو ہے نہیں جس کو اس طرح سردی میں بیٹھ کر انجوائے کیا جائے۔''

''لگتا ہے آپ نے چودھویں کے علاوہ کبھی چاند دیکھا نہیں ورنہ آپ کو پتا چلتا کہ نامکمل حسن میں کیا کشش ہوتی ہے۔'' اس نے ٹکڑا توڑ جواب دیا۔

''بہت خوب۔'' اس نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''ویسے حیرت کی بات نہیں ہے کہ ہم دونوں اتنے دنوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں لیکن ابھی تک مکمل طور پر ایک دوسرے سے متعارف نہیں ہوئے۔'' اس کے بہت دیر سے ریلیکس چہرے پر ہلکا سا تناؤ آ گیا۔

''آئی ایم سوری، میں نے آپ کو شاید اسی الجھن میں ڈال دیا جس سے بچ کر آپ یہاں بیٹھی ہیں۔''

''نہیں۔'' وہ مسکرا دی۔

''میرا نام زرینا ہے، انگلش میں ماسٹرز کیا ہے، میری مما جہاں آرا آنٹی کی بہت عزیز دوست ہیں اور......''

''اور آج کل آپ امتحانوں کی تھکن اتار رہی ہیں۔'' اس نے بات کاٹی۔

''میری طرح ویسے مجھے جنید کہتے ہیں، ڈاکٹر بننے والا ہوں اگر پاس ہو گیا تو میڈیسن میرا شوق خواب، مشن، عشق سب ہی کچھ ہے، حالانکہ یہ خواب آج کل کافی مہنگا پڑتا ہے، آپ کو پتا ہے ہمارے ملک میں ایک سرکاری ڈاکٹر کی روز کی تنخواہ روزانہ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں سے بھی کم ہوتی ہے۔''

''سیاست پر گفتگو منع ہے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا تو وہ آہستہ سے ہنس دیا۔

''اسی لئے میں سوچ رہا ہوں رزلٹ آ جائے اسپیشلائز کے لئے باہر چکر لگایا جائے۔'' و نہ جانے کیوں اسے سب کچھ سنا رہا تھا۔

''اتنے چاہنے والوں کو چھوڑ کر اجنبی دیس میں اتنی دور جا بیٹھنا، بہت بہادر ہیں آپ۔'' اس نے کندھے اچکا کر کہا۔

''میں شاید اتنی بہادر کبھی نہ بن سکوں۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، انسان بھی بڑی عجیب شے ہے، زندگی مشکل ہو تو آسانیوں کو ترستا رہتا ہے، زندگی آرام دہ پرسکون ہو تو خوامخواہ مشکلات کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے، میں کبھی اپنے بیڈ روم سے باہر ڈھنگ سے سو نہیں پاتا تھا، لیکن سالوں میں یہاں سے دور ہاسٹل میں اپنی صرف ایک خواہش کو پورا کرنے کے لئے پڑا رہا، ہم جیسے لوگ جن کے قدم زمین پر اور آنکھیں آسمان پر لگی رہیں ہمیشہ دوہری اذیت کے شکار رہتے ہیں، زمین سے محبت بھی کرتے ہیں، اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتے اور اونچی فضاؤں میں پرواز کرنے کی خواہش بھی ہمیں ہمیشہ بے چین رکھتی ہے، میں نے شاید آپ کو بور کر دیا ہے۔'' بات مکمل کرتے ہوئے اس نے اسے دیکھا جو ہمدرد دوست کی طرح اس کی دکھ بھری داستان سن رہی تھی، وہ چونک کر مسکرا دی۔

''نہیں ویسے ڈبل پرسنالٹی شاید اسی کو کہتے ہیں۔''

''شاید۔'' اس نے لاپرواہی سے کہتے ہوئے ٹیک لگا لی، کچھ لمحے بڑی خاموشی سے گزر گئے، اس نے ہلکے سرمئی لباس میں بالوں کو لاپرواہی سے باندھے ہوئے کچھ سوچتی ہوئی لڑکی کو بہت دھیان سے دیکھا، کچھ لوگوں کی شخصیت سرتاپا سوال ہوتی ہے، گہرے اسرار کی گہری دھند میں لپٹی ہوئی وہ اسے رات کا ایک حصہ ہی لگی۔

''مینا اس گھر کے سب لوگ آپ سے اچھی طرح متعارف ہیں نا۔'' اس نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا، پتا نہیں وہ کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔

''آپ ہم سب پر اعتبار کر سکتی ہیں، اگر کوئی آپ کو تنگ کر رہا ہے تو اسے ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔'' وہ بدستور نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھتی رہی۔

''آپ کو غالباً فون پر کوئی تنگ کرتا رہا ہے۔'' اس کا لہجہ بے حد محتاط تھا۔

''آپ چاہیں تو اس کو منع کیا جا سکتا ہے۔''

''اور یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہو گی کہ کوئی بیوی اپنے شوہر کو فون کرنے سے منع کرنے کے لئے دوسروں کا سہارا لے۔''

ٹانگیں سمیٹ کر دونوں بازو ان کے گرد لپیٹتے ہوئے اس نے آہستہ سے ہنس کر بہت اطمینان سے کہہ دیا، کتنی دیر وہ خاموشی سے بیٹھا اسے دیکھتا رہا، جیسے ابھی وہ سر اٹھائے گی اور کہے گی ارے میں تو مذاق کر رہی تھی آپ کیوں سیریس ہو گئے، بہت دیر تک وہ سوچتا رہا کہ شاید اس کے کانوں نے غلط سنا ہے، کسی تردید کی منتظر اس کی امید بھری نگاہیں بہت دیر تک اس برف جیسے سکوت والی آنکھوں میں دیکھتی رہیں، لیکن وہ تو ایک عام سی بات بہت عام سے لہجے میں اسے بتا کر اب پھر چپ کی بکل مارے بیٹھی تھی۔

''آپ کے گھر کی چابیاں۔'' اس کو اٹھتے دیکھ کر اس نے درمیانی ٹیبل پر رکھی ہوئی چابیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''آئی ایم سوری میں نے آپ سے چائے وغیرہ کا نہیں پوچھا۔''

''نہیں میں سوؤں گا اب۔'' اسے اچانک ہی یاد آ گیا کہ وہ چار گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد بہت تھک کر گھر پہنچا تھا، لمبی مسافت کی تھکن اس کے انگ انگ میں جاگ رہی تھی، تھکے ہارے قدموں سے وہ اس کے پاس سے گزر کر چلا گیا۔

''مجھے معاف کر دینا جنید، لیکن مجھے تمہیں بتانا ہی تھا۔'' جاتے ہوئے جنید کی چوڑی پشت پر نظریں جماتے ہوئے اس نے سوچا، کچھ دیر پہلے وہ جب آیا تھا تو تھکن کے باوجود اس کی آنکھیں بہت تازہ دم تھیں، ہنستا مسکراتا ہوا زندگی سے مطمئن خوش باش اور اب جیسے اس نے سب کچھ یہیں کہیں ہار دیا ہو۔

''مجھے تمہیں بتانا ہی تھا کہ تم جس راستے پر قدم رکھنے جا رہے ہو وہ تمہاری منزل نہیں ہے وہ کسی کی بھی منزل نہیں ہے۔''

☆☆☆

ابھی تو رت بدلتی تھی ابھی تو پھول کھلتے تھے
ابھی تو رات ڈھلنی تھی ابھی تو زخم سلنے تھے
ابھی تو سرزمین جاں پر اک بادل کو گھرنا تھا
ابھی تو وصل کی بارش میں ننگے پاؤں پھرنا تھا
ابھی تو کشت غم میں اک خوشی کا خواب ہونا تھا
ابھی تو سینکڑوں سوچی ہوئی باتوں کو ہونا تھا
ابھی تو ساحلوں پہ اک ہوائے شاد چلنی تھی
ابھی جو چل رہی ہے یہ تو کچھ دن بعد چلنی تھی

وہ کتنے ہی دن کمرے میں بند اپنی قسمت کی مضحکہ خیزی پر ہنستا رہا، وہ کوئی بہت زاہد خشک قسم کا انسان نہیں تھا، لیکن جس کو کتابوں میں چھپے ہوئے لفظوں سے پیار ہو جائے وہ کسی اور کی طرف آسانی سے متوجہ نہیں ہوتا، ساری عمر کنجوس کی چھپائی ہوئی دولت کی طرح اپنے جذبے سنبھال سنبھال کر رکھتے ہوئے کسی کے نام بھی کیے تو اس کے جس کا دامن پہلے ہی بھرا ہوا تھا، اس شخص کی طرح جس نے اپنی پونجی اپنی دولت چھپا چھپا کر رکھی ہو اور جب وہ بازار کیش کرانے جائے تو پتا چلے کہ بازار میں کرنسی ہی بدل چکی ہے۔

''تمہاری نسل کی یہی خرابی ہے صرف اپنے بارے میں سوچتے ہو۔'' وہ لاؤنج میں اترنے والی آخری سیڑھی پر کھڑا رہ گیا۔

پاپا مانی پر بگڑ رہے تھے نہ جانے کس بات پر، کتنے دنوں سے اس نے گھر کے کسی بھی معاملے میں دخل دینا چھوڑ ہوا تھا، اس لئے نہیں کہ وہ دنیا سے بیزار ہو چکا تھا بلکہ اس لئے کہ ایک دفعہ انسان کہیں سے دھوکا کھا جائے تو برسوں اپنے اوپر اعتماد کرتے ہوئے ڈرتا ہے۔

''معاف کیجئے گا پاپا، لیکن آپ بھی اس وقت صرف اپنے بارے میں ہی سوچ رہے ہیں۔'' مانی قالین پر جاگرز رگڑتا ہوا بولے بغیر

نہیں رہ سکا۔

''آپ یہ کیوں نہیں سوچ رہے کہ جس طرح آپ کو اپنا بزنس عزیز ہے مجھے بھی اپنا کیرئیر اسی طرح پیارا ہے۔''

''اسی بزنس کی وجہ سے آج تم اس قابل ہوئے ہو کہ اپنے کیرئیر کے متعلق سوچ سکو، تحفظ مانگتی ہے اور تمہارا یہ کیرئیر تمہیں سب کچھ دے سکتا ہے سوائے تحفظ کے۔'' پاپا بول چال کر باہر جا چکے تھے، اس نے جاتے ہوئے پاپا کو دیکھا اور آخری سیڑھی اتر کر آگے بڑھ آیا، مانی بدستور منہ پھلائے جوگرز سے کارپٹ کا بیڑہ غرق کر رہا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے چھوٹس۔'' اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے اس نے پیار سے اس کا ہاتھ ہلایا۔

''میں انڈر اٹھارہ کی ٹیم میں سلیکٹ ہو گیا ہوں۔'' مانی نے منہ پھلائے ہوئے ایسے کہا جیسے اپنی کسی چوری کا اعتراف کر رہا ہو۔

''ارے یہ میری زندگی ہے، میں اپنی زندگی کے متعلق کوئی چھوٹا سا فیصلہ کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھ سکتا۔'' مانی پھٹ پڑا۔

''یہ چھوٹا سا فیصلہ نہیں ہے مانی، اس کا اثر تمہاری پوری زندگی پر پڑے گا، پاپا نے پوری زندگی ہمیں معاشی تحفظ دینے کے لئے بزنس کی جنگ لڑی ہے اگر وہ ہماری آئندہ زندگی Secure دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ کوئی غلط بات تو نہیں۔''

''آپ کا کیا خیال ہے کھلاڑیوں کی لائف Secured نہیں ہوتی اور آپ کیوں نہیں پاپا کے بزنس میں ان کا ہاتھ بٹاتے، آپ نے اپنا خواب پورا کر لیا اور مجھے......'' مانی تپ کر کھڑا ہو گیا۔

''دیکھو۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید تقریر سے روکا۔

''میرا اور تمہارا مسئلہ ایک جیسا نہیں ہے بات صرف اپنی خواہش پوری کرنے کی نہیں ہے، کچھ وقت کی ضرورت بھی ہوتی ہے، ہمارے گھر کو ہی نہیں ہمارے ملک کو بھی اچھے پروفیشنل لوگوں کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔''

''اور اچھے کھلاڑیوں کی نہیں۔'' اس نے بات کاٹی۔

''اچھے بزنس مینوں سے زیادہ نہیں، گھر کا وجود اگر خطرے میں نظر آ رہا ہو تا عزیزم تو پہلے گھر کی دیواروں کو مضبوط کرتے ہیں، دروازہ اونچا کرتے ہیں، دشمنوں سے بچاؤ کرتے ہیں اور پھر تان کر سونے کی باری آتی ہے، گھر میں اگر کھانے کو کچھ نہ ہو تو ٹینس بال خریدتا ہوا آدمی تمہیں صحیح لگے گا؟ اپنے فائدے کے لئے تو سب سوچتے ہیں کبھی اجتماعی فائدے کے لئے بھی سوچا کرو یار۔'' وہ اس کا کندھا دبا کر سوچنے کے لئے چھوڑ کر باہر بڑھ گیا، پاپا باہر لان میں اخبار کھولے بیٹھے تھے لیکن صاف لگ رہا تھا کہ پڑھ نہیں رہے تھے۔

''سمجھایا ہے کچھ اس نالائق کو۔'' جنید کو دوسری طرف بیٹھتے دیکھ کر وہ شروع ہو گئے۔

''پاپا اگر آپ بات کو پرسنل نہ لیں تو میں کچھ کہوں۔'' اس نے تمہید باندھی، پاپا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''پاپا میرا میڈیکل کی طرف رجحان تھا، میں ادھر چلا گیا، آپ آج تک اپنے بزنس میں مصروف رہے، اس کو بھی حق ہے آخر اپنے خواب پورا کرنے کا۔''

''چلو صحیح ہے۔'' پاپا نے سر ہلایا۔

''تم اپنا خواب پورا کرو وہ اپنا، میں اس سارے بزنس کو کسی ٹرسٹ کے حوالے کر دوں

گا۔"

"پاپا وہ کتنا عرصہ کھیلے گا، ابھی تو جونیئر ٹیم میں ہے، قومی ٹیم میں چلا بھی گیا تو کب تک زیادہ سے زیادہ تیس پینتیس سال کی عمر تک، اتنے عرصے تک تو لوگ پڑھنے میں اور ملازمت ڈھونڈنے میں لگے رہتے ہیں، پھر اس کو مڑ کر بزنس کی طرف آنا ہی ہے اور ساری زندگی اس نے یہی کرنا ہے۔"

"صحیح عمر سے سیکھنا شروع ہوگا تو ہی یہ سب سنبھال سکے گا نا، سیکھنا ہی دیر سے شروع کرے گا تو کب جا کر وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوگا۔"

"لیکن پاپا پیسہ تو صرف جسم کی ضرورت پوری کر سکتا ہے، ایک اپنی روح کی، دل کی ضرورت بھی تو ہوتی ہے ایک اپنی ذات کی کمٹمنٹ بھی ہوتی ہے، انسان پیسہ بہت کما لیتا ہے، لیکن اس کی ذات کا وہ ادھورا پن کبھی پورا نہیں ہو پاتا اور ہم دونوں جو ہیں بزنس سنبھالنے کے لئے، کر لینے دیں اس کو اپنی خواہش پوری، ورنہ یہ ادھوری خواہشیں کینسر کی طرح اندر ہی اندر پلتی رہتی ہیں، گلا کر رکھ دیتی ہیں انسان کو اندر سے۔"

"کیا بات ہے پارٹنر بہت سیریس ہوتے جا رہے ہو۔" پاپا نے عینک کے پیچھے سے بہت غور سے اسے دیکھا، اس نے مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔

"میں پہلے کب جو کر بنا رہتا ہوں پاپا، اچھا میں جا رہا ہوں علی کی طرف، آپ کو کوئی کام تو نہیں۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"کام تو نہیں لیکن کبھی بغیر کام کے بھی ہم بوڑھوں کے پاس بیٹھ جایا کرو۔" پاپا نے مسکرا کر شفقت سے کہا تو وہ شرمندہ ہوگیا۔

"کون سے بوڑھوں کے پاس۔" اس نے دائیں بائیں دیکھا۔

"اس لئے کہ آپ تو بوڑھے ہیں ہی نہیں، اچھا چلیں لائیں دکھائیں کیا کیا خبریں ہیں آج کل۔" وہ ان سے اخبار لے کر وہیں بیٹھ کر سیاسی تبصرے میں مصروف ہوگیا۔

☆☆☆

"یہ علی ہوتا کہاں ہے؟" تین دن سے علی کی غیر موجودگی کا سن کر اس نے جو کیاری پر غصے سے ٹھوکر ماری تو مالی بابا نے جواباً ایسی نظروں سے گھورا کہ وہ شرمندہ ہوگیا۔

رزلٹ آیا نہیں تھا، فراغت تب ختم ہوتی جب ہاؤس جاب شروع ہوتی، وہ روز پاپا کے آفس میں بیٹھ کر کچھ الٹے سیدھے فیصلے کر کے اور گھر میں غم جاناں منا منا کر اب تنگ آیا ہوا تھا اور علی صاحب بھی کتنے دنوں سے غائب تھے۔

"اچھا علی آئے تو سیدھے میری طرف بھیج دیجئے گا۔"

وہ دالان کے دوسرے سرے پر تپے ہوئے مالی بابا کو سنا کر واپس پلٹ ہی رہا تھا کہ چچی کی آواز پر رک گیا۔

"تم اکیلی کیسے جاؤ گی، ڈرائیور کو ساتھ لے جاؤ نا۔"

"ڈرائیور چھٹی پر ہے آنٹی، پہلے بھی بتایا تھا آپ کو۔" وہ خریداری کی لسٹ سنبھالتی چادر ڈھنگ سے لیتی ہوئی آگے آگے اور نصیحتیں کرتی چچی جان پیچھے پیچھے اندر سے برآمد ہوئیں۔

"ارے جنید باہر سے ہی واپس کیوں جا رہے ہو بیٹا، اتنے دنوں سے کہاں تھے، اچھا ذرا یہ مینا کو مارکیٹ تک تو لے جاؤ۔"

اور جنید ان کے پہلے دو سوالوں کے جواب دیتے دیتے اس لمحے کو پچھتا کر رہ گیا، جب اس نے علی کے گھر آنے کا سوچا تھا۔

"مجھے کچھ کام تھا چچی جان اور یہ خریداری ڈرائیور کے آنے پر بھی ہو سکتی ہے۔"

"میں نے کہا نا آنٹی میں ڈرائیور کر لوں گی۔" اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی چل پڑی اور چچی اس کے اس طرح مس بی ہیو کرنے پر چپ سی ہو گئیں، لحہ بھر میں اسے اپنی کم ظرفی کا احساس ہوگیا۔

"میرا خیال ہے مجھے اتنا بھی ضروری کام نہیں ہے۔" وہ اس سے پہلے گاڑی کے دروازے تک پہنچ گیا۔

"میں ڈرائیو کر سکتی ہوں۔" اس کے تنے ہوئے چہرے پر خفگی نمایاں تھی، اس نے سہولت سے اس کے ہاتھ سے چابیاں لے لیں۔

"پلیز۔" دوسری طرف کا دروازہ کھولے معذرت خواہانہ لہجے میں بولتا ہوا وہ اتنا شرمندہ لگ رہا تھا کہ اس نے مزید شرمندہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھی۔

سیدھی صاف سڑک پر چلتے ہوئے ان دونوں کے درمیان کچھ نہیں تھا سوائے خاموشی کے، اس نے اندازے سے ایک کیسٹ ڈیک میں لگا دی۔

تم کو دیکھا تو یہ خیال آیا
زندگی دھوپ تم گھنا سایہ
آج پھر دل نے اک تمنا کی
آج پھر دل کو ہم نے سمجھایا

موڑ کاٹتے ہوئے اس نے کنکھیوں سے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا، سالوں پہلے علی کی سنی ہوئی اس غزل کا مفہوم اس کی سمجھ میں آج آ رہا تھا۔

ہم جسے گنگنا نہیں سکتے
وقت نے ایسا گیت کیوں گایا
تم چلے جاؤ گے تو سوچیں گے
ہم نے کیا کھویا ہم نے کیا پایا
تم کو دیکھا تو یہ خیال آیا
زندگی دھوپ تم گھنا سایہ

یسٹ ڈے کے پاس کار پارک کرنے کے بہانے اس نے چپکے سے میوزک آف کر دیا، ڈپریشن کا یہ دورہ کچھ دیر اور رہتا تو وہ شرطیہ کہیں پر گاڑی دے مارتا۔

زرمینا کے شاپنگ سینٹر میں گھسنے کے بعد وہ ساتھ ہی آڈیو شاپ پر سی ڈی الٹ پلٹ کرتا رہا، کچھ ہی دیر بعد وہ اسے شاپرز ہاتھ میں پکڑے آتی دکھائی دی، جلدی جلدی تین سی ڈی ز کی پے منٹ کرتے ہوئے اسے دو منٹ ہی لگے ہوں گے، جب گلاس ڈور دھکیل کر باہر آتے آتے وہ بری طرح ٹھٹک گیا، کرخت چہرے پر ابھرتی ہوئی جھریوں والا وہ شخص مینا کا راستہ مکمل طور پر روکے کھڑا تھا، مینا کے چہرے پر پھیلی خشونت نے اس سے ایک ہی جمپ میں کئی سیڑھیاں عبور کرا دیں۔

"ایکسکیوزمی کیا پرابلم ہے آپ کو۔" مینا کی طرف سے آگے آتے ہوئے وہ تھوڑا سا ان دونوں کے درمیان آ گیا۔

"نہیں کوئی نہیں، ہم میاں بیوی کا معاملہ ہے، آپ کو دخل دینے کی ضرورت نہیں۔" رکھائی سے دیئے گئے جواب نے اس کا دماغ کچھ لمحے کے لئے ماؤف کر دیا، وہ حیران سا، بالوں سے تقریباً گنجے اس شخص کو دیکھتا رہا جو اپنی بیوی سے کم از کم بھی دگنی عمر کا تھا۔

گہرا سانس لے کر پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے مینا کو دیکھا، روہانسے چہرے پر سراسیمگی کے یہ تاثرات ایسی بیوی کے تو نہیں ہو سکتے جو کافی عرصے بعد اپنے شوہر سے یوں سر راہ مل رہی ہو۔

"پھر زرمینا گھر کب تک آ رہی ہو؟" اس کا

لہجہ بہت عجیب تھا، جیسے کوئی کسی کو دھمکی دے رہا ہو، وہ لمحہ بھر کو حواسوں میں واپس آگیا۔

''میرا خیال ہے آپ گھر کیوں نہیں چلتے، آرام سے بات کریں گے، ایڈووکیٹ حسن ہمدانی صاحب بھی اب تک گھر آچکے ہوں گے۔'' مینا کے ہاتھ سے شاپرز پکڑ کر اسے گاڑی کی چابی تھما کر وہ پھر اس کے سامنے ڈٹ گیا، اس کی توقع کے مطابق حسن چچا کا نام لینا سود مند ثابت ہوا، مینا مڑ کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی تھی اور اس کا ادھیڑ عمر میاں کچھ جز بز سا ہو کر رہ گیا۔

''نہیں پھر سہی، ابھی تو مجھے کام ہے۔'' وہ پلٹ کر سپر مارکیٹ کے ہجوم میں گم ہو گیا۔

''لو جنید میاں، رقیب بھی ملا تو وہ بھی ایسا کوئی ٹکر کا ہی آدمی رکھا ہوتا درمیان میں مینا بی بی، مقابلہ کرتے ہوئے کچھ حوصلہ تو ہوتا۔''

اس کو دور جاتے دیکھ کر مڑتے ہوئے اس نے بے اختیار سوچا، کہانی کا سرا کچھ کچھ ہاتھ میں آنے لگا تھا، واقعی یہ تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ اگر وہ شادی شدہ تھی تو اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں کیوں پڑی تھی۔

گھر آتے آتے سگنل کے اشاروں پر رکتے رکتے کئی بار اس کے ہونٹ کھلے، کئی بار اس نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن الفاظ جیسے کہیں گم سے ہو گئے اور ہر بار ساتھ بیٹھی مینا اندر سے سہم جاتی، نہ جانے ابھی وہ کیا کہہ ڈالے، کوئی سوال، کوئی طنز، کوئی حیرت بھرا جملہ، یہاں تک کہ گھر آگیا، اس کے گاڑی باہر روکنے پر وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر ہی رہی تھی کہ عقب سے آتی ''مینا'' کی پکار پر دھک سی رہ گئی۔

''مجھ سے کچھ مت پوچھنا جنید، میرے ضبط کا سمندر اپنی آخری حد پر ہے، جو تمہارے کسی ایک جملے کسی ایک لفظ سے چھلک سکتا ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے ڈرتے ڈرتے گردن گھمائی۔

''جی۔'' جنید نے ایک نظر اس کے چہرے پر پھیلتے اضطراب کو دیکھا اور نظر جھکالی۔

''آپ کی چیزیں۔'' اس نے پچھلی سیٹ پر پڑے شاپرز اس کو تھما دیئے، وہ اطمینان کا سانس لیتی اتر گئی۔

جنید نے گاڑی بیک کی اور اس کا رخ علی کے آفس کی طرف موڑ دیا، کچھ ہی دیر میں وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے علی!''

☆☆☆

میرے احساس کی قندیل میں ڈھل جاتا ہے
کوئی عالم ہو میری آگ میں جل جاتا ہے
رات گزرے تو بچھڑے ہوئے لوگوں کا خیال
عطر غم پیرہن زیست میں مل جاتا ہے
دور جاؤں تو نزدیک بلاتا ہے کوئی
پاس جاؤں تو کوئی دور نکل جاتا ہے

تمام دن اپنے آپ کو اِدھر اُدھر کے کاموں میں مصروف کرتے کرتے اب پوری رات وہ رونے کے لئے بالکل فارغ تھی۔

''میرا خیال ہے تم قانونی چارہ جوئی کے بغیر ہی واپس آجاؤ تو بہتر ہے۔''

اس نے آج شاکر علی کی دی گئی دھمکی کو کوئی دسویں بار سوچا اور نفرت سے ہونٹ سکوڑے۔

''تم سے میری شادی بھی ایک قانونی چارہ جوئی ہی تو تھی شاکر علی، اس کے علاوہ تو ہمارے درمیان اور کچھ ہے بھی نہیں، ماما آپ نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ۔''

دریچے میں جھک کر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے ہوئے اس نے برسوں پرانا شکوہ آج پھر کیا، یہ شکوہ تو وہ بچپن سے اپنی مما کے ساتھ کرتی آئی تھی، اس وقت جب وہ سوچتی کہ آبادی سے دور یہ الگ تھلگ سا گھر لے کر مما نے اپنی آرٹسٹک نیچر کو تو تسکین پہنچا دی لیکن اس کے بچپن کو تنہائیوں کے حوالے کر کے اچھا نہیں کیا۔

سفیدے اور پام کے درختوں میں گھرا سرخ اینٹوں کا وہ چھوٹا سا گھر، لمبا سا کوریڈور دائیں سائیڈ پر دو بیڈ روم، بائیں سائیڈ پر کچن اور ڈرائینگ روم، آگے چھوٹا سا برآمدہ کے آگے چھوٹا سا لان اور اس میں انار کے دو درخت، یہی تھے اس کے بچپن کے دوست اور ساتھی، نہ کوئی بہن نہ بھائی، نہ ماموں نہ چچا۔

باپ سے اس کی واقفیت اس تصویر کی حد تک تھی جو ڈرائنگ روم میں کارنس کے اوپر سجی تھی اور مما دنیا میں اس کا واحد رشتہ ان سے اس کی ملاقات صرف ڈائنگ ٹیبل تک محدود رہتی، ناشتے پر اس کو خدا حافظ کہہ کر وہ کالج چلی جاتیں اور پھر واپس آکر کتابیں پڑھتیں اور اگلے دن کے لیکچر کی تیاری کرتیں۔

کبھی جو اس کا دل بہت گھبراتا یا رات کو بیڈ روم میں اکیلے سوتے ہوئے ڈر لگتا، تو وہ کوریڈور کے اندھیرے میں پنجوں کے بل چلتی ہوئی آہستہ آہستہ ان کے کمرے تک آتی اور دروازہ کھول کر چپکے سے جھانکتی، وہ عموماً اپنے ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کچھ نہ کچھ پڑھ رہی ہوتیں اور وہ مایوس ہو کر خاموشی سے پلٹ آتی کھانے کی ٹیبل کے علاوہ یہی ایک منظر تھا جو ماں کے حوالے سے اس کے ذہن میں بسا ہوا تھا۔

وہ وحشت زدہ سی پھرتی، پاگلوں کی طرح محبت اور رفاقت کھوجتی پھرتی، کبھی کسی چھوٹے سے بلی کے بچے میں کبھی طوطا کبوتر پال کر، کبھی ولی ڈرائیور کی لڑکی میں، کبھی پڑوسیوں کے گھر اور کبھی اپنی کسی اسکول فرینڈ میں، لیکن ہر دفعہ یہی ہوتا کہ بلی کا بچہ بھاگ جاتا، کبوتر اڑتا تو کوئی اسے پکڑ لیتا ڈرائیور اور مالی نوکری چھوڑ جاتے، اسکول فرینڈ روٹھ جاتی اور پڑوسی دوسری جگہ شفٹ ہو جاتے اور آخر میں وہ تنہا رہ جاتی۔

اور ہر بار وہ سوچتی کہ مما نے اچھا نہیں کیا کہیں آبادی میں گھر لیا ہوتا تو کوئی پڑوسی نہ سہی کوئی ڈرائیور یا مالی تو چار دن تک جاتا اور پھر آہستہ آہستہ وہ اپنی ذات کی تنہائیوں میں خود ہی گم ہونے لگی، اس نے کبھی عام بچوں کی طرح اپنی ماں کو شرارتوں سے زچ نہیں کیا، کبھی ضد کر کے نہیں ستایا، لاڈ کرنے کا تو کبھی موقع ملا نہیں، ستانے کا کہاں سے ملتا۔

پھر اس کی دوستی کتابوں سے ہو گئی وہ خوب دل لگا کر پڑھتی اسکول میں ہمیشہ فرسٹ آتی کہ اس کی کامیابی کی خبر سن کر مما کی بجھی ہوئی آنکھوں میں جو ستارے چمکتے وہ اس کو بہت اچھے لگتے تھے، اپنے سارے چھوٹے بڑے مسائل خود ہی نبٹاتے نبٹاتے بالآخر اسے خود پر انحصار کرنے کی عادت سی ہو گئی۔

ہاں کبھی کبھی چھٹیوں میں یا ویسے جب بھی مما کو فرصت ہوتی تو وہ اس کی باتیں سنتی بھی تھیں، اس کے معاملات میں دلچسپی بھی لیتیں اور گنتی کے ان دنوں کے اپنے دل میں اکٹھا کرتے کرتے وہ بڑی ہو گئی، بڑے ہونے پر مما سے اس کے شکوے بھی بڑے اور میچور ہو گئے، سو کبھی وہ سوچتی کہ اگر مما پاپا پسند کی شادی نہ کرتے تو کم از کم اس جرم کی سزا میں پاپا اپنے خاندان سے اس طرح الگ تو نہ ہو جاتے، کوئی تو اس کے ددھیال میں سے اس کے پاس ہوتا، کوئی کزن، کوئی رشتہ دار کہ ننھیال میں تو اس کے بس نانا ہی تھے جو اس کے بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے، بچپن میں پاپا کی ڈیتھ کے بعد مما اس کی خاطر ہی دوسری

شادی کر لیتیں تو محبت کرنے کے لئے نہ سہی، لڑنے اور حسد کرنے کے لئے ہی اس کا کوئی سوتیلا بہن بھائی ہوتا۔

تنہائی اور خاموشی کے جس جنگل میں وہ دونوں ماں بیٹیاں رہتی تھیں وہاں کسی نظریں چراتی سر جھکائے ہوئے اور منمناتے لہجے والی عورت کا گزارا نہیں ہو سکتا تھا، مرد کے سہارے سے بے نیاز اس دنیا میں جینے کے لئے خدا کی ذات پر بھروسا ہونے کے ساتھ خود پر اعتماد اور آہنی اعصاب کا ہونا بہت ضروری تھا، سو مما کی طرح کا ایک حصار اس نے بھی اپنے چاروں جانب کھینچ لیا۔

اجاڑ لان، سرد برآمدے اور بے کیف دنوں پر مشتمل اس کا تنہا بچپن تو بیت ہی گیا، لیکن پھر جیسے یک دم چاروں جانب سے اس کے رشتہ دار ایسے نکلنے لگے جیسے موسم بدلنے پر زمین کے اندر کی مخلوق باہر نکلتی ہے، تایا چچا وغیرہ کے ناموں سے منسوب ان رشتوں کو دیکھ کر بچپن سے اکٹھا ہوتا ہوا اس کا غصہ احتجاج کی صورت میں باہر نکلنے سے پہلے ہی مما کے خاموش چہرے کو دیکھ کر اندر ہی اندر دم توڑ دیتا۔

''بہن جی! میرا بیٹا انجینئر ہے، ماشا اللہ لاکھوں میں ایک ہے اگر آپ چاہیں تو یہ ٹوٹے ہوئے رشتے پھر سے جڑ سکتے ہیں۔''

یہ جملہ تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ ہر اس ماں یا باپ کی زبان پر ہوتا جو کسی نہ کسی رشتے کے حوالے سے اس کے گھر آتے۔

اس دن موسم بہت خراب تھا، نہ جانے کہاں کہاں سے بادل آ کر اکٹھے ہو رہے تھے، وہ مما کی طرف سے بہت فکر مند تھی جو گزشتہ کئی دنوں سے بیمار تھیں اور کوئی احتیاط نہیں کر رہی تھیں، رات کو سارے گھر کی لائٹس دروازے چیک کر کے اس نے ان کے کمرے میں جھانکا، مما کبھی رات گیارہ بجے سے پہلے بستر کے نزدیک نہیں جاتی تھیں، اس لئے اس وقت رات کے نو بجے ہی ان کو نقاہت سے بستر پر لیٹے دیکھ کر وہ تشویش سے آگے بڑھ آئی، آگے بڑھ کر بخار چیک کیا اور یکدم پریشان ہو گئی کہ ان کا بخار بہت تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا۔

''میرے پاس بیٹھو بیٹا۔'' اپنی پیشانی پر رکھا اس کا ہاتھ ہٹا کر مما نے اسے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''مما آپ کی دوا یہیں پڑی ہوئی تھی، کہاں گئی۔'' وہ ان کے پاس بیٹھ کر سائیڈ ٹیبل سے دوا ڈھونڈنے لگی۔

''مجھے معاف کر دینا بیٹا۔''

مینا کے ہاتھ ٹھٹک کر رکے، اس نے کچھ سہم کر ان کی طرف دیکھا، جو نقاہت زدہ آواز میں آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔

''میں تمہارے لئے وہ سائبان نہیں بن سکی جو ہر بیٹی کے لئے اس کی ماں کو بننا پڑتا ہے، جو زمانے کی کڑی دھوپ خود سہتی ہے، لیکن اپنی بیٹی کو ہمیشہ ٹھنڈی چھاؤں میں رکھتی ہے، لیکن بیٹا میں اور تم جیسی زندگی گزارتے آئے ہیں اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ تم اپنے آپ کو ایسے سانچے میں ڈھالو کہ زندگی میں تمہیں خدا کے علاوہ کسی اور سہارے کی ضرورت نہ پڑے، اگر میں یہ نہ کرتی تو آج تم کمزور، بزدل اور ڈبو لڑکی ہوتیں، اپنی ماں کا آنچل پکڑ کر چلنے والی، لیکن خدا کا شکر ہے کہ تم ویسی ہی رہیں جیسی تمہیں دیکھنے کی خواہش تھی، یقین جانو بیٹا، تمہارے ساتھ تنہائی کی آگ میں میں خود بھی جلتی رہی، لیکن تمہیں کندن بنانے کے لئے یہ ضروری تھا، اس لئے میں خاموش رہی، لیکن بیٹا کندن بننے کا یہ سفر بہت تکلیف دہ اور تھکا دینے والا ہے، لہٰذا میں نہیں چاہتی کہ یہ آگے بھی چلے، پڑھی لکھی، خود مختار، اپنا بوجھ خود اٹھانے والی عورت کا تصور بہت انسپائرنگ ہوتا ہے، بڑا اٹریکٹ کرتا ہے لوگوں کو، لیکن یہاں تک پہنچنے کو جو تھکن ایک Independent عورت کی ہڈیوں تک میں بس جاتی ہے، وہ کسی کو بھی نظر نہیں آتی۔''

''تم اپنے خاندان میں لوٹ جاؤ بیٹا، تمہارے والد جب تک زندہ رہے، اپنے خاندان سے دوبارہ ملنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن کامیاب نہیں ہو سکے اور اب میں یہ چاہتی ہوں کہ تم بھی اپنی باقی زندگی اس ویران اور اکیلے گھر میں نہ گزار دو، میں نے تمہارے تایا کے بیٹے کو دیکھا ہے، مجھے وہ اچھا بھی لگا مجھے تو سسرال کی عزت اور محبت نصیب نہ ہو سکی، لیکن تم تو ان کا خون ہو، وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور انشا اللہ تمہاری ذات کی ساری تنہائی دور کر دیں گے، تم نے بچپن سے اب تک اپنے فیصلے ہمیشہ خود کیے ہیں، ابھی بھی تم خود مختار ہو، لیکن میری خواہش بہرحال یہی ہو گی۔'' بولتے بولتے وہ ہانپنے لگیں، ٹمپریچر لیتے دوائی پلاتے، تکیہ ٹھیک کر کے، اس نے کئی بار انہیں بولنے سے روکنا چاہا لیکن مما نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

ساری رات اس کا ہاتھ مما کے ہاتھ میں رہا، وہ کسی کسی وقت نیم مدہوشی میں جیسے بڑبڑانے لگیں۔

''تم نہیں جانتیں بیٹا کے اپنے خاندان سے کٹ کر تمہارے والد بہت بے چین رہے، لیکن واپس جانے کی شرط بہت کڑی تھی اور وہ ہم دونوں کو چھوڑ نہیں سکتے تھے۔''

ساری رات بادلوں نے شور مچائے رکھا، جیسے سارے سال کے آج ہی برس جائیں گے، صبح کے وقت کہیں جا کر سکون ہوا اور تب اس کی تمام تر محبتوں کا وہ اکلوتا محور بھی آسمان کو پرواز کر گیا۔

کتنے دن وہ حواس باختہ رہی، اردگرد سے بے نیاز، حیران و بے یقین، پھر رفتہ رفتہ اس کا ذہن ٹھکانے آنے لگا، اس کے تایا چچا وغیرہ اسے واپس اپنے آبائی گھر لے گئے، حالانکہ اس نے انہیں بتانا چاہا کہ وہ اپنے گھر میں رہنا چاہتی ہے، لیکن وہ آخر اس کے اپنے تھے، اسے زمانے کے رحم و کرم پر تو نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

اور زمانے کے اسی رحم و کرم سے بچانے کے لئے اس کا نکاح کچھ ہی دنوں میں اس کے کزن سے کر دیا جس کی سب سے چھوٹی بیٹی مینا سے صرف تین سال چھوٹی تھی، اس کے ذہن کے ایوانوں میں تو ان دنوں ایک ہی آواز گونجا کرتی، نقاہت میں ڈوبی اپنی آخری خواہش بتاتی ہوئی آواز اور باقی ہر منظر ہر چیز جیسے اپنا وجود اپنا معنی کھو بیٹھی۔

اور بہت دنوں بعد جب اس کا ذہن صحیح طور سے سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو اپنی اردگرد شکنوں سے پریشانیوں، بیزار چہروں اور لئے دیئے کر رویوں کو دیکھ کر وہ دنوں اپنی اس خواہش پر ہنستی رہی، جو وہ انہی لوگوں سے ملنے ان کے درمیان رہنے کی کیا کرتی۔

شاکر علی پر اپنی پہلی بیوی کا یقیناً رعب تھا تب ہی تو حق ہوتے ہوئے بھی اس نے کبھی مینا پر نگاہ نہیں ڈالی اور ایک دن وہ اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''ان کاغذات پر دستخط کر دینا۔'' اس نے کچھ کاغذات اس کی سمت بڑھائے۔

''بہتر۔'' اس نے خاموشی سے پین اٹھایا،

لیکن یک لخت ہی اس کا ہاتھ رک گیا، اپنے باپ کی وہ لمبی چوڑی جائیداد جو وہ شاکر علی کے نام کرنے جا رہی تھی، اس میں وہ گھر بھی شامل تھا اس کے بچپن کا دوست۔

''نہیں، میں یہ گھر کسی کو نہیں دوں گی۔''

''تم کسی کو تو نہیں دے رہی ہو، میری چیز تو آخر تمہاری ہے۔'' شاکر علی نے نہایت آرام سے کہا تو اس نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

''مثلاً تمہاری وہ کون سی چیز ہے جو میری بھی ہے، گھر تمہارا ہے، بیوی بچے تمہارے ہیں، ولدین رشتہ دار تمہارے ہیں، میری حیثیت تو گویا جیسے ایک عارضی مہمان کی سی ہے۔''

اس کے چہرے کی سچائی سے گھبرا کر شاکر علی چلا تو گیا لیکن یہ سلسلہ طول پکڑ گیا، اب تک تو ان چہروں پر صرف بیزاری اور کتاہٹ ہی تھی، اب ان پر اس نفرت کا رنگ صاف نظر آیا کرتا جو انہوں نے کسی وقتی مصلحت کے تحت اپنے دلوں میں دبا کر رکھی تھی۔

''ارے بی بی۔'' ٹھنڈی سانس بھر کر کسی جاننے والی کو سنانے والی یہ یقیناً اس کی چچی تھیں یا شاید نانی۔

''اپنی تو زندگی گزر گئی میاں کی جوتیاں سیدھی کرتے کرتے، جو اس نے دیا کھا لیا، جہاں بیٹھایا، بیٹھ گئے کبھی اف تک نہیں کی، لیکن یہ آج کل کی چھوکریاں۔'' انہوں نے کچھ فاصلے پر اخبار پڑھتی ''آج کل کی چھوکری'' پر حقارت کی نظر ڈالی جو کمرے کی گھٹن سے گھبرا کر آج ہی ذرا دیر کو کمرے سے نکلی تھی۔

''پڑھ لکھ کر پتا نہیں ان کے دماغ کہاں جا پہنچتے ہیں، اپنے شوہر کا، سر کے سائیں کا مقابلہ کرتی ہیں توبہ، قیامت کی نشانیاں ہیں ساری۔''

''شوہر؟'' اسے بے ساختہ ہی ہنسی آ گئی۔

''ارے بی بی تربیت ہی بڑی چیز ہوتی ہے، ماں نے یہی کچھ سکھایا پڑھایا تو ہو گا ساری زندگی۔''

وہ غالباً کوئی پڑوسن تھی، اس نے خاموشی سے اخبار تہ کر کے واپس رکھ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی وہ تو آج کل خود چٹپٹی خبر بنی ہوئی تھی، جس پر ہر آتا جاتا حسب توفیق کمنٹس پاس کرتا رہتا۔

''تم دستخط کرو گی یا نہیں۔'' شاکر علی کا ضبط جواب دے رہا تھا۔

''کروں گی، لیکن اس روز جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ تمہاری بھی کوئی چیز میری ہے کہ اپنے پاپا کی امانت کو میں ایک اجنبی کے سپرد تو ہرگز نہیں کروں گی۔''

''ہمارے خاندان کی عورتیں کبھی اپنے شوہر کے سامنے اونچی آواز میں بات نہیں کرتیں اور تم......''

''ہاں۔'' اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

''تمہارے خاندان کی عورتیں شوہروں کے گھر سے جانے کے بعد اونچی آواز میں شوہروں کی برائیاں جو کر لیتی ہیں۔''

''بکواس مت کرو۔'' گلدان دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا، قریب تھا کہ اس کے جنون کی زد میں بھی آ جاتی کہ کوئی اس سے ملنے آ گیا آنٹی جہاں آرا یقیناً مما کی بہت سچی دوست تھیں، تبھی وہ نہ جانے کہاں کہاں سے اس کا سراغ ڈھونڈ کر اس سے ملنے اور مما کی تعزیت کرنے آ گئیں، گھر والوں کے بیزار رویے مینا کے چہرے کی وحشت اور اس سے دوگنی عمر کا شوہر از خود بہت کچھ سمجھا گیا، سو جب انہوں نے اسے ساتھ چلنے کی آفر دی تو اس نے بھی سنجیدگی سے سوچا کہ اسے اب واقعی یہاں سے چلے جانا چاہیے کہ آج

تو یہ گلدان دیوار سے لگ کر ٹوٹا ہے کل کو شاید مجھ پر بھی آزمایا جائے۔

بیگ اٹھاتے وقت اس نے مما کی تصویر کو معذرت سے دیکھا۔

''آئی ایم سوری مما! لیکن آپ کی خواہش کو پورا کرنا جب تک میرے بس میں تھا میں نے کیا، لیکن اپنے حق کے لئے لڑنا اور حالات کو بہادری سے فیس کرنا بھی تو آپ نے ہی سکھایا تھا، پھر آپ تو میری تنہائی کا علاج چاہتی تھیں، یہ تو نہیں چاہتی تھیں کہ میں اس سے بھی زیادہ اذیت ناک تنہائی میں گھر جاؤں۔''

''ہاں مما وہ تنہائی تو میری دوست تھی ساتھی تھی، اس میں رفاقت تھی، اپنائیت تھی، لیکن اس کمرے کی وحشت زدہ تنہائی میں اجنبیت ہے جو مجھے دور دھکیلتی ہے۔''

☆☆☆

''اور پھر۔'' علی کی بہت دیر کی خاموشی پر جنید نے سر اٹھایا۔

''بس ختم۔'' علی نے آہستگی اور افسردگی سے سر ہلایا۔

''مما اسے یہاں لے آئیں، وہاں رہ کر وہ نہ مقابلہ کر سکتی تھی نہ فیصلہ، اسے تنہائی میں سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے، ہم اس کی زندگی میں ہر طرح سے مدد کر سکتے ہیں لیکن فیصلہ نہیں کر سکتے، فیصلہ تو بہر حال اسے ہی کرنا ہے۔''

''شاکر علی اس کے پیچھے نہیں آیا کبھی۔''

''بہت دفعہ، لیکن پاپا کو وکیل ہونا اس کے لئے بڑا نقصان دہ رہا، ہر دفعہ وہ ان کی ڈانٹ کھا کر واپس چلا گیا۔''

''ایسا ہمیشہ تو نہیں چل سکتا نا۔'' اس نے کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے علی کو پر سوچ انداز میں دیکھا۔

''ظاہر ہے کہ نہیں، لیکن یار انسان ایک دفعہ اپنی خواہش کے ہاتھوں دھوکا کھا جائے تو برسوں دوبارہ کوئی خواہش کرتے ہوئے ڈرتا رہتا ہے، میری اس بہن نے حقیقی زندگی کا مزا شاید ہی چکھا ہو، وہ اپنے سگے رشتہ داروں کے ہاتھوں زخم خوردہ ہے، اس لئے بے یقین ہے، زمانے پر خوشیوں پر رشتوں پر اس کا یقین بالکل نہیں ہے، اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اگر وہ خلع کا فیصلہ کر لے تو پھر ہم اسے کسی ایسے شخص کے سپرد کریں جو زندگی اور دنیا پر اس کے اعتماد کو بحال کر سکے۔'' جنید نے گہری سانس لے کر ٹیک لگاتے ہوئے اردگرد نظر ڈالی۔

دن کے وقت سرسبز ہرا بھرا نظر آنے والا لان اس وقت رات کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، اس نے سر جھکا کر اس گھر کے بارے میں سوچا، جس کا ایک مکیں شاید رات کے اس پہر بھی فیصلے کی گھڑی کا انتظار کرتے ہوئے جاگ رہا تھا۔

''میں زیادہ دعویٰ تو نہیں کرتا۔'' بہت دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

''لیکن اگر تم لوگ مجھ پر بھروسا کرو تو میں تمہارے یقین کو دھوکا نہیں دوں گا۔'' علی آہستہ سے مسکرایا اور اپنا ہاتھ اس کے کاندھے پر رکھ دیا۔

''ہمیں تم پر نا صرف بھروسا ہے جنید بلکہ یقین بھی ہے۔''

☆☆☆

سلام پھیر کر جہاں آرا بیگم نے نظر اٹھائی تو وہ چائے لئے پاس ہی کھڑی تھی۔

''بیٹھو۔'' انہوں نے اشارہ کرتے ہوئے تسبیح سنبھال لی، وہ خاموشی سے پاس بیٹھ گئی۔

''روتی رہی ہو تمام رات؟'' وہ ایک نظر

اس پر ڈال کر پھر دانے گرانے لگیں، اس نے نظریں جھکا لیں۔

''کبھی میں سوچتی تھی کہ تمہارے دادا نے اپنی زندگی میں جائیداد تقسیم کر کے تمہارے والد کا حصہ ان کو دے کر تمہارے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے، یہ جائیداد تمہارے اور تمہاری مما کے کسی کام تو کبھی آئی نہیں الٹا سر درد ہی بن گئی، لیکن اب میں سوچتی ہوں کہ اچھا ہی ہوا کم از کم اس بہانے تمہارے ددھیال والوں کی اصلیت تو پتا چل گئی، ہاں اس کی قیمت تمہیں بہت بڑی ادا کرنی پڑی۔'' انہوں نے اس کے ستے چہرے کو دیکھا۔

''میں تمہاری مشکل سمجھ رہی ہوں بیٹا، اگر تم واپس جاؤ تو میرا نہیں خیال ہے کہ وہاں تم وہ عزت حاصل نہیں کر سکو گی جو تمہارا حق ہے اور اگر خلع کا فیصلہ کر لو، تو یہ دنیا طلاق یافتہ کو جس نظر سے دیکھتی ہے وہ بھی تم جانتی ہو، ہمارا معاشرہ بھی بڑا عجیب ہے، ہمارے مذہب میں تو گھر کے مردوں سے لے کر حکومت تک کو عورت کا نگران بنایا گیا ہے، لیکن ہمارے ہاں ہر مسئلہ اس تکنیک سے حل کیا جاتا ہے کہ نقصان گھوم پھر کر صرف عورت ہی کے حصے میں آئے، لیکن میرا خیال ہے معاشرے سے اپنا حق تم جیسی پڑھی لکھی اور مضبوط لڑکیاں ہی لے سکتی ہیں، تم کوئی فیصلہ کر لو تو ہمیں بھی تمہارے متعلق کچھ سوچنے میں آسانی ہو۔'' انہوں نے پُرشفقت لہجے میں بات ختم کی تو مینا ان کے آخری جملے سے چونک پڑی۔

''کہیں جنید نے ان سے کچھ کہہ تو نہیں دیا۔'' پُرتشویش نظروں سے انہیں دیکھتی ہوئی وہ اندر کا سوال اندر ہی دبائے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

''آخر یہ لوگ کتنی دیر میں واپس آئیں گے۔'' علی نے ایک دیوار سے دوسری تک جاتے ہوئے تیسری دفعہ پوچھا۔

''میرا خیال ہے آپ ڈرل جاری رکھیے، ایک سو پچاس چکر پورے ہونے تک ان شااللہ آ ہی جائیں گے۔'' شازی بدستور ٹی وی دیکھتے ہوئے ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

''اور پھر ابھی سے کیسے آ جائیں گے پیارے بھائی، ابھی تو ہمارے بزرگ مخالف پارٹی کو آپ کی خصوصیات آدھی بھی نہیں بتا پائے ہوں گے۔'' مانی نے لقمہ دیا۔

''اور جھوٹ بولنے میں تو ویسے بھی کچھ ٹائم تو لگتا ہی ہے نا۔'' شازی نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔

''تم تو چپ رہو یار۔'' علی نے ڈرل جاری رکھتے ہوئے اسے گھر کا۔

آج بزرگ پارٹی اس کے رشتے کا جواب لینے اس کی کولیگ عائشہ کے گھر گئی ہوئی تھی۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ جنید بھائی کو جانے کی کیا ضرورت تھی۔'' امبر نے ڈرائی فروٹ چکھتے ہوئے کہا۔

''میں بتاؤں۔'' شازی ٹی وی بند کر کے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''ان کو ڈر تھا کہ یہ دہشت ناک، خوفناک، ہیبت ناک اور ڈھیر ساری دوسری ناکوں والا پرپوزل سن کر اور اس کا جواب دیتے ہوئے وہاں کسی کی حالت نہ خراب ہو جائے، دیکھا نہیں تھا اپنا میڈیکل باکس ساتھ لے کر گئے تھے۔''

''لیکن جنید بھائی کو یہاں کا بھی تو خیال کرنا چاہیے تھا، دیکھ نہیں رہے ہو کہ لوگوں کا کیا حال ہوتا جا رہا ہے، بلڈ پریشر نیچے آ رہا ہے، آنکھیں پیلی پڑ گئی ہیں ورن کم ہو رہا ہے جسم پر کپکپی طاری ہے، چہرہ پھیکا پڑ گیا ہے۔'' مانی نے

رننگ کمنٹری شروع کر دی۔

''اب اگر تم دونوں نے ایک لفظ بھی بولا تو میں سر پھاڑ دوں گا۔'' علی طیش میں آ گیا۔

''جی نہیں بھائی، ہماری تو ساری نیک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں، خدا آپ کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے اور آپ کو آپ کی مرضی کی خوشی نصیب ہو۔'' مانی کے سنجیدگی سے دعا دینے پر علی نے شازی کو جتانے والے انداز میں دیکھا۔

''دیکھا یہ ہوتے ہیں نیک لوگوں کے نیک جذبات۔''

''جی ہاں۔'' شازی بالکل بھی متاثر ہوئے بغیر بولا۔

''ان نیک لوگوں کے جذبات ان پانچ سو روپے کی وجہ سے نیک ہیں جن کی اس نے میرے ساتھ شرط لگائی ہے۔''

''چہ چہ بہت بری بات ہے، بھائی کی خوشیوں پر شرط لگانا۔'' مینا نے علی کو گھورنے پر مسکراہٹ دبا کر مصنوعی افسوس کیا۔

''تم لوگوں کو بالکل شرم نہیں آتی۔'' علی غصے سے آؤٹ ہو ہی رہا تھا کہ باہر گاڑی کی آواز پر سب چونکنے ہو گئے، اس نے آگے بڑھ کر علی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''صبر کرو میرے یار ہمیں تو تمہاری قابلیت پر کوئی شک نہیں تھا لیکن جو خدا کو منظور۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا۔'' علی کا بلڈ پریشر واقعی نیچے آنے لگا۔

''کوئی بات نہیں علی بھائی، زندگی میں ایسے واقعات تو ہوتے ہی رہتے ہیں جن پر برسوں یقین نہیں آتا۔'' مانی نے تسلی دی۔

''اور بڑے لوگوں کے ساتھ تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں۔'' شازی نے بھی اشک شوئی میں حصہ لیا۔

''دیکھ لو علی تمہاری قسمت ہی اتنی اچھی ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔'' بزرگ پارٹی ہنستے مسکراتے داخل ہوئی۔

''اور یہ تم سب منہ لٹکائے کیوں کھڑے ہو، بھئی خوشی کا موقع ہے، کوئی گانے وانے گاؤ۔'' جنید کی مما نے آخری جملہ گھر کنے کے اسٹائل میں کہا۔

''ہائے میرے پانچ سو روپے۔'' شازی دل پر ہاتھ رکھ کر دھڑام سے صوفے پر گر پڑا اور علی صوفے پر بیٹھ کر شرمانے میں مصروف ہو گیا، سب نے مبارک باد کا شور مچا دیا۔

☆☆☆

ایک ایک دن انتظار میں گزارتے گزارتے بالآخر اس کا رزلٹ بھی آ ہی گیا اور اس وقت اس کی فرسٹ ڈویژن کی خوشی میں سب لاؤنج میں جمع اس کی کامیابی کو پکوڑے کھا کر سیلیبریٹ کر رہے تھے۔

''جنید بھائی! آپ کبھی بور نہیں ہوئے، بچپن سے اب تک اس ہی طرح کی پوزیشن لیتے لیتے، کبھی تو انسان کو چینج کرنا چاہیے، منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے فیل ویل ہونا چاہیے۔'' مانی نے نہایت سنجیدگی سے پوچھا۔

''چینج کے لیے تم جو موجود ہو۔'' علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یاد ہے جب تم اپنے اسکول ٹیسٹ میں ملنے والے ہنڈرڈ میں تھرٹی مارکس کو 80 میں بدل کر تایا ابو کے سائن بھی خود ہی کر لیا کرتے تھے۔''

اور پھر جیسے فلم سی چل پڑی سب کے سامنے، سب اپنے بچپن کی دھند میں کھونے لگے، جب علی اور جنید نے برابر والوں کے مرغے اڑا

کرانہی کی دعوت کی دی اور وہ ان کی مہمانداری سے بے حد متاثر ہوتے ہوئے ان کے سامنے ان چوروں کو صلواتیں سناتے رہے، جنہوں نے ان کا منی پولٹری فارم اجاڑ دیا تھا، جب شازی صاحب اسکول میں سونگ کمپیٹیشن میں حصہ لیتے ہوئے گانا گاتے وقت جوش میں آ کر اتنے زور سے اچھلے کہ اسٹیج توڑ کر نیچے جا پڑے اور ٹخنے کی ہڈی تڑوا بیٹھے۔

جب امبر کی گڑیا کی شادی تھی اور اس کی دوست اور گڈے کی اماں کے عین وقت پر ناراض ہو جانے کے باعث روتی ہوئی امبر کو چپ کرانے کے لئے چاروں لڑکوں اور لڑکیوں کی طرح گانے گا کر گڈے کا بیاہ رچانا پڑا، حالانکہ علی اور جنید تو اس وقت کالج میں پڑھتے تھے۔

اور جب مانی نے ایک دن اپنے اٹھارہ بیس دوستوں کو کھانے پر بلایا اور گھر والوں کو بتانا بھول گیا جب اٹھارہ بیس مہمان ان کے گھر اکٹھے ہوئے تو گھر والوں کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔

مینا ان سب کے درمیان بیٹھی ہر ایک کے چہرے پر گزرے دنوں کی روشنی پھیلتے دیکھتی رہی، اس کے گزرے دنوں میں ایسی کوئی بات نہیں تھی، جو اس کے چہرے پر تھوڑی سی بھی روشنی پھیلا سکتی، وہ خاموشی سے ان کے درمیان سے اٹھ کر باہر آ بیٹھی، بہت دنوں کے بعد اسے اپنے بچپن کے ساتھی یاد آئے وہ خوابوں کی تعبیر جیسا گھر، لمبا کوریڈور سرد برآمدہ اور انار کے دو درخت۔

"باہر بہت سردی ہے مینا۔" پتا نہیں وہ کتنی دیر بیٹھی رہی جب جنید کی آواز اس کے بہت قریب سے ابھری۔

(یا اللہ! یہ شخص میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتا) اس نے بے حد چڑ کر سوچا۔

"تم دیکھ ہی رہی ہو کہ میرا رزلٹ آ گیا ہے، کچھ دنوں تک ہاؤس جاب کا چکر چل پڑے گا پھر پتا نہیں گھر سے کتنی دور جانا پڑے کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم نے جو کچھ بھی سوچنا سمجھنا ہے، ذرا سپیڈ سے سوچ لو۔" وہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

"آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں، اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں یہ گھر چھوڑ دوں تو فکر نہ کریں میں اب زیادہ دن یہاں نہیں رہوں گی۔"

پتا نہیں کتنے دنوں کی تھکن تھی جو اس کے لہجے میں نمی پیدا کر گئی، وہ افسوس سے اس کی بھیگی پلکیں دیکھتا رہا۔

"میں تمہیں دکھی نہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن کیوں میرا آپ سے کیا رشتہ ہے۔"

بہت دنوں کی جھنجلائی وہ اپنے لہجے پر قابو نہیں پا رہی تھی۔

"گویا آپ کے مطابق انسان کو اپنے رشتہ داروں کے علاوہ اور کسی کو خوش دیکھنے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے، لیکن کچھ رشتے وضاحتوں سے ماورا بھی تو ہوتے ہیں مینا جن کی تشریح نہیں کی جا سکتی، جن کو نام نہیں دیا جا سکتا، لیکن جن کو محسوس کیا جا سکتا ہے، خوشبو کی طرح، ہوا کی طرح اور......" اس نے اپنی نظریں اس پر ٹکائیں۔

"محبت کی طرح، آپ نے فیض کی وہ نظم نہیں پڑی۔"

"جو میرا تمہارا رشتہ ہے......"

"آپ جانتے ہیں کہ میں میرڈ ہوں۔" اس نے ٹھنڈے لہجے میں سمجھانے کے

انداز میں بات کاٹی۔

"مجھے بہت افسوس ہوا تھا علی سے سب کچھ سن کر، اس بات کا نہیں کہ ان لوگوں نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے، بلکہ ان اندھوں کی عقل پر تمہیں دیکھ کر تمہارے ساتھ رہ کر بھی چند ایکٹر زمین کو تم پر فوقیت دے رہے ہیں۔"

وہ سن بیٹھی اسے دیکھتی رہی، ہاں اپنی یہ اوقات تو اسے بھی دن رات یاد رہتی کہ اپنی شکل سے لے کر شخصیت تک اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو اسے اس بنجر زمین پر فوقیت دلا سکتی، کسی نے اگر اسے سوچا بھی اس سے رشتہ جوڑا بھی تو اس زمین و جائیداد کے حوالے سے، لیکن اس کی یہ اوقات یوں مشتہر ہو جائے گی، دو دوستوں کے درمیان اس طرح موضوع بحث بن جائے گی، اتنی انسلٹ کا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی، اذیت کا وہ نہ جانے کون سا احساس تھا جو اس کی ہڈیوں تک کو کاٹتا چلا گیا۔

"یاد رکھنا مینا! کبھی کبھی ہم بہت مایوس ہو جاتے ہیں کہ آخر سورج کی روشنی ہم تک کیوں نہیں پہنچ رہی اور وقت گزارنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ ہم سورج سے منہ موڑے کھڑے تھے۔" جاتے جاتے اس کے کانوں میں جنید کی آواز آئی۔

☆☆☆

حرف لفظوں سے جدا ہیں
کور چشم باز ہے
کون سا دشمن ہے میرا
کون سا ہم راز ہے
سینکڑوں چہرے ہیں لیکن
آشنا کوئی نہیں
ایک سی شکلیں ہیں سب کی
ایک سی آواز ہے

رات کے سرد اندھیرے میں کمرے میں ادھر سے ادھر جاتے ہوئے وہ جنید کے الفاظ پر غور کر رہی تھی۔

"آخر تم اتنی خفا کیوں ہو۔" کوئی اس کے اندر سے بولا۔

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ لوگ تمہیں چاہتے رہیں تمہارے پیچھے بھاگتے رہیں اور کبھی تمہاری اصلیت نہ جان سکیں، کبھی نہ جان سکیں کہ تم ایک ریجکٹڈ اور Unwanted لڑکی ہو، جس کی واحد کشش اس کی جائیداد ہے۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے اپنا دفاع کیا۔

"میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا، لیکن جب اسے سب کچھ معلوم ہی ہے تو وہ آخر پلٹ کیوں نہیں جاتا، کیوں پرائی منزل کی طرف بڑھنا چاہتا ہے۔"

"اس لئے کہ وہ احمق نہیں ہے، وہ اس بلینک چیک کو کیوں چھوڑ دے جو اس پر قسمت کے دروازے کھول سکتا ہے، چاہے وہ چیک چوری کا ہی کیوں نہ ہو۔"

اپنوں کے دیے گئے زہر نے زبان نکال کر کہا تو وہ بے چین سی ہو کر بیٹھ گئی۔

"وہ ایسا ہی ہے۔" بدگمانی کے سانپ نے پھنکار کر کہا۔

"ورنہ اس کو لڑکیوں کی کیا کمی ہو سکتی ہے جو وہ تمہاری دھوپ میں پاؤں جلائے، اس خزاں رسیدہ پیڑ سے اس کو کیا لینا۔"

اور رات کے گھپ اندھیرے میں بے اعتماد، بے یقین زرینہ کا رہا سہا یقین بھی اٹھ گیا۔

"اگر ایسا ہے جنید احمد۔" اس نے

اندھیرے میں دیکھتے ہوئے سوچا۔

''تو میں دولت کے نام کے ان کائی زدہ دیواروں کو ڈھا دوں گی جن سے میری اصل شخصیت نظر ہی نہیں آتی میں اپنے حوالے سے زندہ رہوں گی، اپنی جائیداد کے حوالے سے نہیں اور پھر دیکھوں گی کہ سورج کی کتنی روشنی مجھ تک پہنچتی ہے۔''

☆☆☆

''ایک تو جنید بھائی آپ کے ساتھ کھیلنے میں یہ بڑی مصیبت ہے کہ آپ تو ایک جگہ کھڑے رہتے ہیں اور اگلے آدمی کو سارے لان میں دوڑا دیتے ہیں۔'' شازی نے پسینے پسینے ہو کر کہا جو جنید کے ساتھ بیڈ منٹن کھیلتے ہوئے آدھے گھنٹے میں ہی ہانپ چکا تھا۔

''شرم کرو یار جوان آدمی ہو۔'' جنید نے غیرت دلائی۔

''جناب میں اتنی دیر سے اسی شرم کے سہارے تو کھیل رہا ہوں، ورنہ تو کبھی کا گر گیا ہوتا، آپ کہاں تھیں مینا جی صبح سے۔'' اس نے گری ہوئی شٹل کاک اٹھاتے ہوئے گیٹ سے اندر آتی مینا کو مخاطب کیا، جنید نے مڑ کر اس کو دیکھا اور ریکٹ پھینک کر کرسی پر جا بیٹھا۔

''شازی چائے تو پلاؤ یار بہت طلب ہو رہی ہے۔'' اور شازی شکر کرتا ہوا اندر بڑھ گیا۔

''شازی ایک کپ میرے لئے بھی۔'' اس کی مخالف سمت میں بیٹھتے ہوئے وہ بہت بشاشت سے بول رہی تھی۔

''کہاں تھیں تم صبح سے۔'' اس نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

''میں حسن انکل کے ساتھ ان کے دفتر گئی تھی، کچھ ضروری کام نبٹانے تھے، انکل میرے وکیل بھی ہوتے ہیں نا۔'' جنید چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، (نہ جانے کیا کر آئی ہے)

''کیوں؟'' جنید نے سوال کیا مینا نے غور سے اسے دیکھا، یہ کیئرنگ اور Concerning تاثرات ابھی بیزاری میں بدل جائیں گے، ہاں یہ تماشا تو اس نے پہلے بھی دیکھا تھا۔

''اور اب کتنا مزا آئے گا جنید احمد جب تمہاری ساری امیدیں دم توڑ جائیں گی۔'' اس نے سوچ کر مزا لیا پھر کچھ دیر ٹھہر کر بولی۔

''میں نے اپنے گھر کے سوا پاپا کی ساری زمین، ساری جائیداد شاکر علی کے نام لکھ دی ہے۔''

شاکر علی اس لحاظ سے تم سے بہت بہتر ہے جنید احمد کہ اس نے مجھے سہارا دینے کا ڈھونگ ضرور رچایا تھا لیکن محبت کے نام پر نہیں، اب تم کیا کرو گے؟ بھاگ جاؤ گے چھوڑ جاؤ گے خزاں میں گھرے پیڑ کو، کہہ کر سر جھکائے وہ سوچ گئی۔

''شکر ہے تم نے کوئی کام عقل کا کیا تو سہی۔'' جنید کی مطمئن آواز اس کے سارے خیالوں کو اوندھے منہ گرا گئی، بدگمانی کے سارے سانپ بلوں میں گھس گئے، وہ کچھ نہ سمجھنے کے اسٹائل میں بیٹھی رہی۔

''اپنے فیصلے پر کبھی پچھتانا مت زرمینا۔'' کچھ دیر رک کر اس نے کہا۔

''کیونکہ نقصان میں تم نہیں رہیں، نقصان میں وہ لوگ رہے ہیں جو تمہاری شخصیت کے اصل جوہر سے واقف ہی نہیں۔''

اور اس کی کیفیت اس بچے کی سی تھی جو برسوں اندھیرے میں رہنے کے بعد پہلی دفعہ تیز روشنی کے سامنے آیا ہو اور چندھیا جانے والی آنکھوں کو کھول نہ پا رہا ہو، وہ اس کے پاس سے اٹھ کر بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی اور بری طرح سے

رو دی۔

''مجھے ایسے خواب مت دکھاؤ جنید کہ پھر آنکھیں کھولنے کا میرا دل ہی نہ چاہے۔''

☆☆☆

پاپا نے جنید کی کامیابی کی خوشی میں گھر میں چھوٹی سی دعوت کا اہتمام کیا تھا اور صبح سے ہاتھ بٹاتی مینا کو مما نے کتنی دفعہ حسرت اور خواہش سے دیکھا تھا کچھ لوگوں کا وجود پارس ہوتا ہے، جس کام کو جس چیز کو ہاتھ لگائیں سونے جیسا بنا دیتے ہیں، کتنا اچھا ہوا اگر پارس جیسی یہ لڑکی اسی طرح ان کے چھوٹے چھوٹے کام تمام عمر سنبھالتی رہے، رات کو وہ سب کافی پیتے آج کے دن پر تبصرہ کر رہے تھے۔

''ہاں تو جنید صاحب اب آپ فرمائیے کہ آگے آپ کے کیا ارادے ہیں۔'' شازی نے پین کو مائیک بنا کر کمپیئرنگ کے اسٹائل میں کہا۔

''اب آگے یہ ایک پولٹری فارم کھول کر ملک و قوم کی خدمت کریں گے۔'' مانی نے چڑ کر کہا۔

''یار ڈاکٹر ہیں تو ظاہر ہے ڈاکٹری ہی کریں گے۔''

''تمہارا بولنا بہت ضروری ہے۔'' شازی کو اپنی نشریات کی مداخلت پر غصہ آ گیا۔

''آپ بتائیں جنید صاحب! اب تک تو آپ کی ساری ہی خواہشات تقریباً پوری ہوئی ہیں، کوئی ایسی حسرت ہے جو دل میں چاہتے ہوں کہ پوری ہو جائے۔''

جنید نے کچھ دیر سوچا پھر آہستہ آہستہ گنگنانے لگا۔

اس جھیل کنارے پل دو پل
اک خواب کا نیلا پھول کھلے
وہ پھول بہا دیں لہروں میں
اک روز کبھی ہم شام ڈھلے
اس پھول کی بہتے رنگوں میں
جب وقت لرزتا چاند چلے
اس وقت کہیں ان آنکھوں میں
اس بسرے پل کی یاد تو ہو
ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو
پھر چاہے آنکھ دریچے سے
یہ خواب گریزاں ہو جائے
پھر چاہے عمر سمندر کی
ہر موج پریشاں ہو جائے
پھر چاہے پھول کے چہرے کا
ہر درد نمایاں ہو جائے
اس جھیل کنارے پل دو پل
وہ روپ نگر ایجاد تو ہو
ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو

''ارادے تو نیک ہیں نا بھائی۔'' مانی نے اس کی کھوئی کھوئی شکل کے آگے ہاتھ ہلایا۔

''اس کے کیا ارادے ہونے ہیں یہ تو شادی کے روز بھی قاضی صاحب کی نبض پکڑ لے گا کہ ذرا منہ کھول کر لمبے لمبے سانس تو لیں۔'' علی نے کنکھیوں سے مینا کو دیکھتے ہوئے بات سنبھالی جو لاؤنج میں بیٹھے ان لوگوں کو کافی سرو کرتے کرتے یک دم خوفزدہ سی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''دیکھیں مینا جی یہ ڈریس اچھا نہیں علی بھائی کی شادی کے لئے۔''

علی کی شادی ابھی مہینوں دور تھی اور امبر روزانہ نیا میگزین کھول کر ڈریس ڈیزائن ڈھونڈ رہی ہوتی۔

''یہ......'' مینا نے حیران پریشان ہو کر اس

نہایت اوٹ پٹانگ ڈریس کو دیکھا۔
''کیوں اچھا نہیں ہے۔'' امبر کے چہرے پر معصومیت تھی۔
''بہت اچھا ہے چندا بس اس کو پہن کر مما سے ذرا فاصلے پر رہنا، انہوں نے دیکھ لیا تو تمہیں اسکول یونیفارم پہنا کر بارات کے ساتھ بھیج دیں گی۔'' مینا نے بہت پیار سے اس کا گال چھوا۔
''امبر تمہیں تائی اماں بلا رہی ہیں۔'' علی ایک دم اندر آتا ہوا امبر کو چلتا کر کے متفکر انداز میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
''مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' امبر کے پھیلائے ہوئے میگزینز سنبھالتے سنبھالتے اس نے چونک کر علی کو دیکھا۔
''آج شاکر علی میرے دفتر آیا تھا۔'' وہ سانس روکے اسے دیکھتی رہی۔
''وہ کہہ رہا تھا اگر تم چاہو تو واپس آسکتی ہو، وہ تمہارے سارے حقوق پورے کرنے کو تیار ہے۔''
''اگر تم چاہو...... اگر تم چاہو۔'' سارے ماحول پر تین لفظوں کی بازگشت چھا گئی، اگر وہ چاہے تو واپس جا سکتی تھی ورنہ وہاں کسی کو اس کا انتظار نہیں۔
وہ لوگ جو کل تک اسے واپس لانے کے لئے قانونی چارہ جوئی تک کر رہے تھے آج کہہ رہے تھے کہ اگر تم چاہو تو، ورنہ تو کوئی فرق نہیں پڑتا، اتنے دنوں سے امید کی ایک چھوٹی سی کرن کو وہ دونوں ہاتھوں کی اوٹ میں چھپائے ہوئے تھی کہ شاید اس کے اتنے بڑے قدم کے بعد ان کے دلوں پہ بیزاری اور نفرت کی دھند چھٹ جائے، انہیں یہی دکھ تھا کہ جائیداد خاندان سے باہر کیوں گئی، شاید جائیداد کے واپس جانے کے بعد وہ اس بھتیجی کو بھی یاد کرلیں جو اب بھی خاندان سے باہر تھی، شاید اسے اپنے خاندان کے نام کا سائبان مل سکے لیکن......
''مینا!'' علی نے زور سے اسے ہلایا تو وہ چونک پڑی، پتا نہیں اتنی دیر سے وہ کیا کہہ رہے تھے۔
''دیکھو مینا تم سمجھ دار ہو، ذہن اور تعلیم یافتہ ہو اپنے فیصلے خود کر سکتی ہو لیکن......'' وہ جھجک گیا۔
''میرا خیال ہے شاکر علی کے گھر سے اب تمہیں کچھ نہیں ملے گا سوائے بے وقعتی کے۔''
''اس نے کچھ دینے کے لئے مجھے اپنایا ہی کب تھا۔'' اس نے مایوسی سے پوچھا۔
''اسے تو جو چاہیے تھا اس کو مل گیا اور اب شاکر علی اس دنیا کے رواج کے مطابق تو مجھے تمہارا مشکور ہونا چاہیے کہ تم نے اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد بھی مجھے طلاق نہیں دی، بلکہ اپنے قدموں میں رہنے کو جگہ دے رہے ہو۔''
''مینا میں کچھ کہہ رہا ہوں۔'' علی نے پریشان ہو کر اسے دیکھا تو وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔
''جی علی بھائی میں سن رہی ہوں۔''
''تم یہ مت سمجھنا کہ جنید نے مجھے اپنا وکیل بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے، وہ تو اپنا کیس خود حل کرنا چاہتا ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ تم دونوں پر میرا تھوڑا سا تو حق ہے۔'' علی نے تمہید باندھی۔
''مینا تم ہم سب کے لئے امبر کی طرح ہو، ہم سب تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں، تم ان لڑکیوں میں سے ہو جن کو دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ یہ خوش رہیں، جن کے چہروں پر دکھ کا سایہ سوٹ نہیں کرتا اور میرا خیال ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ جنید تمہیں خوش رکھ سکتا ہے، اگر میں یہ کہوں کہ وہ بہت قابل ہے، محنتی اور ذہین ہے گڈ لکنگ ہے تو یہ بات تو سب جانتے ہیں، لیکن میں اسے چونکہ سب کے مقابلے میں کچھ زیادہ جانتا ہوں اس لئے میں یہ کہوں گا کہ وہ بہت متوازن شخصیت کا مالک ہے، اسے ہمیشہ یہ بات یاد رہی کہ وہ فیملی میں سب سے بڑا ہے اس لئے اسے ایسا ہونا چاہیے کہ باقی اسے فالو کر سکیں، اس نے وقت سے پہلے اور ضرورت سے زیادہ نہ کبھی کچھ سوچا نہ اس کی خواہش کی، میں اس کے سب سے نزدیک ہوں اور مجھے نہیں یاد کہ اس نے کبھی کسی لڑکی کا قصہ مزے لے کر مجھ سے بیان کیا ہو، تم اچھی طرح سوچ لو مینا، اس لئے کہ تم کوئی ڈیکوریشن پیس نہیں ہے جسے شاکر علی گھر کے ایک کونے میں رکھ کر بھول جائے، سوچ لو مینا، میں غلط نہیں کہہ رہا۔''

علی اپنی بات پوری کر کے بہت دیر ہوئے جا چکا تھا اور وہ بے حس و حرکت اب تک خاموش بیٹھی تھی۔
''یہ علی بھائی بھی عجیب ہیں۔'' امبر بڑبڑاتی ہوئی آ گئی۔
''اب دیکھیں نا تائی اماں نے تو مجھے نہیں بلایا تھا، خوامخواہ دوڑ لگوا دی، ارے آپ کو کیا ہوا مینا جی۔'' مینا نے خاموشی سے اسے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
''کچھ نہیں امبر میں اپنے کمرے میں ہوں اگر کوئی کام ہو تو بتا دینا۔''
کمرے میں آ کر وہ بستر پر گر گئی، تکیے سے بڑی سہیلی شاید لڑکیوں کی کوئی نہیں ہوا کرتی، اسی پر سر رکھ کر حسین خوابوں کا آسماں در آسمان سفر بھی کر ڈالتی ہیں اور آنکھ کھلنے پر زمین پر گرنے کے بعد اسی سے لپٹ کر رو بھی لیتی ہیں، سو اس نے بھی اسی راز دار کو آنسوؤں کا راز دیتے ہوئے سوچا، کیا چاہا تھا میں نے، یہی نا کہ مجھے اپنا نام مل سکے، کیا آسمان مانگا تھا تجھ سے مالک اور اب تو میرے کون سے حقوق پورے کرو گے شاکر علی، اس وقت جب تمہیں مجھ سے کچھ ملنے کی امید تھی، تب بھی حقوق کے نام پر مجھے گھر کا وہ سب سے آخری کمرہ ملا تھا جو میرے آنے سے پہلے اسٹور روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا، جس میں موجود دو پلنگوں میں سے ایک پر میں خود ہوتی اور دوسرے پر سارے گھر کا کاٹھ کباڑ۔
''اب تم کیا مجھے سرونٹ کوارٹر دو گے۔''
اسے شدت سے وہ گھر یاد آنے لگا، وہ اس کا بچپن کا دوست، ہاں وہ وہاں جائے گی، جس کے ڈرائنگ روم میں پاپا کی تصویر کے ساتھ اب مما کی تصویر کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔
''تمہارا مجھ سے صرف نام ہی کا تو رشتہ ہے شاکر علی اور جب میں بغیر تمہارے سہارے بھی زندہ رہ سکتی ہوں تو تمہارے نام کا عذاب سہنے تمہارے گھر کیوں جاؤں، میں اپنے گھر جاؤں گی اور اپنے نام کے ساتھ زندہ رہوں گی۔''
''اور جنید؟'' ذہن کا کوئی کونا چمکا۔
''نہیں علی بھائی آپ غلط نہیں کہتے، بلاشبہ آپ کا دوست ویسا ہی ہے جیسا آپ نے کہا، روشن ارادوں اور صاف نیت والا، ہر طرح سے مکمل اور یہی تو بات ہے علی بھائی کہ وہ اس قابل ہے کہ کسی چھاؤں جیسی لڑکی کا اعزاز بن سکے تو پھر میں اسے اپنی دھوپ میں کیوں جلنے دوں، اس سمندر جیسے شخص کے مقدر میں بے آب و گیاہ جزیرہ کیوں لکھوں۔'' وہ سوچتی رہی اور تکیہ گیلا کرتی رہی۔

☆☆☆

میرا درد نغمہ بے صدا
میری ذات ذرہ بے نشاں
میرے درد کو جو زباں ملے
مجھے اپنا نام و نشاں ملے

میرے ذات کا جو نشاں ملے
مجھے راز نظم جہاں ملے
مجھے کائنات کی سروری
مجھے دولت دو جہاں ملے

''آخر تم نے فیصلہ کرلیا۔'' جہاں آرا بیگم نے اس سکوت کو توڑا جو اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر چھایا ہوا تھا۔

مینا پچھلے پندرہ منٹ سے اپنے سامنے پڑی چائے کی پیالی کو گھورے جارہی تھی، جیسے اس میں گھور گھور کر سوراخ کردے گی، گھر کے دیگر لوگ اسکول، کالج اور آفس جاچکے تھے جب اس نے جہاں آرا آنٹی سے اپنی خلع لینے کی بات کی۔

''اچھا کیا بیٹا، دکھوں کی کھیتی کتنی ہی ہری بھری کیوں نہ ہو، کاٹنی تو پڑتی ہے، صبر سے برداشت اور حوصلے سے ایک ایک پودا جڑ سے نہ اکھاڑیں تو خوشیوں کے پودے کو جگہ نہیں ملتی پنپنے کے لئے اور مصیبتوں کی یہ چٹانیں اس وقت تک ہی بلند اور ناقابل تسخیر لگتی ہیں جب ایک دن کو توڑنے کا فیصلہ نہ کرلیں، ایک دفعہ ہاتھ میں تیشہ تھام لو تو پھر یہ بھربھری مٹی کی طرح ریت کا ڈھیر ہوتی ہیں، اچھا کیا جو تم نے انہیں توڑنے کا فیصلہ کرلیا۔''

جہاں آرا بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی محبت سے اس کو دیکھا۔

''شاکر علی بڑا بدقسمت تھا، اسے معلوم ہی نہیں کہ اس نے کتنا نقصان کا سودا کیا ہے۔''

وہ نم آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی، یہ حوصلہ، یہ غیر مشروط سپورٹ اگر ہر قدم پر اس کے ساتھ نہ ہوتی تو نہ جانے آج اس کی تقدیر اس کے ساتھ کیا کرتی، اس گھر کو چھوڑتے وقت اسے بہت دکھ ہوگا کہ اسی گھر نے رشتوں پر، محبتوں پر، خلوص پر اس کے ختم ہوتے ہوئے یقین کو زندہ رکھا تھا۔

☆☆☆

اس حسن کا نام پہ یاد آئے سب منظر فیض کی نظموں وہی رنگ حنا، وہی بند قبا، وہی پھول کھلے پیراہن میں۔

''نہ جانے کتنا عرصہ ہوچکا ہے مجھے اپنی خواہش کا سفر طے کرتے ہوئے۔''

کافی کی تلخی کو اندر تک محسوس کرتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں حساب لگایا، عدت کے بعد نزدیکی کالج میں جاب ملنے کے بعد اسے یہاں آئے کتنے ہی مہینے ہوچکے تھے، ہاسٹل بہت نزدیک تھا سو وہ ہر ویک اینڈ پر گھر کی صفائی ستھرائی کرنے کے لئے اٹھ آتی، وقت کولہو کے بیل کی طرح اپنا چکر کرکے اسے وہیں دوبارہ لے آیا تھا، بچپن کے دوستوں کے درمیان۔

''اور سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا میں نے سوچا تھا، میرا اپنا نام، میری اپنی شناخت، کسی کے احساس سے بے نیاز روز و شب اپنی زمین، اپنے در و دیوار، لیکن نہ جانے کیوں اس اپنائیت بھری تنہائی اور خاموشی میں اچانک ہی دل چاہتا ہے کہ ایکدم سے پیچھے سے آواز آئے۔''

''السلام علیکم!'' گوکہ آج اس کا ارادہ اس کو ڈرانے کا نہیں تھا لیکن وہ ایکدم اچھل پڑی۔

''ارے تو آپ ڈرتی بھی ہیں، لاشعوری کی تیسری آنکھ آج کل بند ہے کیا۔'' وہ اس کے سامنے کی لان چیئر پر بیٹھتا ہوا بولا۔

حیرانی کے سمندر سے نکلتے نکلتے اسے دو لمحے ہی لگے۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''شکر ہے ورنہ میں تو تعارف کروانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' اس نے شکر منانے والے انداز میں ہاتھ اٹھائے۔

"نہیں ابھی آپ اتنے بوڑھے نہیں ہوئے کہ پہچانے نہ جائیں۔" اطمینان سے پیچھے ہٹ کر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

"اچھا لیکن مجھے تو لگتا ہے بہت وقت بیت گیا۔" اس نے بہت عرصے بعد نظر آنے والے اس چہرے کو دیکھا۔

"اور ہاں۔" ایک دم ہی اسے یاد آیا۔

"یہ آپ کی امانت۔" اس نے جانے کس کونے سے کارڈ برآمد کیا۔

"اور یہ آج پھر چاند کی چودھویں کا انتظار فرما رہی ہیں باہر بیٹھ کر۔" اس نے خاموشی سے کارڈ اٹھایا، دل نہ جانے خاموشی کی کس تہ میں اترنے لگا تھا۔

"بری بات جس گاؤں جانا نہیں اس کا راستہ دیکھ کر کیا لینا۔" اس نے دل کو ڈانٹتے ہوئے لفافہ کھولا، پھر رک سی گئی۔

"آپ چائے تو پئیں گے۔"

"جی اگر آپ کافی بھی پلائیں گی تو میں برا نہیں مانوں گا۔" وہ کافی پاٹ میں جھانکتا ہو بولا۔

(یہ شخص پہلے تو اتنا نہیں بولتا تھا) لان میں جھانکتی چھمو کو کپ لانے کا کہتے ہوئے اس نے بے ساختہ سوچا اور ایک جھٹکے سے کارڈ باہر نکالا، علی کی پچیس دن بعد کی شادی کا کارڈ اس کے سامنے تھا، ایک گہری سانس اس کے اندر سے خارج ہوئی۔

اس نے سر اٹھا کر سامنے اس پر اترنے والی واردات سے بے خبر شخص کو کافی کا کپ بناتے ہوئے دیکھا، آگہی کا لمحہ نہ آئے تو برسوں تک نہیں آتا اور جب آ جائے تو انسان کے اندر کا سارا پول کھول کر رکھ دیتا ہے۔

"تو یہ ہے وہ گھر جس کو آپ نے چھوٹ کے انسان پر ترجیح دی، ویسے آپ اپنے رشتہ داروں سے کچھ کم تو نہیں۔"

وہ گھر کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے بولا تو وہ برہم سی ہو گئی۔

"آپ کچھ زیادہ نہیں بولنے لگے۔"

"واقعی، اصل میں کم بولنے سے کسی بہت بڑے نقصان کا خدشہ ہو تو زیادہ بول لینا چاہیے، ویسے آپ کتنا وقت لیں گی تیاری کے لئے۔"

"ابھی سے۔" وہ حیران رہ گئی۔

"ابھی تو شادی میں بہت دن ہیں۔"

"آپ کو شادی کے لئے کم اور تیاریوں کے لئے زیادہ بلایا جا رہا ہے مما اور چچی جان بازار کے چکر لگا لگا کر نڈھال ہو چکی ہیں، امبر سے ان کا کپڑوں پر ہر روز معرکہ چلتا ہے، شازی کریم کے ہاتھ کے بدمزا کافی پی پی کر تنگ آیا ہوا ہے اور ہاں لان میں خود رو جھاڑیوں نے پھر سے سارے گلاب کے پودوں کا ستیاناس کر دیا ہے، یہ مالی ہماری زبان تو سمجھتا ہی نہیں بلکہ کبھی کبھی تو لگتا ہے سارے گھر والے کوئی ایسی زبان بولتے ہیں جو آپ کے علاوہ کسی کی سمجھ میں آتی ہی نہیں اور آپ کے بعد کوئی آپس میں Comunicoute نہیں کر پا رہا۔"

"اور کچھ۔" وہ اکتا گئی۔

"اور ہاں۔" اسے جیسے ایک دم کچھ یاد آیا۔

"وہ اپنے ڈاکٹر صاحب بھی تو ہیں جن کے اندر کا ضدی بے چین دل آج کل ان کو ڈھنگ سے مسیحائی بھی نہیں کرنے دے رہا، یہ اتنے سارے لوگوں کی خواہشات کا بوجھ آپ اپنے کندھوں پر اٹھا کر کس طرح رات کو سکون سے سو لیتی ہیں۔"

پتا نہیں کتنی ادھوری خواہشات کا بوجھ اس کے گلے میں پھندا اٹکانے لگا، بلی کے بچے کو

پالنے سے لے کر پاپا کے گھر تک ادھوری خواہش کا یہ سفر تو اس نے پہلے بھی بہت دفعہ کیا تھا اور ہر بار واپسی کا سفر پہلے سے بھی زیادہ اذیت ناک تھا۔

"ہم جنگل میں نہیں رہتے ڈاکٹر صاحب ایک حقیقت ہوتی ہے جسے دنیا کہتے ہیں۔" اس کی آواز بھاری لیکن مضبوط تھی۔

"اور دنیا سے اگر آپ ڈرتی ہوتیں تو اس وقت یہاں سے بہت دور کسی بھرے پرے گھر میں روایتوں کی بکل مارے شاکر علی کے بچوں کی شادیوں کے متعلق سوچ رہی ہوتیں، اب آپ اٹھ جائیں واپسی کا سفر بہت لمبا ہے۔"

اور واپسی کا سفر لمبا تو ہمیشہ ہی ہوا کرتا ہے لیکن سامنے بیٹھے شخص کی آنکھوں میں جاگتا ارادہ بتا رہا تھا کہ اس بار اذیت ناک ہرگز نہیں ہو گا۔

"پلیز جنید آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ کمزور تو ہرگز نہیں تھی لیکن آنسوؤں پر سے ایک دم ہی اس کا اختیار اٹھ گیا، وہ بھونچکا ہو کر پہلے اسے پھر انگلی کی نوک پر خون کی ننھی سی بوند کو دیکھتا رہا جو گلاب کی ٹہنی گھماتے گھماتے اچانک ہی کسی کانٹے کے چبھنے سے ابھر آئی تھی اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے زرینہ علی خان میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو ٹھیک ہے، لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ میں بہت پریکٹیکل ہوں، اس لئے بس یہ کہوں گا کہ تم نہیں تو کوئی نہیں، لیکن میں نے تم سے پہلی نظر میں محبت نہیں کی، تم میرے اندر بہت پہلے سے تھیں اور ہمیشہ رہو گی، محبت کا جذبہ بھی میٹرک کے سٹیفکیٹ کی طرح ہوتا ہے، ایک دفعہ اس پر جو نام لکھ دیا جائے وہ پھر عمر بھر تبدیل نہیں ہو سکتا، میں بھی اپنے جذبوں کو تمہارا نام دے چکا ہوں، اب میرے پاس کسی اور کو دینے کے لئے اور کچھ نہیں، سو اگر تم چاہو تو مجھے تنہائی کی آگ میں جلنے سے بچا سکتی ہو، ورنہ تمہاری مرضی۔" جنید نے سنجیدگی سے کہا اور زرینہ کے اردگرد ساری آوازیں بازگشت بن کر گونجنے لگیں۔

"میں نہیں چاہتی کہ تم اس ویران اور اکیلے گھر میں باقی زندگی گزار دو۔"

"یہ چٹانیں اسی وقت تک ناقابل تسخیر لگتی ہیں جب تک ہم انہیں توڑنے کا فیصلہ نہ کر لیں۔"

"تم ان لڑکیوں میں سے ہو جن کو دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ یہ سدا خوش رہیں۔"

"کبھی کبھی ہم بہت مایوس ہو جاتے ہیں کہ سورج کی روشنی ہم تک کیوں نہیں پہنچ رہی اور وقت گزرنے پر پتا چلتا ہے کہ ہم سورج سے منہ موڑے کھڑے تھے۔"

نہ جانے کہاں کہاں سے آوازیں نکل کر اسے گھیرنے لگیں، اس نے آسمان پر نگاہ ڈالی۔

"لگتا ہے مما آپ کی دعا قبول ہو گئی، مجھے تنہائی سے بچانے کی دعا۔" اور پھر مایوس کھڑے جنید کو دیکھا۔

"یاد رکھنا جنید میں کبھی اپنے حق سے زیادہ نہیں مانگوں گی لیکن کبھی اپنے حق پر سمجھوتا نہیں کروں گی۔" اور اندر بڑھ گئی۔

جنید نے مسکراتے ہوئے ہلکے پھلکے ہو کر اردگرد دیکھا، جہاں صاف ستھرے لان پر ان دنوں بہار کی آمد تھی۔

☆☆☆

سدرۃ المنتہیٰ

تیسری قسط کا خلاصہ

فنکار کو اپنے زندہ ہونے کا یقین تب آتا ہے جب علی گوہر اسے بچانے کے لئے آتا ہے، وہ گوہر کو روکنے کی کوشش کرتا ہے اور اس سے دوبارہ آنے کا وعدہ لیتا ہے۔

گوہر بہت دن بعد گھر لوٹتا ہے جس پر اس کے ماں باپ بہت خوش ہیں، عمارہ کا رویہ اس کے ساتھ عجیب ہے۔

عمر رسیدہ خاتون کا انتقال ہو جاتا ہے جسے کبیر بھائی رات کے اندھیرے میں دفناتے ہیں اور کرچن لڑکی کو غسل دینا پڑتا ہے، کبیر بھائی اسے بتاتے ہیں کہ اب ان کو ایک نیا سفر درکار ہے، لڑکی یہ سن کر پریشان ہے۔

امرت گھر جاتے ہوئے بائیک پر گزرتے ہوئے ایک شناسا چہرہ نظر آتا ہے جسے پہچاننے کی کوشش میں وہ گھر آ کر پرانی تصویریں کھنگالتی ہے، تصویریں بری طرح سے مسخ کر دی گئی ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

چوتھی قسط

اس دفتر میں یہ اس کا پہلا عجیب دن تھا، جس دن اسے کوئی خاص کام نہ تھا، تمام کام وہ دو دن پہلے ہی ختم کر چکی تھی، پرچا پریس میں چلا گیا تھا اور وہ پورے چار گھنٹوں سے مختلف چیزوں میں دل لگانے کی کوشش کر رہی تھی، مس یاسمین صبح سے دس مرتبہ پوچھ چکی تھیں اور اس نے دسیوں بار کوئی جواب نہیں دیا، سوائے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ابھی لگتا تھا وہ گیارہویں بار پوچھیں گی اس سے پہلے اس نے اٹھ جانا چاہا تھا، جب ہی وہ خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں ساتھ چلنے کو۔

''میرے خیال سے ہمیں کام کرتے ہوئے خاصے دن ہو گئے ہیں ایک آدھ مہینہ تو ہو ہی گیا ہے۔'' اس کے ساتھ باہر آتے ہوئے وہ بولیں۔

''ایک مہینہ نو دن۔'' وہ بیگ کندھے پر اٹھائے گیٹ کی طرف بڑھی۔

''اتنے دنوں میں ہماری اچھی دوستی ہو گئی ہے میں تمہیں چھوٹی بہنوں کی طرح سمجھنے لگی ہوں، اسی لئے پوچھ لیا تم سے مگر تمہیں برا لگا جس پر مجھے حیرت ہے۔'' وہ شکایتی انداز میں کہنے لگیں۔

''کبھی کبھار کسی بات کی کوئی وجہ نہیں ہوتی یا پھر......'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''یا پھر؟'' وہ خود اس کے ساتھ رک گئیں تھیں۔

''یا پھر بہت سی وجوہات ہوتی ہیں۔'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر آگے بڑھ گئی تھی۔

''تو تمہارے بارے میں کیا خیال ہے؟'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتیں اس تک پہنچیں۔

''اگر کوئی وجہ نہیں ہے تو اس کا کوئی بھی جواب نہیں بنتا اور اگر بہت ساری وجوہات ہیں تو؟''

''تو بندہ ہر مسئلے کو اے ٹو زیڈ بیان کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اس لئے بہت زیادہ وقت چاہیے ہوتا ہے اور حوصلہ بھی شاید۔''

''تمہارے پاس وقت نہیں یا حوصلہ نہیں؟'' وہ پیچھے ہی پڑ گئیں تھیں۔

''دونوں نہیں۔'' وہ اب مین روڈ کی طرف جا رہی تھیں۔

''آخر ایسا کیا مسئلہ ہے کہ تم چھپاتی ہو، بہن ہوں میں تمہاری۔''

''مس یاسمین پلیز، ہر انسان مسائل میں گھرا ہوتا ہے، سو طرح کے مسائل ہیں، میں نہیں کہتی کہ میں انوکھی ہوں یا میرے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہو سکتا، بات یہ ہے کہ مجھے چھوٹی چھوٹی چیزوں کو ڈسکس کرنے کی عادت نہیں ہے اور کبھی انسان بے وجہ بھی چپ ہوتا ہے، اداس ہوتا ہے آخر وہ انسان ہے فرشتہ نہیں، آپ ایک معمولی سی بات کو لے کر وقت ضائع کر رہی ہیں اور کچھ نہیں۔''

''معاف کر دینا آئندہ کچھ نہیں پوچھوں گی، بہت جذباتی ہو گئی ہو تم۔'' وہ کچھ ڈرتے جھجکتے رک گئیں اتنا کہہ کر۔

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔'' بس آ چکی تھی، وہ آگے بڑھ گئی، مس یاسمین اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے مستقل کھڑکی سے باہر دیکھ رہیں تھی یہ اس کی ناراضگی کا اظہار تھا۔

''میں آپ سے معذرت خواہ ہوں مس یاسمین، میں چاہتی ہوں آپ آئندہ ایسی بات نہ کریں جس کی وجہ سے آپ کے ساتھ مجھے اس انداز میں بات کرنا پڑے، بلاشبہ آپ مجھ سے عمر میں بڑی ہیں اور اگر میری کوئی بڑی بہن ہوتی تو وہ بھی آپ کی ہم عمر ہی ہوتی، اس ناطے آپ خود کو میری بڑی بہن ضرور کہہ سکتی ہیں مگر نا آپ میرے بارے میں جانتی ہیں نا ہی میں، کسی بھی بات کا فوری نتیجہ نکالا نہیں جاتا،

اپنے برے لہجے کے لئے پھر سے معافی چاہتی ہوں۔'' اس نے کافی ٹھہر ٹھہر کر آہستگی سے یہ سب کہا تھا جب تک اس کا اسٹاپ آ گیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں اس کو اترنا تھا، سو وہ سلام کر کے اٹھ آئی۔

''عجیب لڑکی ہے یہ بھی۔'' مس یاسمین کھڑکی سے اسے جاتا ہوا دیکھ کر بولی۔

وہ واقعی اس کے لئے عجیب تھی اور کچھ کھسکی ہوئی بھی، مگر اسے یہ عجیب قسم کی، عجیب لڑکی بہت اچھی لگنے لگی تھی، تب سے جب سے اس نے پروف میں اس کی غلطیاں نکالی تھیں تب سے، جب سے وہ اس کے بارے میں اس سے پوچھنے لگی، تب سے جب سے اس نے گھڑی میں سیل ڈلوا کر وقت سیٹ کیا، مگر تب زیادہ ہی جب اس نے لڑ جھگڑ کر میلو کا روم الگ کروایا اور خود ایک پرچہ منتخب کر کے اس کے ساتھ سیٹ ہو گئی، یہ لڑکی اچانک غلطیاں پکڑ لیتی تھی، رویے سمجھ لیتی تھی، چیزیں ٹھیک کر کے دیتی تھی، ہنستی بولتی لاجیکل بات کر جاتی، یہ لڑکی تھوڑی عجیب سی ضرور تھی اس سارے دفتر میں مگر سب سے زیادہ اہم اس کا اچھا اور ہمدرد ہونا تھا۔

☆☆☆
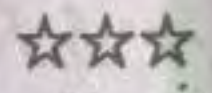
''کیا میں اس سب کی وجہ جان سکتا ہوں عمارہ۔'' وہ بے دھڑک اس کے پیچھے کچن میں آیا تھا، جب رات کے کھانے سے فارغ ہو کر وہ برتن دھو رہی تھی کل تو ابا کے کہنے کی وجہ سے اس نے ان کے ساتھ کھانا کھا لیا تھا مگر آج وقت سے پہلے ہی اس نے کھا لیا تا کہ ان کے ساتھ نہ کھانا پڑے بلکہ اس کے ساتھ نہ کھانا پڑے۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے عمارہ جواب دو مجھے۔''

''ضروری ہے کیا تمہاری ہر فضول بات کا جواب دینا۔''

''میں نے کوئی فضول بات نہیں کی ہے میں تم سے تمہارے رویے کی وجہ پوچھ رہا ہوں عمارہ۔''

''میرے رویے کو کیا ہوا ہے ٹھیک تو ہے میرا رویہ۔'' وہ اس کی طرف بغیر دیکھے بات کر رہی تھی۔

''عمارہ میرا کیا قصور کیا ہے آخر، سخت غصہ آ رہا ہے مجھے تم پر۔''

''تمہیں کیوں آ رہا ہے غصہ مجھ پر؟'' اس نے تیزی سے اس کی طرف دیکھا تھا غصہ خود اسے آ رہا تھا اس کی بات سن کر۔

''کیا ہمارا رشتہ اتنا کمزور ہے عمارہ، ہم ایسے تو نہیں رہے کبھی کچھ بھی ہوتا تھا تم مجھے کہہ دیتی تھیں غصہ کرتیں، بتاتیں مگر اب تم عجیب ہوتی جا رہی ہو میرے لئے۔'' وہ زیادہ دیر تک لاتعلقی برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

''تم سے تو پھر بھی کم ہی عجیب ہوں میں، بہرحال انسان کبھی الجھا ہوا بھی ہوتا ہے گوہر، کبھی کبھار سمجھانا مشکل ہوتا ہے۔'' اس کا رویہ کچھ ٹھیک ہوا تھا۔

''کیا الجھن ہے تمہیں بتاؤ مجھے۔''

''تمہیں کیا الجھن ہے یہ بتاؤ کیوں تمہیں گھر میں چین نہیں آتا، کیا چیز ہے جو تمہیں در بدر لئے پھرتی ہے، کبھی بتاؤ بھی، کیوں تمہیں اپنے ماں باپ کو سخت پریشان کر کے مزا آتا ہے، بتاؤ۔''

''تم اس لئے ناراض ہو یا کوئی اور وجہ ہے، اگر ہے تو بتاؤ۔''

''افسوس اس بات کا ہے کہ میں تمہیں نہ کچھ کہہ سکتی ہوں نہ ہی سمجھا سکتی ہوں، کیونکہ نہ تم سن سکو گے

اور نہ ہی سمجھنا چاہو گے، تم سے کچھ بھی کہنا سمجھنا یا پوچھنا فضول ہے۔" وہ برتن دھو چکی تھی اور اب باہر جا رہی تھی۔

"مجھ سے صاف صاف بات کرو عمارہ کیونکہ میں خود تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں، بشرطیکہ اگر ٹھیک طرح سے بات ہو سکی تو۔" وہ کمرے میں آ گئی تھی اور وہ بھی اس کے پیچھے آ گیا تھا۔

"کرو بات اب۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی، وہ انتظار میں تھی کہ وہ خود ہی بات کرے اس سے۔

"اماں بتا رہی تھیں کہ تمہاری امی کے فون آتے ہیں اور تم بات نہیں کرتیں ان سے۔"

"تو اب تم مجھے سمجھاؤ گے کہ مجھے ان سے بات کرنی چاہیے۔" اسے پتا تھا یہ وہ بات نہیں ہے جو وہ کرنے لگا تھا۔

کیونکہ بات کرنے سے پہلے وہ کچھ پل سوچ میں رہا تھا اسے اندازہ تھا وہ بات بدل دے گا، کتنے عرصے سے وہ یہی سب کرتا آ رہا تھا۔

"میں تمہیں یہ سب کہہ سکتا ہوں عمارہ، مگر مجھے معلوم ہے اس سب کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے، مگر پھر بھی میں تمہیں ایک دوستانہ مشورہ ضرور دوں گا اور وہ یہ ہے کہ تم ان کے پاس چلی جاؤ پاسپورٹ میں بنوا دوں گا، اگر تم راضی ہو جاؤ تو۔"

"کتنی آسانی سے یہ سب کہہ دیا تم نے، میں چلی جاؤں، ٹھیک ہے تم اماں ابا کو کہہ دو کہ یہی ایک جملہ وہ خود مجھے کہہ دیں، صرف ایک بار گوہر بس ایک بار وہ مجھے خود کہیں، اس کے بعد میں ایک لمحہ یہاں نہیں ٹھہروں گی، یہ میرا تمہارے ساتھ وعدہ ہے۔" اس نے بڑے ضبط سے یہ بات کہی تھی اس کے سامنے۔

"تم سنجیدگی سے میری بات پر غور کرو، دیکھو تمہاری ماں کے پاس بہت پیسہ ہے، بلیو می تم وہاں بہت خوش رہو گی، وہ تمہاری کسی امیر لڑکے کے ساتھ شادی کرا سکتی ہیں تمہاری زندگی بن جائے گی عمارہ۔"

"ٹھیک ہے، بہت شکریہ تمہارا۔" اس کی بات سے اسے بہت دکھ پہنچا تھا مگر وہ مزید کوئی بات کہے فوراً کمرے سے باہر گئی تھی۔

"عمارہ میری بات سنو، میں تمہارا دشمن نہیں ہوں پلیز، رکو عمارہ پلیز، یہ بات ہمارے درمیان ہے۔" اس کا رخ اماں ابا کے کمرے کی طرف دیکھ کر ذرا گھبرا سا گیا تھا۔

"عمارہ رکو پلیز میری بات سنو۔"

"آپ لوگ چاہتے ہیں میں یہاں سے چلی جاؤں، اگر چاہتے ہیں تو مجھے خود کیوں نہیں کہتے، کیوں کسی اور کے ہاتھوں پیغام بھجواتے ہیں، مجھے کہہ دیں صرف ایک دفعہ میں چلی جاؤں گی، چاہے جہاں جاؤں پھر......" کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"تمہیں یہ سب کس نے کہا ہے عمارہ۔" ابا حیران تھے لیٹے سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"مجھے کون کہہ سکتا ہے؟"

"گوہر تم نے کہا ہے کہ یہ چلی جائے، تم نے کہا ہے یہ اسے۔"

"ہاں میں نے کہا پر میرا یہ مطلب نہیں تھا ابا، میں کہہ رہا تھا......"

"بکواس مت کرو تم، میں کہتا ہوں تمہیں حق کیا ہے یہ سب کہنے کا، کون ہوتے ہو تم اسے یہ سب کہنے والے، کما کر لاتے ہو کیا، بتاؤ مجھے۔" وہ چارپائی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے، غصے سے ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ابا میرا یہ مطلب نہیں تھا، میں چاہ رہا تھا وہ خوش رہے، یہاں اسے کچھ نہیں ملے گا ابا، میری بات سمجھنے کی کوشش کریں آپ لوگ۔"

"گوہر تم نے یہ کیوں کہا، عمارہ ہماری بیٹی نہیں۔" اماں بھی یہ بات سن کر افسردہ ہو گئیں تھیں، انہیں گوہر کی بات پر افسوس تھا، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ وہ یہ سب کیوں کہہ رہا ہے۔

"اماں ابا میں واقعی چلی جاؤں گی اگر ایسا کچھ ہے، اگر یہاں کسی کو میرے رہنے سے کوئی مسئلہ ہے تو۔"

"جس کو مسئلہ ہے وہ خود چلا جائے یہاں سے، یہ کون سا رہتا ہے یہاں یہ کون سا ہمارے دکھ سکھ کا ساتھی ہے۔"

"تم میری بیٹی ہو، میری، یہ گھر صرف میرا نہیں تمہارا بھی ہے یہ گھر تمہارے باپ کا تھا اتنا بھی جتنا میرا ہے، یہ گھر ہمارے باپ نے ہم دونوں کے نام کیا تھا، تمہیں یہاں سے کوئی نہیں نکال سکتا بیٹا، تم کیوں ایسا سوچ رہی ہو۔" وہ اسے ساتھ بٹھا کر پیار سے کہنے لگے تھے۔

"مجھے پتہ تھا، میری بات کا یہی نتیجہ نکلے گا۔" وہ افسوس سے کہتا ہوا باہر چلا گیا تھا۔

"گوہر رکو، کہیں جانا نہیں بیٹا۔" اماں فوراً اس کے پیچھے لپکیں تھیں خوف زدہ ہو کر۔

"اماں! مت روکیں مجھے۔" وہ مجبور ہو جاتا تھا ان کے سامنے۔

"تم چاہتے ہو میں پھر تمہاری شکل دیکھنے کو ترسوں، مت کرو گوہر ایسا مت کرو، میرے ساتھ، میں ماں ہوں تمہاری، محبت کرتی ہوں، نہیں رہ سکتی میں اب ہر لمحہ انتظار کر کے، مت جاؤ گوہر۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں آ گئیں تھیں۔

"اماں! میں زیادہ دنوں کے لئے نہیں جا رہا، آ جاؤں گا فکر نہ کریں۔" اس نے کندھوں سے تھام کر انہیں بٹھایا اور آرام سے کہنے لگا۔

"گوہر تم جا کہاں رہے ہو اور کیوں جا رہے ہو، اپنا گھر چھوڑ کر، میں تمہیں نہیں جانے دوں گی، کہیں بھی اب، دیکھو جیسا تم چاہو گے ویسا ہو گا، تمہیں عمارہ سے شادی نہیں کرنی مت کرو، میں اس کی کہیں اور شادی کر دوں گی، وہ تمہاری پریشانی نہیں ہے، بس تم اسے جانے کا مت کہو بیٹا۔"

"اماں میرا یہ مطلب نہیں ہے، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ خوش رہے، وہ ساری زندگی اس گھر میں خوش نہیں رہ سکے گی، اگر اس کی ماں اس کو اچھی زندگی دے سکتی ہے تو وہ وہاں کیوں نہ جائے، میں تو اسی کا بھلا سوچ رہا ہوں۔"

"مگر بیٹا یہ اس کی مرضی ہے، وہ جیسا چاہے، اگر وہ نہیں جانا چاہتی تو نہ سہی، ہم اسے کیوں کہیں گوہر، دیکھ اسے بھی تمہاری طرح پالا ہے ہم نے اور اس نے بھی بیٹی بن کر دکھایا ہے ہمیں، اس نے گھر سنبھالا ہوا ہے، تم کما کر نہیں لاتے مگر وہ کما کر لاتی ہے تو پیسے میرے ہاتھ پر رکھتی ہے، سگی اولاد سے زیادہ اس نے ہماری خدمت کی ہے، میرا تو دل نہیں چاہتا کہ وہ کبھی یہاں سے جائے۔"

"میں مانتا ہوں اماں وہ بہت اچھی ہے، اس نے بہت خیال رکھا ہے اس کی طرح کوئی آپ لوگوں کا خیال نہیں رکھ سکتا، اس جیسا کوئی نہیں ہے، مگر میں سمجھتا ہوں میں اسے سکھ نہیں دے سکتا، آپ اسے کسی کوئی اچھا رشتہ ڈھونڈیں اس کے لئے، میں چاہتا ہوں، اسے ان ساری خدمتوں کا صلہ بھی تو ملے۔"

"تو تم صرف اسی لئے انکار کر رہے تھے کیا؟"

"جی اماں! صرف اس کے بھلے کے لئے۔"

"تو تم اس سے شادی کر لو نا، دیکھو وہ تمہیں تنگ نہیں کرے گی وہ بہت اچھی ہے گوہر۔" وہ پھر اصلی بات پر آ گئیں، وہ افسوس اور تعجب سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم کرو گے نہ شادی اس سے۔" وہ امید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"کیا میں سو سکتا ہوں، تھک گیا ہوں۔" وہ بیزاری سے اٹھا تھا۔

"ٹھیک ہے، سو جاؤ ہم کل بات کر لیں گے بیٹا، مگر دیکھو کہیں جانا نہیں۔" وہ فکرمندی سے کہتی اٹھیں اور باہر جا کر دروازے کو تالا لگایا تھا، گوہر انہیں تالا لگاتے ہوئے دیکھ کر تھکی ہوئی مسکراہٹ سے واپس اندر آیا اور اپنا بستر بچھانے لگا، گھر سے فرار کے لئے دیوار کیا بری ہے، مگر آپ کی خاطر ایک رات اور سہی، وہ سر جھٹک کر خود سے مخاطب تھا۔

☆☆☆

دو دن سے ایک اجنبی سی کیفیت طاری تھی ان پر، وہ آتی اور کمرے میں گھس جاتی تھوڑی دیر بعد وہ کھانے کی ٹرے کمرے میں رکھ آتیں دل چاہتا تو کھا لیتی نہیں تو کھانا ویسے کا ویسا پڑا رہتا ان کا ناراض ناراض سا انداز تھا اس نے بہت بار چاہا آگے بڑھ کر معافی مانگ لے انہیں منا لے تا کہ یہ اجنبیت کی فضا تو کم از کم ختم ہو مگر بڑھنے کے لئے جیسے نہ ہمت تھی نہ بات کرنے کے لئے لفظ تھے۔

کئی جملے سوچے سمجھے زبان پر اٹک جاتے تھے، اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو رہا تھا، عبدالمنان کے اس درمیان کئی فون آ چکے تھے اور وہ اس کی کالز مس کر رہی تھی اسے پتہ تھا جب وہ سامنے ہوگا تو اس کا ری ایکشن بہت خطرناک قسم کا ہوگا، مگر فی الحال اس کے سننے کے لئے اس میں نہ ہمت تھی نہ ہی موڈ، گھر میں پورا وقت چپ چپ بیٹھے گزرتا ہی نہیں تھا، اس نے سوچا کچھ ادھوری چیزیں دیکھ لے، پرانے ادھورے اسکیچ اس کی الماری میں سامنے ہی پڑے تھے، وہ پیپرز نکال کر چیک کر رہی تھی جب وہ اندر آئیں تھیں مگر دروازے تک آ کر رک گئیں۔

"وقار تمہیں بلا رہا ہے۔" صرف اتنا کہہ کر وہ چلی گئیں۔

اس نے پیپرز وہیں رکھے اور الماری بند کر کے ان کے پیچھے کمرے میں آئیں اسے آتا دیکھ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئیں تھیں، اسے عجیب سا لگا ان کا رویہ جیسے وہ اس کی ہم عمر ہوں اور خفگی میں یہ رویہ دکھا رہی ہوں، اگر ماں ہیں تو ڈانٹیں، گرجے برسیں، سمجھائیں ملامت کریں یا احساس دلائیں، مگر ان کا رویہ تقریباً الٹ ہی ہوتا تھا، جن باتوں میں نرمی کی ضرورت تھی وہاں بے حد سختی اور جب ماں بن کر دکھانے کا وقت ہوتا تب یہ رویہ، وہ ٹھنڈی سانس بھر کر اندر آئی انہیں سلام کرتے ہوئے۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو بیٹا؟ آؤ بیٹھو۔" وہ لیٹے سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ ان دنوں درد تو نہیں ٹانگ میں، سردی میں خیال تو رکھتے ہیں نا، ڈاکٹر سے بات ہوئی آپ کی؟" اسے فوری طور پر خیال آیا تھا ان کا اور کچھ شرمندگی کا احساس بھی کہ اتنے دنوں سے اس نے پوچھا تک نہیں نہ ہی ملنے آئی تھی۔

"ہوں بیٹا درد تو اب زندگی کا حصہ بن گیا ہے۔"

"تم بہت دن بعد میرے پاس آئی ہو، آتی رہا کرو نا، آؤ میرے پاس بیٹھو۔"

"میں بہت شرمندہ ہوں، مجھے آنا چاہیے تھا، اصل میں جاب نے تو میرا دھیان اور کہیں جانے ہی نہیں دیا، مگر مجھے تب بھی آنا چاہیے تھا، آپ کہیں تو میں آج ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں آپ کو؟ درد زیادہ تو نہیں؟"

"نہیں مجھے تم پہلے بتاؤ تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟ خوش ہو تم؟"

"میں خوش ہوں، جاب اچھی ہے، پچھلے دنوں کام کچھ زیادہ تھا، اب ٹھیک ہے، آپ کی طبیعت واقعی بہتر ہے۔" جواب دینے کے ساتھ دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" وہ ہنس دیئے اس کے بار بار پوچھنے پر۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے مگر ادھر آؤ۔" وہ رازداری سے کہنے لگے۔

"جی کہیں...... خیریت۔" وہ کرسی کھینچ کر ذرا قریب لے آئی۔

"ماں سے کوئی لڑائی چل رہی ہے تمہاری۔" اسی لہجے میں پوچھا گیا۔

"لڑائی تو نہیں کہہ سکتے مگر، کچھ بحث ہوئی تھی کچھ دن پہلے۔"

"اور اس بحث کو لے کر تمہاری ماں بہت پریشان ہے، دو دن سے ٹھیک سے سو نہیں رہی، بار بار نیند سے اٹھ جاتی ہے اور پریشان ہو جاتی ہے۔" وہ سانس لینے کو رکے۔

"اسے ڈر ہے کہ تم اسے چھوڑ کر چلی جاؤ گی، کیا یہ ٹھیک ہے، تم نے ایسا کچھ کہا ہے اس سے؟"

"میں اگر چاہوں بھی تو ایسا نہیں کر سکتی، یہ ان کا ڈر ہے۔" وہ لمبی سانس لے کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"تم ایسا کبھی مت کرنا امرت، کیونکہ اولاد جب چھوڑ جائے تو انسان ختم ہو جاتا ہے اندر سے، اولاد کے لئے ایسا کرنا بہت آسان ہے مگر والدین کے لئے یہ سہہ پانا بہت مشکل ہے۔"

"اور والدین کا چھوڑ جانا اولاد کے لئے کیسا ہے انکل؟"

"بہت تکلیف دہ ہے، مگر تم کچھ اور کہہ رہی ہو، کس نے چھوڑا ہے تمہاری آنٹی نے، تمہاری ماں نے، اگر تم اپنی ماں کی بات کر رہی ہو تو غلط ہو، اسے میں نے مجبور کیا تھا، مگر جب میں نے اس کی حالت دیکھی اور میں نے اجازت دی تو وہ تمہیں فوراً لے آئی تھی، بہت یاد کرتی تھی وہ تمہیں، بہت زیادہ جس کا تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے۔" وہ اس کے دل سے سارے شکوے مٹانا چاہتے تھے، یاد کرتی تھیں، ڈھائی سال کی بچی کو انہوں نے چھوڑا۔

"یاد تو کرتی ہوں گی، مگر واپس لانے میں اتنا وقت، انہوں نے مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑا تھا، اگر وہ واپس لائیں تو مجھے نہیں پتہ کہ ان کی کون سی مجبوری تھی ایسا کرنے کے پیچھے، تیرہ سال بعد تو وہ مجھے یاد بھی نہیں تھیں، میں ان کے بغیر جی رہی تھی، تو کیوں انہیں تیرہ سال بعد احساس ہوا مجھے واپس لانے کا،

بہر حال یہ سوال مجھے ان سے کرنا چاہیے، آپ سے نہیں۔"

"تمہارے دل میں ان لوگوں نے جو زہر بھرا ہے وہ ابھی تک ہے۔" وہ تاسف سے بولے۔

"ان لوگوں نے اگر میرے دل میں زہر بھرا ہوتا تو زہر میرے دل سے ماں کی تھوڑی سی محبت بھی ختم کرنے میں کامیاب ہوتا، اگر ایسا ہی کچھ تھا تو وہ مجھے اپنی ماں کے ساتھ آنے کیوں دیتے، وہ روک لیتے مجھے، وہ روک سکتے تھے، انہوں نے پالا پرورش کی، اس وقت سنبھالا جب مجھے ماں کی ضرورت تھی، اتنی نفرتوں کے بعد بھی مجھے سینے سے لگائے رکھا، وہاں میں نے اپنے باپ کے لئے تو نفرت دیکھی، مگر ماں کے لئے نہیں، وہ اپنے کھوٹے سکے کو کوستے تھے، مگر میری ماں کو نہیں، پھر بھی میری ماں اگر ایسا سوچتی ہے تو ان کی سوچ ہے میں پہرے نہیں بٹھا سکتی۔"

"تم کیوں وہاں جانا چاہتی ہو؟" وہ اس کے لہجے اور باتوں میں ان سب کے لئے محبت محسوس کر رہے تھے۔

"جانا چاہتی ہوں، مگر میں جاؤں گی نہیں، کوئی جواز نہیں بنتا میرے جانے کا، نہ ہی میری اب وہاں کوئی جگہ ہوگی، گیارہ سال بعد میں وہاں جا کر کیا کروں گی، کون ہوگا کون نہیں، مجھے نہیں پتہ۔"

"یاد آتے ہیں وہ سب تمہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں تیرتی ہوئی نمی دیکھ چکے تھے۔

"بہت زیادہ۔"

"ہاں کیوں نہیں یاد آئیں گے، یہ بھی یاد ہوگا کہ تمہارا چچا کتنی نفرت کرتا تھا تم سے اور تمہارا باپ تو اس سے بھی زیادہ وہ شاید تمہیں یاد نہ ہو، کیسی زندگی گزار رہی تھیں تم وہاں پہ۔" وہ اندر آئیں تھیں اچانک۔

"سب یاد ہے مجھے، آپ یاد مت دلائیں، نفرتیں بھی ان کی محبتیں بھی، سب اچھی طرح یاد ہے۔" وہ تلخی سے مسکرائی۔

"تمہیں یہ سب کہنے کی کوئی ضرورت نہیں صنوبر، ہم آپس میں بات کر رہے تھے۔" وقار صاحب نے آہستگی سے انہیں ٹوکا تھا۔

"میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا، صرف یاد دلایا ہے اسے، جن کے لئے یہ تڑپتی رہتی ہے اور ماں کا احساس نہیں ہے اسے جواب بھی اسی کے لئے سوچتی ہے کیا کچھ نہیں کیا ہے میں نے اس کے لئے، کتنے لوگوں سے لڑی ہوں میں مگر اس کی نظر میں، میں ہی بری ہوں، صرف اس لئے کہ میں نے اسے وہاں چھوڑا نہیں، یہ سمجھتی نہیں اگر کچھ عرصہ چھوڑا تو کس مجبوری میں یہ سب کیا ہوگا میں نے۔"

"بہت احسانات کیے ہیں امی آپ نے مجھ پر، جو کوئی ماں باپ اپنی اولاد پر نہیں کرتے، کیوں یہ اولاد کا حق ہوتا ہے آپ مجھے ان جنگلی لوگوں کے پاس سے اٹھا کر یہاں لائیں مجھے پڑھایا لکھایا یہاں تک پہنچایا اس سب میں آپ کا ہاتھ ہے، میں شکر گزار ہوں آپ کی، میں مانتی ہوں آپ کے احسانات۔" اس کا لہجہ نرم تھا اور آواز بھی مگر ہر فقرے میں شکایت بے ساختہ عود آئی تھی۔

"تم نے دیکھا وقار، دیکھا یہ کس طرح سے بات کرتی ہے مجھ سے، جیسے عدنان تمہارے ساتھ بات کرتا ہے، ویسے ہی کاش کہ میں اس کی طرح بات کر پاتی مگر......" وہ اٹھ گئی تھی۔

"امرت بیٹا! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" وہ ان کے آکر بولنے سے کچھ بوکھلا سے گئے تھے، بہتر یہی لگا کہ وہ یہاں سے چلی جائے فی الحال۔

"عدنان کو باغی بھی تم ہی نے کیا تھا اور اب اس کا بھی یہی حال کر کے چھوڑو گی، تمہیں عقل کب آئے گی بے وقوف عورت، ہمیشہ ایسا کرتی ہو۔"

"تم بھی مجھے الزام دے رہے ہو بجائے اسے سمجھانے کے۔" انہیں کہاں اپنی غلطی نظر آتی تھی۔

"سمجھا رہا تھا میں اسے، معافی مانگ کر منا لیتی تمہیں وہ، میں نہیں چاہتا میں کہ جیسے بیٹا چھوڑ گیا ویسے وہ تمہیں چھوڑ دے مگر، تم خود اپنی باتوں سے اسے خود سے دور کر دو گی صنوبر، کبھی زندگی میں تم نے کوئی ایک بھی عقل مندی کا فیصلہ نہیں کیا، ہمیشہ جلدی میں رہی، اپنے لئے ہی سوچا اور دوسروں کو روند دیا اپنے فیصلوں کے پیچھے، اب تو سوچو، کیا عمر ہوگئی ہے اب بھی تمہیں اپنی ہی پڑی ہے۔"

"ہمیشہ تم نے مجھے غلط کہا ہے وقار، ایسے جیسے تمہارا تو کوئی قصور ہی نہیں ہے، تم نے تو کوئی غلطی کی ہی نہیں ہے، تم تو جیسے دودھ پیتے بچے تھے، سب غلطیاں میرے کھاتے میں ڈال کر خوش ہو جاتے ہو۔"

"سب سے بڑی غلطی تو کر چکا ہوں مگر اب کیا کروں بھگت تو رہا ہوں تمہیں، تمہاری باتوں کو، بیزار آگیا ہوں زندگی سے، دل چاہتا ہے زہر کھا لوں تاکہ جان چھوٹ جائے تم سے۔"

"ہاں تو کھا لو زہر کس نے روکا ہے تمہیں، میری خود جان چھوٹے گی تمہاری خدمتوں سے، میں خود عاجز آگئی ہوں۔" بہ آواز بلند کہتی ہوئیں وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔

وہ دکھ اور افسوس سے انہیں یوں کہہ کر جاتا ہوا دیکھتے رہے اب مزید کیا بچتا تھا کہنے سننے کو اور جینے کو، دل چاہا واقعی زہر کھا لیں، زندگی میں کئی بار خود کو بے بس محسوس کیا تھا، مگر یہ بے بسی کتنی جان لیوا تھی۔

وہ اپنی سماعتوں پر یقین کرنا چاہ رہے تھے جو کچھ ان سے سنا جبکہ وہ اپنے غرور میں بہ آواز بلند کیا کیا کہتی جا رہی تھیں، بغیر کچھ سوچے سمجھے، زندگی میں سب فیصلے بغیر سوچے ہی تو کیے تھے اور ایک امرت تھی جو اس ساری صورتحال پر سر تھام کر بیٹھی ہوئی تھی۔

☆☆☆

ٹھیک دو دن بعد وہ پھر گھر سے غائب تھا اور ہمیشہ کی طرح وہ پریشان تھیں۔

"مجھے اب لگتا ہے کہ یہ سب میری وجہ سے ہو رہا ہے اماں! وہ میری وجہ سے ایسا کرتا ہے نا، بتائیں آپ نے پھر کوئی بات کی تھی اس سے۔"

"بیٹا وہ تمہاری وجہ سے ایسا نہیں کرتا، وہ تو تمہاری بہت قدر کرتا ہے۔"

"آپ نے کیا بات کی تھی اس سے مجھے یہ بتائیں۔"

"میں نے بات کی تھی، اس نے کچھ نہیں کہا مگر وہ بہت پریشان تھا تمہارے لئے بہت پریشان ہے وہ اسے بہت احساس ہے تمہارا، عمارہ وہ صرف اس لئے شادی سے منع کر رہا ہے کہ وہ اچھا کماتا نہیں ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ خوش نہیں رکھ سکے گا تمہیں اسی لئے ورنہ......"

"اماں! پلیز ایک دفعہ صرف ایک بار میری ماں بن کر سوچیں، صرف ایک بار میری ماں بن کر مجھ سے پوچھیں مجھ سے بات کریں۔" وہ ان کی بات کاٹتے ہوئے ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"میں تمہاری ماں ہی ہوں عمارہ، تمہیں اپنی سگی بیٹی ہی سمجھتی ہوں کیوں تم سمجھتی ہو کہ میں گوہر کی ماں بن کر سوچتی ہوں۔"

"آپ میری ماں ہیں نا، تو پلیز ایک بات میری مانیں، میں آپ کی بیٹی ہوں چاہے سگی نہ ہوں مگر بیٹی تو ہوں نا، مت مجھے بار بار کسی کے سامنے پیش کریں، مت مجھے کسی کے سامنے بار بار گرائیں چاہے وہ آپ کا سگا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، پلیز نہ کریں اس سے یہ بات بار بار، بہت تکلیف ہوتی ہے مجھے جب وہ بہانے بنا رہا ہوتا ہے اور آپ منتیں کر رہی ہوتی ہیں، آپ سمجھتی ہیں میں کچھ نہیں جانتی، کچھ نہیں سمجھتی، اماں میں اتنی بھی بے وقوف نہیں۔"

"وہ تو شادی کے لئے راضی ہے بس، کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے بیٹا۔" وہ چونک کر اس سے مخاطب ہوئیں۔

"کس کو بہلا رہی ہیں آپ، وہ راضی ہے، دیکھیں اماں، کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ فی الحال اس معاملے کو یہیں رہنے دیں۔"

"کیا اور کوئی ہے تمہاری نظر میں، تو بتا دو مجھے۔"

"کوئی نہیں ہے ایسا سوچیں بھی مت، میری شادی جب بھی ہوئی آپ لوگوں کی مرضی سے ہوگی، مگر پلیز گوہر کو مت کہیں، میں ہاتھ جوڑتی ہوں آپ کے سامنے، اماں پلیز میرے لئے سوچیں، یہ میری انا کا سوال ہے۔"

"ٹھیک ہے میں نہیں بات کروں گی، مگر وہ پھر کیوں چلا گیا۔"

"اس لئے کہ اس کا دماغ خراب ہے اور آپ بالکل اس کی منتیں نہیں کریں گی سمجھیں، سمجھتا کیا ہے وہ خود بار بار پریشان کرتا ہے سب کو۔" وہ کہتی ہوئی اٹھی تھی اس کے ذکر پر اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

"کیا میں کافی نہیں ہوں آپ کے لئے ابا تو مجھ سے پیار کرتے ہیں، مگر آپ سارا دن اسے یاد کرتی رہتی ہیں۔" وہ بچوں کی طرح شکوہ کر رہی تھی۔

"اس لئے کہ ماں کے دل میں بیٹوں کے لئے کچھ زیادہ ہی جگہ ہوتی ہے شاید میں جب جوانی میں کہیں جاتا تھا تو میری اماں کا بھی یہی حال ہوتا تھا، ماؤں بیچاریوں کو سمجھانا ذرا مشکل ہوتا ہے۔" ابا ابھی اندر آئے تھے۔

"ٹھیک کہتے ہیں آپ مگر یہ بتائیں آپ آج صبح صبح کہاں چلے تھے۔"

"پروفیسر غفور سے ملنے گیا تھا، بہت دنوں سے فون کر رہا تھا۔"

"اوہ تو کیسے ہیں وہ ابا؟"

"بہت اچھے ہیں آپ کے یہ دوست مگر ذرا عجیب بھی ہیں گوہر پر بھی ان کا اثر ہے شاید کبھی ان کا چھوڑا کھانا کھایا ہو۔"

"کہتی ٹھیک ہو، عجیب باتیں کرتا ہے بڑھاپا جو نہیں آیا اس پر، ہیٹ پہن کر کوٹ اٹھائے چھڑی گھما کر پھرتا رہتا ہے، مگر مزہ آگیا اتنے عرصے بعد اس سے مل کر۔"

"اس بار کیا عجیب داستان سنائی انہوں نے؟"

"گوہر کے بارے میں کہہ رہا تھا کہ اسے پھرنے دو، کرنے دو جو کرنا چاہتا ہے، کہہ رہا تھا اپنے کسی دوست کی شاگردی میں دینا چاہتا ہے اسے اور کوئی عجیب عجیب باتیں پتہ نہیں کیا کیا کہتا رہتا ہے، بہت باتیں تو سمجھ میں نہیں آتیں اس کی، مگر ذرہ دیر کو انسان اپنے غم بھول جاتا ہے، چلو چھوڑو یہ بتاؤ تم نے کیا

سوچا ہے اب دوبارہ جاؤ گی اسکول کیا۔" انہیں اچانک یاد آیا تھا۔

"انہوں نے میری جگہ کسی اور کو رکھ لیا ہے، کہیں اور دیکھوں گی اب جاب، سوچ رہی ہوں کل سے دیکھنا شروع کر دوں، ایک دو جگہیں میری نظر میں ہیں دعا کریں مل جائے جاب جلدی۔"

"اتنا پریشان نہ ہوا کرو بیٹا، مل جائے گی، مگر میں چاہتا ہوں تم کچھ دن گھر پر رہ لو آرام کر لو بیٹا، دوکان سے اتنا تو آجاتا ہے کہ گھر کا راشن آجائے، باقی چیزیں ہوتی رہیں گی، اتنا مت تھکاؤ خود کو۔"

"ابا بیکار بیٹھ کر بھی تو وقت ضائع ہی ہوتا ہے اور یہی وقت ہوتا ہے، محنت کا بڑھاپے انسان تھوڑا ہی اٹھ کر کام کرے گا۔"

"یہ عقل ذرا گوہر کو بھی دے دے ذرا اسے بھی احساس ہو۔"

"اس کے پاس ویسے ہی بہت زیادہ عقل ہے ابا، میری معمولی سی عقل کی اس کے پاس کوئی گنجائش نہیں ہے۔" وہ مسکرائی۔

"اس کی عقل گھاس چرنے جاتی ہے اس کی طرح، کیونکہ انسانوں کی خوراک اسے نہیں لگتی، جیسے وہ گھاس چرنے چلا جاتا ہے۔"

"گھاس چرنے کم گھاس ڈالنے زیادہ جاتا ہے، اسے پتہ پھینکنے میں مزا آتا ہے اور پھر خود ترپ چال چلتا ہے، آپ نے بھی کیا گوہر تخلیق کیا ہے ابا جی۔" وہ ہنستے ہوئے اٹھی۔

"اسی گوہر پر اس کی ماں کو بہت مان ہے۔" وہ طنزیہ ہنسے تھے۔

"تم لوگوں کا دل نہیں بھرتا میرے بیٹے کی برائیوں سے۔" وہ منہ بنا کر مصنوعی ناراضگی سے کہتے ہوئے اٹھیں اور وہ دونوں ان کی بات پر ہنس دیئے۔

☆☆☆
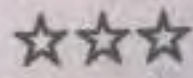
دن ذرا لمبے ہوتے جا رہے تھے مگر اس کے لئے ایک ایک گھڑی بھاری تھی وہ رات ہی گولڑہ شریف پہنچے تھے، مسافر خانے کے برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے بیٹھی وہ کن اذیت ناک سوچوں میں غرق تھی یہ صرف اسے پتہ تھا، صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام اور شام سے رات ہوئی۔

مسجد سے عشاء کی اذانیں ہو رہی تھیں اور کبیر بھائی مزار سے نکل کر مسجد جا رہے تھے، وہ دور بیٹھی ہوئی تھی اور ان کے فارغ ہو کر لوٹنے کا انتظار کر رہی تھی، جب ایک عورت اس کے قریب آ کر بیٹھی۔

"تم کہاں سے آئی ہو بہن؟ کیا مراد لے کر آئی ہو؟" اس کے لئے یہ سوال ایک لطیفہ تھا، لطیفہ بھی ایسا جس پر ہنسا جائے نہ ہی رویا جائے۔

"تو جوان لگتی ہو شادی شدہ ہو؟" وہ خاموشی سے اس عورت کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

"ٹھیک تو ہو نا، اچھا یہ بتاؤ کھانا کھایا ہے؟" وہ اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی، جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"تم کتنی سردی میں بیٹھی ہوئی ہو، نادان کہیں کی، چل میں کھانا کھلا دوں تمہیں، چل میرے ساتھ، میری بہن...... چل میری ادی، چھوٹی بہن لگ رہی ہے تو میری، صبح سے تیری طرف دل کھنچ رہا ہے، میری بہن بھی تیرے جیسی گوری چٹی لمبی تھی، بال بھی اچھے تھے، یہ لمبے، تیرے بال بھی لمبے ہیں۔" اس کے سادہ سے لہجے میں بڑی اپنائیت تھی، وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اس کے ساتھ چلنے کے لئے، وہ عورت

اسے برآمدے سے ہو کر ایک کوٹھڑی میں لے گئی، جس کے ساتھ کمرہ بند تھا، وہ دروازے کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گئیں، عورت نے تھیلے سے ایک ٹفن نکالا اور روٹی نکال کر اس کے سامنے رکھی۔

''چل کھا اب پیٹ کی بھوک مٹا، پیٹ کی بھوک جینے نہ دے، بڑی ظالم ہوتی ہے یہ پیٹ کی طلب، دل کرے کبھی، اس پیٹ کو ہی نکال دوں جس نے مجھ سے میرا بچہ دور کر دیا، شہر میں کماتا ہے میرا بیٹا، چودہ سال کا تھا جب کھیت میں ہل چلانے جاتا ابا کے ساتھ، اب چوبیس سال کا ہے مزدوری کرتا ہے، شکل دیکھنے کو ترستی ہوں، سارا فساد موئے پیٹ کا ہے۔''

''اماں اگر پیٹ نکال کر پھینکتی تو ادا اور ہم کہاں سے پیدا ہوتے۔'' چودہ پندرہ سالہ بچی تھی جو چادر میں لپٹی منہ نکال کر کہتے ہوئے کھی کھی کر کے ہنسی تھی، خود اس کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی تھی اس کی بات پر۔

''تو...... تو نہ ہی پیدا ہوتی تو اچھا تھا اب اولیاء کی دربار میں کیا کہوں تجھے کیا دعا دوں۔'' وہ بچی پر آنکھیں نکالتے ہوئے ڈپٹنے لگیں۔

''تجھے دیکھ کر مجھے میری، فریدہ یاد آ گئی، بڑی سوہنی تھی۔''

''اب کہاں ہے وہ؟'' وہ چھوٹے چھوٹے نوالے لیتی ہوئی اب آرام سے اس سے بات کر رہی تھی۔

''اگر مر گئی تو بھاگوں والی کیسے ہوتی اماں۔'' لڑکی پھر اپنی آنکھیں گھماتی بیچ میں بول پڑی۔

''تیری زبان بند ہو گی کیا ماروں دو ہاتھ۔''

''اولیاء کے مزار پر دو ہاتھ مارے گی کیا، اسی لئے لائی ہے؟ گھر پر تو سارا دن مارتی ہے۔'' وہ منہ بنا کر رخ بدل کر بیٹھ گئی ناراضگی سے۔

''اس کا نام کیا ہے؟'' وہ روٹی کھا کر اب پانی پینے لگی تھی۔

''زینب نام ہے اس کا بی بی زینب کے نام پر رکھا ہے اس کے ابے نے مگر افسوس نام کا اثر نہ آیا اس پر۔''

''مگر کہتی اماں زینو ہی ہیں نام بگاڑنے کی تو ماہر ہیں، کیسے نام کا اثر آئے گا بھلا۔'' بچی سے رہا نہ گیا۔

''اس کی زبان کو اگر تالا بھی لگا دو نہ تو بھی چلتی رہے گی، لڑکی ذات کو حد میں رہنا چاہیے مگر یہ تو، چل چپ کر اب بات کرنے دے مجھے۔''

''ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی، میری فریداں کی بات کر رہی تھی مر گئی وبچاری (بیچاری) جوان ماں تھی، کیا روگ لگا پتہ نہ چلا، اچھی بھلی تھی۔''

''شیدے سے اس کی شادی کرا رہے تھے تو روگ کیسے نہ لگتا، زہر کھا لیا تھا خالہ فریداں نے۔'' لڑکی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''چل یہاں سے چل بدبختی، باہر نکل۔'' اس نے ایک ہاتھ جڑ دیا تھا۔

''نہیں جاتی میں باہر بہت ڈر لگتا ہے مجھے مزاروں سے۔'' وہ پھر سے دبک کر کونے میں بیٹھ گئی۔

''کہا تھا نہ چل میرے ساتھ پر مری جا رہی تھی نا جیسے میں کوئی سرکس میں جا رہی ہوں جھٹ

کپڑے بدل کر آ گئی۔''

''آپ اسے مارا نہ کریں، جوان ہوتی ہوئی لڑکیوں پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے۔'' اتنی دیر میں وہ پہلی باران کے بیچ میں بولی تھی۔

''اسے بھی تو کہہ کہ ذرا زبان کو تالا لگائے، سارا دن یا تو بولتی رہتی ہے یا پھر کھاتی رہتی ہے، بھائیوں کا حصہ بھی کھا جاتی ہے۔''

''بھائیوں کا حصہ دو حصے بڑھا کر نکالتی ہیں میں تو صرف اس میں سے اپنا حصہ کھا لیتی ہوں برابر کر کے۔'' وہ بڑے فخر سے بتانے لگی۔

''دیکھا، کیسے ڈائنوں کی طرح بھائیوں پر نظر رکھتی ہے۔''

''صرف مائی پر (کھانے پر)۔'' وہ پھر چہکی۔

''یہ مجھے بولنے نہیں دے گی، کسی کے ساتھ دکھ سکھ کیا کروں ہر بار آ کر بیٹھ جاتی ہے گھٹنے سے لگ کر۔'' وہ ایک کے بعد ایک شکایت لگا رہی تھیں بچی کی۔

بچی کھی کھی کر رہی تھی اور ہر بات کا منہ توڑ جواب دے رہی تھی، وہ بڑے مطمئن سے انداز میں اس بچی کو مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی، یہ معصومیت بھی کیا بڑی نعمت ہے، جبکہ بچی گول گول آنکھیں گھما کر اسے تیز تیز انداز میں گھور رہی تھی جیسے وہ بچی کو بہت اچھی لگ رہی ہو، جیسے بچی اس میں اپنی جوانی کا عکس دیکھ رہی ہو ویسے ہی جیسے وہ بچی میں اپنا بچپن دیکھ رہی ہو۔

☆☆☆

زندگی کی رات کو صبح یقینی تھی، فنکار نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا، یہ کوئی تہہ خانہ نہیں تھا، یہ اس کا کمرہ تھا، وہ اپنے بستر پر سویا ہوا تھا اور اس کے سینے پر کوئی اضافی بوجھ نہ تھا، اس نے سکھ کا سانس لیا اور اٹھ بیٹھا کافی دیر تک بیٹھا رہا۔

''حالار...... کہاں ہو؟'' اس نے سر کھجایا۔

''یار کوئی اور ہے...... علی گوہر...... وہ تو چلا گیا، کوئی نہیں ہے، میں اکیلا ہوں، مینٹل ہسپتال اس سے بھلا ہے جہاں ایک جگہ بہت سارے لوگ تو اکٹھے رہتے ہیں اور اس پاگل خانے میں، میں اکیلا رہتا ہوں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھے۔

''نہیں اٹھو گے تو کھاؤ گے کیسے حالار کے ابا، حالار تو ہزاروں میل دور بیٹھا ہے، علی گوہر روز روز تمہیں بچانے کے لئے نہیں آئے گا نہ ہی پروفیسر غفور آڑو لے کر حاضر ہو جائے گا، ہر دن معجزہ نہیں ہوتا، فنکار حالار کے ابے کو ڈانٹ رہا تھا، اٹھو اور انسان بنو۔'' وہ سر تھام کر اٹھا بستر لپیٹا، منہ ہاتھ دھوئے پانی پیا، غرارے کئے گرم پانی کے اور چائے بنانے کچن میں آیا، چائے کا کپ آدھے گھنٹے کی ریاضت کے بعد تیار ہو ہی گیا تھا، پھر کپ لے کر باہر آیا تو فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

''کہو حالار کیسے ہو ابا کی جان۔'' لہجہ ہشاش بشاش کیا۔

''حالار کی جان میرا ابا کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے، جینے کی کوشش کر رہا ہے، اکیلے جینے کی۔''

''بابا! زخم ٹھیک ہے اب۔'' وہ بلاشبہ فکر مند تھا۔

"حالار کس کس زخم کا پوچھتے ہو مجھ سے۔" چائے کا سپ لیتے ہوئے سرد آہ بھری۔

"وہ دن کب آئے گا جب میں سنوں گا کہ حالار کا ابا آج بہت خوش ہے، اسے کوئی غم نہیں نہ ہی زخم ہے، وہ بہت خوش ہے، اس کی خوشی کی حد نہیں، مجھے بڑی بے قراری سے اس روز کا انتظار ہے بابا۔"

"وہ دن میری موت کا دن ہوگا دعا کرو جلدی آجائے تاکہ تمہاری بھی جان چھوٹے، کوئی نہیں ہوگا اس کے بعد جو تمہیں تنگ کرے گا جسے فون کرنے کا سوچ کر تم ہلکان ہوتے ہو، دعا کرو حالار۔" چائے کی پتی تیز ہوگئی تھی سینے میں کچھ جلن سی محسوس ہو رہی تھی انہوں نے چائے کا آدھا کپ میز پر رکھ دیا کہتے ہوئے۔

"ہر بات سن لیتا ہوں چپ کر کے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کے منہ میں جو آئے سو کہہ دیں، بہت برا لگا مجھے یہ سب، کچھ کرنا پڑے گا مجھے اب۔"

"حالار چٹکلے مت چھوڑو بہت ہوگیا اب ایک بھی بہلاوہ نہیں چلے گا۔"

"دل کر رہا ہے سارا کچھ چھوڑ چھاڑ کر آجاؤں یہاں پر، آرہا ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے سارا ملبہ مجھ پر گرانے کی، پھر کہو گے آپ کی خاطر سب ادھورا چھوڑ دیا، مکمل کرو اپنا کام اور پھر آنا یہاں۔"

"مگر جب تک آپ...... اچھا میں نے کچھ سوچا ہے، میری بات سنیں۔" وہ پھر بولا۔

"کہہ جو دیا کہ کوئی بہلاوہ نہیں پھر بھی۔"

"بابا سن تو لیں آپ، ایک اچھا سا لیپ ٹاپ یا سیل فون خرید لیں، جس کے ذریعے میں اور آپ اسکائپ پر بات کر سکیں، میں دیکھنا چاہتا ہوں آپ کو۔"

"کیوں میں کوئی تمہاری پیار محبوبہ ہوں جسے دیکھ کر تم تسلی کرنا چاہتے ہو۔"

"بابا پلیز میں سنجیدہ ہوں اور آپ کے نخرے کسی پیار محبوبہ سے کم تو نہیں ہیں۔"

"دیکھا جائے تو یہ بھی ٹھیک ہے، حالار میرا مذاق اڑاتے ہوئے تمہیں ذرا شرم نہیں آتی، اب یہ مت کہنا کہ آپ کا بیٹا ہوں شرم کیسے آئے گی۔"

"بابا میں بھیج دیتا ہوں آپ کو ٹیبلٹ او کے، پھر روز بات کریں گے ایک دوسرے کو دیکھ کر۔"

"ہاں اور دیکھ دیکھ کر جئیں گے۔" فنکار کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"بابا تھرڈ کلاس فلموں کے ڈائیلاگ مت مارا کریں۔"

"میں بھیجوں یا آپ خرید رہے ہیں بتائیں مجھے۔"

"مجھے نہیں پتہ چلے گا، چل میں دیکھ لوں گا کسی سے پوچھ لوں گا، بس یا کچھ اور۔"

"اور یہ ہے کہ میں آپ کے لئے کسی ملازم کا بندوبست کرتا ہوں، پروفیسر صاحب سے کہہ کر، میں چاہتا ہوں کوئی رہے آپ کے ساتھ۔"

"میں کسی ریاست کا شہزادہ ہوں جو تو میرے ملازمین دیکھ رہا ہے؟"

"ریاست کا نہ سہی شہزادے تو آپ بلاشبہ ہیں، سمجھیں میں آپ کے لئے کوئی ساتھی ڈھونڈتا ہوں جو آپ کے لئے کھانا پکائے آپ کا خیال رکھے آپ سے باتیں کرے، آپ کا دل بہلائے۔"

"یہ ملازم ہوگا یا بیوی۔" وہ چونک گئے۔

"آپ کو بیوی چاہیے۔" وہ ہنس پڑا۔

"نہیں ملازم ٹھیک ہے، میری طرح بڈھا نہ ہو، نوجوان ہو۔"

"ملازم کا کہہ رہے ہیں آپ۔"

"حالار سدھر جا، ایسی ملازمہ کی ضرورت مجھ سے زیادہ تو تمہیں ہے میرے یار۔"

"میں تو کبھی اچانک آپ کو کہوں گا ابا جی میں لڑکی بھگا لایا، یا پھر نکاح کر آیا، ایسی شادی چاہتے ہیں نا آپ۔"

"یار تم بس شادی کر لو، راضی تو ہو جاؤ، یہ میری پھر شاید تم سے آخری خواہش ہو۔"

"آٹھ ماہ بعد آؤں گا تو سوچیں گے پھر، فی الحال آپ کے لئے کچھ کر لوں، کبھی تہہ خانے میں پھنس جاتے ہیں کبھی کہیں تو کہیں، بہت پریشان ہو جاتا ہوں میں کال وقت پر اٹھا لیا کریں۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے، رکھتا ہوں بہت پیسے ہو گئے تمہارے، بچا کر رکھو اگلے دن کے لئے، پھر بات کریں گے۔" کہتے ہوئے فون رکھ دیا اور آپ ہی آپ مسکرا دیئے حالار کو تصور میں دولہا بنا دیکھ کر۔

"فنکار تیری خواہش بھی عام انسانوں جیسی ہوتی جا رہی ہیں، سدھر جا، ابھی مرنا بھی تو ہے۔" سر جھٹک کر چائے کا کپ اٹھایا، جو ٹھنڈے پانی میں بدل چکی تھی، بے دلی سے گھونٹ بھرا اور برا سا منہ بنا کر کچن کی راہ لی، فی الحال تو ملازم بھی خود اور خاتون خانہ بھی خود بنا تھا۔

☆☆☆

"آج ہمیں یہاں تیسری رات ہے آپ کو کچھ احساس ہے۔" وہ بگڑی ہوئی بیٹھی تھی۔

"آج ہمیں یہاں تیسری رات ہے اور تم ایک دفعہ بھی میرے ساتھ مزار پہ نہیں گئیں، میں نے تمہیں مسجد جانے کا تو نہیں کہا تھا۔"

"معذرت کے ساتھ میں ان کی عقیدت مند نہیں ہوں اور نہ ہی قبروں کے پاس جا کہ مجھے سکون ملتا ہے۔"

"پھر تمہیں کہاں جا کے سکون ملتا ہے؟"

"کہیں بھی نہیں ہے سکون، آپ چلیں یہاں سے، مجھے اب گھبراہٹ ہوتی ہے، آپ نے کہا تھا تیسری رات میں نکل پڑیں گے۔"

"ہاں میں ان سے اجازت لے کر آیا ہوں اور چلتے ہی ہیں میں چاہ رہا تھا کہ تم بھی ایک مرتبہ چل کر سلام کر آتیں، مگر تمہاری مرضی۔"

"آپ کو چلنا ہے یا میں خود چلی جاؤں یہاں سے پھر۔"

"کہاں جاؤ گی؟" وہ اس کے بگڑے ہوئے انداز پر مسکرائے۔

"یہی تو مسئلہ ہے، جس کا آپ فائدہ اٹھا رہے ہیں بری طرح۔"

"چلو چلتے ہیں غصہ مت کرو، آج شاید تم بہت بور ہوئی ہو، کل تو میں انتظار کرتا رہا مگر تم کسی خاتون کے ساتھ بہت خوش تھیں۔"

"ہاں وہ عجیب سادہ خاتون تھیں، بہت اچھی اس کی بیٹی مجھے بہت اچھی لگی تھی۔" وہ ان کے ساتھ برآمدے سے ہو کر کوٹھی سے گزر کر باہر آئی تھی۔

ایک دفعہ کبیر بھائی نے مڑ کر دیکھا تھا بہت محبت سے، اندھیرے میں بھی اس کی عقیدت بھری آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"کیا دیکھ رہے ہیں۔" وہ بھی رک کر دیکھنے لگی۔

"وہ جو تمہیں نظر نہیں آتا۔"

"آپ نے دیکھ لیا؟"

"کوشش کی ہے دیکھنے کی، کچھ کچھ دیکھ پایا ہوں۔"

"یہ بتائیں وہ کام ہوا جس کی خاطر آئے تھے۔"

"عین یقین ہے کہ ہو جائے گا اور امید بھی۔"

"میرا کیا کریں گے، کسی نہر میں پھینک دیں گے یا پھر......"

"جہاں سے نکالا تھا وہاں کیسے پھینکوں گا، پھینکنا ہوتا تو کیسے نکالتا۔"

"نکالا کیوں تھا یہ بتائیں؟" اس کا لہجہ تیکھا تھا۔

"تمہیں آخر غصہ کس پر ہے؟ خود کے زندہ بچ جانے پر یا میرے نکالنے پر۔"

"دونوں پر۔" وہ کافی فاصلے پر آ گئے تھے باہر ٹھنڈ تھی کچھ۔

"دونوں پر نا جائز اور غلط ہے۔" مسکراہٹ مدھم پڑی تھی۔

"ٹھیک ہے غلط ہی سہی، یہ بتائیں اب میرا کیا کریں گے، مجھے کہاں پہنچانا ہے۔"

"تم ان کے پاس واپس جانا چاہتی ہو؟"

"آپ اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں جو کہ مشکل ہے، ان سب کے لئے میں مر چکی ہوں، وہاں میری کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"تم کیوں فکر کرتی ہو مریم، اللہ کسی کو تنہا نہیں چھوڑتا۔"

"جب تک میرا بندوبست ہوگا کچھ نہ کچھ ہو جائے گا، یہ بتاؤ وہ لڑکا کیسا تھا؟"

"کون لڑکا؟"

"گوہر کی بات کر رہا ہوں، کیسا لگا وہ تمہیں۔"

"بہت اچھا لڑکا ہے، مگر اس کی ایک فیملی ہے پلیز کوئی غیر ضروری بات نہ کیجئے گا۔" وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا پوچھنا چاہ رہے ہیں۔

"اتنی دیر سے غیر ضروری ہی تو بول رہا ہوں۔" راستے میں ایک جگہ وہ رکے تھے فاتحہ پڑھی، پھر چلے۔

"آتے ہوئے بتایا تھا کہ یہ مزار کسی ہندو کا ہے ابھی آپ یہاں فاتحہ پڑھ رہے ہیں؟"

"کچھ کہتے ہیں ہندو کچھ کہتے ہیں مسلم تھا، جو بھی تھا، پر میں نے فاتحہ دے کر گناہ نہیں کیا۔"

"یہ بتائیں آپ کیا ہیں؟"

"میں ایک حسرتوں کا مارا ہوا بے بس انسان ہوں۔"

"جھوٹ مت بولیں۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں مریم بیٹی۔" پہلی بار انہوں نے اسے بیٹی کہا تھا۔

"آپ مجھ سے چھپاتے ہیں، میں نے ایک مرتبہ آپ کو غائب ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"کیا...... دیکھا تھا تم نے؟"

"ہاں میں جھوٹ نہیں بول رہی، میں نے آپ کو ایک بار غائب ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔" وہ پریشانی سے اسے دیکھنے لگے۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی امر کلہ۔" وہ بے ساختہ کہہ گئے۔

"آپ میرا اصلی نام جانتے ہیں؟ کیسے؟" وہ حیرت زدہ تھی۔

"نہیں منہ سے نکل گیا اندازہ تھا کیا واقعی یہی تمہارا اصل نام ہے۔" وہ دنگ رہ گئی۔

"آپ کیا کر رہے ہیں میرے ساتھ، کیا گیم کھیل رہے ہیں بتاتے کیوں نہیں آپ کیا ہیں، کہاں سے آئے ہیں کیسے مجھے بچایا آپ نے، وہاں کوئی نہیں تھا جب میں نے خودکشی کی تھی، وہاں کوئی نہیں تھا، آپ کیسے آئے کہاں سے آئے؟"

"میں دور کھڑا تھا، تمہیں دیکھ رہا تھا تم نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔"

"بس کر دیں کبیر بھائی! مجھ میں اور راز رکھنے کی ہمت نہیں، آپ میری امانت واپس کریں جو لے گئے تھے۔"

"کون سی امانت؟" وہ انجان بن گئے۔

"وہ راز جو ایک چٹ میں بند تھا، جس کو جاننے کی علی گوہر کو بہت خواہش تھی۔"

"تمہیں کیسے پتہ کہ وہ چٹ میرے پاس تھی۔"

"خدا کے لئے بچوں جیسے سوال مت کریں کبیر بھائی۔"

"تمہیں پتہ ہے وہ راز کیا ہے؟"

"نہیں پتہ اور جاننا بھی نہیں ہے مجھے آپ بس وہ چٹ مجھے دیں۔"

"تمہیں کیا کرنا ہے اس کا اور دی کس نے تھی تمہیں وہ چٹ۔"

"میری ایک مسلمان دوست نے، مگر اس نے روکا تھا کہ میں یہ راز کسی کو نہ دوں، آپ کو پتہ ہے میں اسے تکیے کے نیچے رکھ کر سوتی تھی، اب مجھے بہت ڈر در ہنے لگا ہے مجھے وہ لوٹا دیں۔"

"تم ایک بار یہاں آؤ گی، دعا مانگو گی، معافی مانگو گی، تم مجھے بھی بہت ڈھونڈو گی، مگر سنو وہ لڑکا تمہیں بہت ڈھونڈے گا، وہ لڑکا تمہارے لئے سنجیدہ ہے۔" وہ نہ جانے کیسی عجیب سی سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کرتے تھے۔

"مجھے بتائیں مت کچھ بھی۔" وہ چیخنے لگی باقاعدہ۔

"کیونکہ تم پہلے ہی بہت کچھ جانتی ہو۔" وہ پھر سے مسکرائے تھے۔

"ایک مرتبہ پھر جھوٹ۔" وہ بے بسی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"جو کہ میں کم بولتا ہوں۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ)

صائمہ حجاب

ماورا نے جونہی گھر کے لاؤنج میں قدم رکھا تو چائے پیتی ماما کی نظر بے اختیار اس کی طرف اٹھی۔

''اتنی جلدی آ گئی تم، انعم سے ملاقات نہیں ہوئی کیا؟'' ماما نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے مسکرا کر استفسار کیا مگر اگلے ہی لمحے حیران رہ گئیں۔

ماورا کا سر ماما کی گود میں تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی اک برسات رواں تھی۔

''ماورا کیا ہوا؟'' ماما پریشان ہوئیں۔

''ماما میں ٹوٹ گئی، ماما آپ کی بیٹی آج ٹوٹ گئی، بہت بری طرح۔'' رندھی آواز میں کہا گیا جملہ ماما کے دل پر لگا۔

''ماورا میری جان ہوا کیا، اسماعیل نے کچھ کہا کیا؟'' انہوں نے اس کا صبیح چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا، آنسوؤں سے تر چہرہ، ان کا دل بھر آیا تھا، یکا یک اس کے آنسو ان کے تکلیف کا باعث بن گئے تھے۔

''یہی تو افسوس ہے اس نے کچھ کہا نہیں، کاش ماما وہ کچھ کہتا کاش وہ میری گواہی دیتا، میرے حق میں بولتا، مگر وہ خاموش تھا، آنٹی ہی بولتی رہیں، میرے تو لب ہی سل گئے تھے، اس لمحے اسماعیل مجھے خود سے صدیوں کے فاصلے پر لگا تھا، جب آنٹی نے......'' وہ بات مکمل کیے بنا پھر سے رو دی۔

''ماورا کچھ بتاؤ تو۔'' انہوں نے اس کے آنسو اپنے پوروں میں سمیٹے۔

''ماما! کیا وہ شخص آپ کو دھوکا دے سکتا ہے جو ہر موڑ پہ آپ کا ساتھی ہو۔'' روتے ہوئے اس نے سوالیہ نظریں ماما پہ ٹکا دیں، بچوں کی طرح روتی، ضبط کا دامن چھوڑتی ماورا آج انہیں کسی طرح بھی ایم ایس ای کی اسٹوڈنٹ نہیں لگی تھی۔

وہ تو کسی معصوم بچی کی طرح لگ رہی تھی جو اپنے کھلونے کے کھو جانے اپنی گڑیا کے ٹوٹ جانے پہ آنسو بہاتی ہو مگر آج اپنی گڑیا نہیں بلکہ ماما کی گڑیا ٹوٹنے کے بعد رو رہی تھی۔

ماما کو یاد تھا کہ بچپن میں جب اس کی گڑیا کی شادی تھی مگر اس کی دوست کسی وجہ سے بارات نہیں لا سکی تو وہ کتنے دن روتی رہی تھی، وہ بہت زیادہ حساس تھی۔

آج وہ اپنے لئے رو رہی تھی ماما کو لگا وہ اسے سنبھال نہیں سکیں گی، کیونکہ وہ تو اس شخص کی وجہ سے رو رہی تھی جس نے ہر موڑ پہ اس کی محبت کا دعویٰ کیا تھا۔

''بتائیں نا ماما۔'' اس نے سر دوبارہ ماما کی آغوش میں گرا دیا، آنسو ابھی بھی بہے جا رہے تھے۔

''ہر انسان دھوکہ دے سکتا ہے چاہے وہ آپ کوئی جاننے والا ہو، یا انجان اور بعض اوقات تو دھوکہ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی اور اس دھوکے کے باعث انسان اکثر اوقات ٹوٹتا ہی نہیں بلکہ بکھر بھی جاتا ہے اور پھر وہ کبھی کسی پہ اعتبار بھی نہیں کر پاتا، لیکن تم بتاؤ تو آخر ہوا کیا؟

نیلی نے تمہیں کیا اور کیوں کہا؟'' ماما نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے محبت سے پچکارا تو اس نے خود کو کچھ کہنے کے قابل کیا، گہری سانس لی اور اٹھ کر ماما کے برابر صوفے پر بیٹھ گئی۔
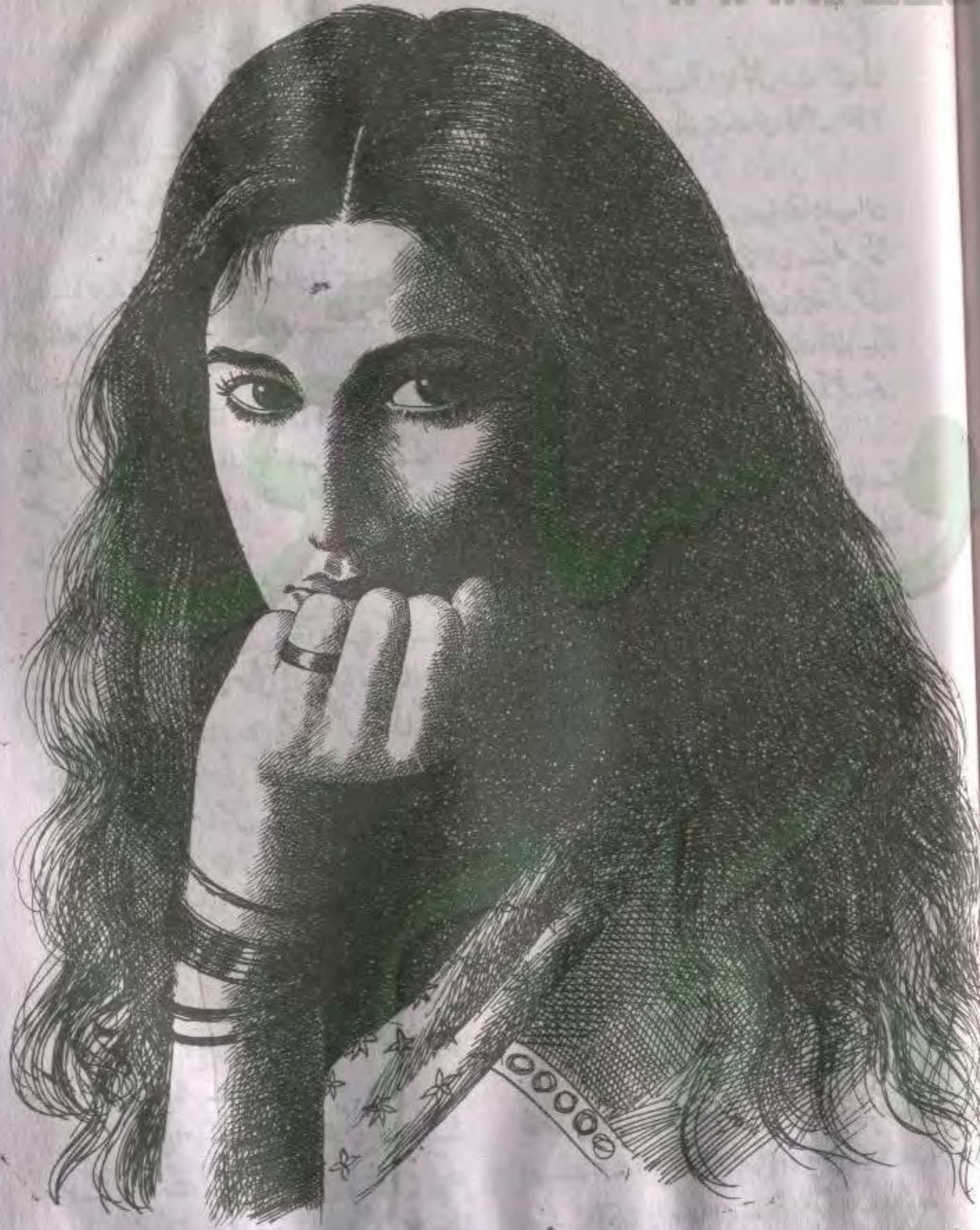
''ماما! میں نے تو کبھی کسی کے لئے دل میں بغض نہیں رکھا، کبھی کسی کو دھوکہ دیا نہ ہی فلرٹ کرنے کا سوچا، ماما میری نیچر میں ہی یہ بات شامل نہیں تو پھر کیوں نیلی آنٹی نے کہا میں فلرٹی ہوں نوشی کی طرح۔'' ماما کے چہرے کا رنگ اچانک متغیر ہوا۔

"نوشی کی طرح۔" وہ مزید پریشان ہوئیں۔

"آخر نیلی نے ایسا کیوں کہا، اس کی نظر میں نوشی ابھی تک غلط ہے۔"

"ماورا بچے پلیز مجھے ساری بات تفصیل سے بتاؤ ورنہ میرا دل تمہارے ان آنسوؤں کی وجہ سے پھٹ جائے گا۔" ماما زور دے کر بولیں تو اس نے خود کو کمپوز کیا۔

"ماما پہلے آپ بتائیں نوشی کا کریکٹر کیسا تھا، کیوں مجھے نوشی سے ملایا جارہا ہے۔" اس کے معصوم لہجے میں تکلیف اور التجا کا عنصر شامل تھا، ماما کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

☆☆☆

ماورا مریل قدموں سے چلتی اپنے کمرے میں داخل ہوئی، کمرہ خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا، وہ اس قدر پژمردگی سے روم میں داخل ہوئی کہ وہاں پھیلی چہار سو خاموشی میں قطعی خلل نہیں پڑا۔

"ماورا کبھی اسماعیل سے وفا نہ ملے تو میری جانب ضرور دیکھنا، تکاثر ہمیشہ تمہارا منتظر رہے گا۔" یونیورسٹی فیلو تکاثر کے کہے گئے الفاظ اس کی نظروں کے سامنے آنے لگا۔

"ماورا! مجھے آج کل تمہارے بنا کچھ بھائی نہیں دیتا۔" اسماعیل کی آواز کی بازگشت سنائی دی، اس کا زخم پھر سے ہرا ہوا۔

"کاش اسماعیل تم میری زندگی میں نہ آئے ہوتے تو نہ مجھے نوشی کے کریکٹر کی بنیاد پر پرکھا جاتا، نہ میں اپنی نظروں میں گرتی۔" وہ بیڈ پہ بیٹھی ماضی کی یادوں میں غلطاں و پیچاں تھی، اس کی سوچوں کے ساتھ ساتھ کمرے کی خاموشی میں خلل پڑا، ہاتھ میں تھاما سیل زور شور سے بج اٹھا، اس نے اسکرین پر نظریں جمادیں، کئی لمحے یونہی بیت گئے، وہ کچھ کھوج رہی تھی یا شاید کچھ سوچ رہی تھی۔

اسی سیل کی وجہ سے تو اسماعیل نے اس کی زندگی میں ایک نمایاں بلکہ بہت ہی خاص مقام حاصل کیا تھا۔

اسے وہ منظر بہت اچھے سے یاد تھا جب ان کے گھر گیٹ ٹو گیدر تھا، تمام کزنز ان کے گھر جمع تھے وہ کافی دیر اس کے کمرے میں بیٹھ کر خوش گپیوں میں مصروف رہے، تقریباً رات دس بجے سب واپس جا چکے تھے، سب سے آخر میں اسماعیل کی فیملی نکلی تھی۔

ماورا سخت تھک چکی تھی سو سب کے جاتے ہی اس نے چہرے کے گرد لپٹے اسکارف کی پن کھولی، وہ ہمیشہ حجاب میں رہتی تھی اور اپنے لمبے گھنے بالوں کو کیچ ہیئر اور اسکارف کی قید سے آزاد کرتے ہوئے ہوا میں لہرایا اور کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی، وہ دور پھیلی روشنیوں کو دیکھنے میں محو ہوگئی، اسے روشنیاں، چمکدار اور شوخ چیزیں پسند تھیں مگر وہ ان کا اظہار نہیں کرتی تھی، نہ ہی ان کو پانے کی طلب کرتی اور نہ ہی یہ سمجھتی تھی کہ ہر پسند چیز کو حاصل کرلیا جائے۔

وہ اپنی زندگی سے بہت خوش تھی، اس نے تو کبھی ان روشنیوں کی بھی خواہش نہیں کی تھی، اس نے کبھی کسی چیز کو حاصل کر کے اپنی مٹھی میں قید کرنا نہیں چاہا، قناعت پسندی اس کی ذات کا خاصہ کیسے تھی وہ خود بھی انجان تھی لوڈشیڈنگ کی وجہ سے بہت دور تک اندھیرا ہوا، لیکن کچھ جگہوں پہ یو پی ایس یا کچھ دوسرے ذرائع سے دوبارہ روشنی ہوئی تھی، جن میں اس کا اپنا کمرہ بھی شامل تھا۔

ایک دم ہی سے اسے اپنے کمرے میں کسی دوسرے وجود کی موجودگی کا احساس ہوا، بیشتر کہ وہ دروازے میں ایستادہ شخص کو دیکھتی، اسے اپنی

بے پردگی کا شدت سے احساس ہوا، لمحے کے ہزارویں حصے اس نے قریب صوفہ پر پڑے اپنے دوپٹے کو اپنی گرفت میں لینا چاہا، مگر جلد بازی میں اس کا پاؤں مڑ گیا تھا اور وہ کیسے توازن کھو گئی اسے خود بھی سمجھ نہیں آسکی، بس اگلے ہی لمحے اسے کسی کے سہارا دے کر اٹھانے کا احساس ہوا تو وہ گویا کرنٹ کھا کر ہٹی، اسے خود سے بہت حیا آ رہی تھی، جھٹ سے دوپٹہ اپنے گرد لپیٹا، وہ اس سوال کو یکسر بھول گئی تھی کہ اسماعیل کی اس کے کمرے میں یوں اچانک موجودگی کا مقصد کیا تھا، اسے تو بس اپنی بے پردگی کا اس قدر احساس تھا کہ وہ خود ہی کسی مجرم کی طرح سر جھکائے تھی۔

"ایکسٹریملی سوری، میں پوچھے بنا تمہارے کمرے میں آ گیا، ایکچولی میرا سیل فون ادھر رہ گیا تھا۔" وہ وضاحت پیش کررہا تھا۔

"جی!" وہ ہونق نظروں سے اس کو دیکھ رہی تھی، اسماعیل نے کارنر ٹیبل سے اپنا سیل فون اٹھایا، جبکہ وہ ہنوز اسی انداز میں اسے موبائل اٹھاتے باہر جاتے دیکھتی رہی۔

اچانک اسماعیل نے پلٹ کر دیکھا، اس کے لب بے ساختہ مسکرائے، یونہی مسکراہٹ سجائے جہاں وہ دہلیز اپنے عقب میں چھوڑ گیا تھا وہیں ماورا کو کسی عمیق سوچ میں غرق کر گیا۔

"وہ مسکرایا کیوں؟" وہ لاشعوری طور پر اس سوال کو کئی دن سوچتی رہی۔

تقریباً ایک ہفتے بعد جہاں اسے سوال کا جواب ملا تھا وہیں وہ حیران رہ گئی۔

"ماورا آج کل تمہارے بنا کچھ بھائی نہیں دیتا نا جانے کیوں تم بہت یاد آتی ہو، کیا تم بتا سکتی ہو یہ کیا ہے، ایسا کیوں ہو رہا ہے؟" اس کا دل بہت بری طرح دھڑکا تھا، لیکن اس نے آئے گئے ٹیکسٹ کو اگنور کیا تھا اور کوئی جواب نہیں دیا، مگر یہ سلسلہ یہیں منقطع نہیں ہوا، اب ہر دوسرے روز اسماعیل کے میسجز موصول ہونے لگے مگر اس نے دل میں کوئی ایسی ویسی بات نہیں آنے دی، بلکہ ان میسجز کو جتنا نظر انداز کرسکتی تھی، کرتی رہی، لیکن چند دن بعد جب اس نے ایم ایس سی میں ایڈمیشن لیا تو وہ یونیورسٹی میں اس کے پہلے روز ہی اس کے روبرو آ پہنچا، اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے وہ مسکرا دیا تھا۔

"اب ہم یونیورسٹی فیلوز بن چکے ہیں، سو اگر کبھی بھی میری ضرورت پیش آئے تو بلاجھجک مجھے کہہ دینا۔" وہ محبت لٹاتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ مکمل نقاب میں تھی اور وہ اس کے تاثرات دیکھنے سے قاصر تھا، اگر دیکھ لیتا تو یقیناً یہیں سے پلٹ جاتا۔

"اوکے۔" وہ اس سے نظریں ملانے سے گریز کررہی تھی۔

"ماورا میرے سوال کا جواب تم نے ابھی تک نہیں دیا۔" ماورا کا دل یکلخت دھڑکا، مگر اس نے اپنی کیفیت ظاہر ہونے نہیں دی۔

"اسماعیل پلیز ڈونٹ مائنڈ میں یہاں پڑھنے آئی ہوں، میرے والدین مجھ پہ بہت بھروسہ کرتے ہیں، لہٰذا بہتر ہوگا ہم ان سوال و جواب کا سلسلہ نہ ہی شروع کریں تو......" اس نے بہت دھیرے سے کہا اور یہی الفاظ قریب سے گزرتے تکاثر کی سماعتوں سے ٹکرائے اس نے ذرا رک کر اسماعیل کو دیکھا، جس کی آنکھوں میں ماورا کے لئے کچھ خاص تھا، ایک پل میں ہی وہ مطلوبہ سوال سمجھ گیا، وہ مسکرایا، ماورا کی ہنی براؤن آنکھیں تھیں ہی اس قابل کہ اسے چاہا جائے۔

"لیکن میں پھر بھی جواب کا منتظر رہوں گا، کبھی نہ کبھی تو ملے گا ہی نا۔" وہ بھرپور مسکرایا،

ماورا نے محض آہستگی سے سر ہلا دیا، لیکن اسماعیل کی مسکراہٹ میں کچھ تو ایسا تھا کہ وہ کسی ڈور کی طرح اس کی اوڑھ بڑھتی چلی گئی۔

"آؤ کیفے ٹیریا چلتے ہیں۔"

"نہیں میں ناشتہ کر کے آئی تھی۔"

"ہوں تو میرے ساتھ ہی بیٹھ جانا، مجھے کمپنی ہی دے دو نا۔" وہ لفظوں کے جال بننے میں ماہر تھا۔

اور پھر ایسے کئی جملے اور منظر نگاشر سنتا اور دیکھتا رہا، پہلے پہل تو ماورا انکار کر دیتی مگر اب وہ زیادہ تر اسی کے ساتھ ہوتی، وہ شاید اس کی عادی ہو گئی تھی، یا وہ بھی جذباتی طور پر اس سے وابستہ ہو چکی تھی، کم از کم نگاشر نے تو یہی اندازہ لگایا تھا، لیکن نگاشر کا اپنا دل اس سے بغاوت کر چکا تھا ماورا کی سادگی اور سندر آنکھیں اس کے دل میں گھر کر گئی تھیں وہ دل و جان سے اسے چاہنے لگا تھا، اس نے کبھی ماورا کا چہرہ نہیں دیکھا تھا مگر جو اس نے دیکھا تھا وہ شاید کسی اور نے نہیں دیکھا اور یہ بات ماورا سے پوشیدہ نہیں تھی، اس کی بہترین دوست نائلہ نے خود اسے نگاشر کی فیلنگز سے آگاہ کیا تھا، مگر اس نے کوئی رسپانس نہیں دیا اور وہ دینا بھی نہیں چاہتی تھی وہ ہر بات نظر انداز کیے رکھی۔

☆☆☆

"آپ کا Contact number میرے پاس بہت دیر سے تھا مگر میں رابطہ کر کے آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن اب جبکہ ایک سال گزر چکا ہے میں یہ ضرور کہوں گا اسماعیل سے وفا نہ ملے تو میری جانب ضرور دیکھنا نگاشر ہمیشہ تمہارا منتظر رہے گا۔"

ایک سال گویا پر لگا کر گزر گیا تھا، دو دن پہلے نگاشر اور اسماعیل اپنی تعلیم مکمل ہونے کے باعث یونیورسٹی سے جا چکے تھے، جب نگاشر نے ماورا کو پیغام بھیجا۔

سو اس نے نظر انداز کرتے ہوئے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

☆☆☆

وقت کا کام ہوتا ہے گزرنا سست روی سے گزرے یا جلدی، گزرنے والے کو گزر جانا ہی ہوتا ہے، اسی طرح اس بات کو چھ ماہ گزر چکے تھے اب ماورا اور اسماعیل ہر روز نہیں ملتے تھے، نہ ہی نگاشر ماورا کو دیکھنے کی خاطر اس کے ڈیپارٹمنٹ آتا تھا، لیکن اکثر اسماعیل ماورا کے ہاں آ جاتا تھا، مگر اس روز ماورا خود ڈرائیور کے ساتھ اسماعیل کے گھر گئی، اسماعیل کی جڑواں بہنیں انعم سے اس کی خوب دوستی تھی، سو اسماعیل سے ملنے کے لئے انعم کا بہانہ موزوں تھا، مگر ماما سب سمجھتی تھی اسی لئے جب وہ گھر سے نکلنے لگی تو ماما نے ذو معنی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ اعتراف میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا دی۔

"او کے بیٹا مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر خیال رکھنا عورت اس سفید دوپٹے کی مانند ہے جس پہ گر کوئی داغ لگ جائے تو جتنا مرضی دھو لو دھبہ نہیں جاتا۔" اس نے فوراً مسکرا کر بات کاٹ دی۔

"ڈونٹ وری ماما جان میں جانتی ہوں۔"

ماما مسکرا دی۔

"آپ میرے لئے دعا کیجئے گا۔" اس نے بانہیں ماما کے گرد حمائل کیں۔

"خوش رہو۔" انہوں نے خوش دلی سے اسے رخصت کیا مگر جب وہ گھر لوٹی تو گویا تمام جہاں کی تھکاوٹ اپنے اندر سموئے تھی۔

اندر کہیں درد شدت اختیار کرنے لگا تھا، حال میں لوٹتے ہوئے، اس نے بجتا سیل دیکھا اور وہیں رکھ دیا، وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی اور جس کی کال تھی اس سے شکوہ کرنے کا فائدہ ہی نہیں تھا، وہ بیڈ پہ آڑی ترچھی لیٹی، خاموشی سے دیکھتی جا رہی تھی، حتیٰ کہ وہیں لیٹے لیٹے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی، کافی دیر بعد آنکھ کھلی تو مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں، اس نے فوراً سر دوپٹے سے ڈھانپا اور وضو کرنے چل دی وہ اب قدرے نارمل تھی۔

نماز پڑھ کر لوٹی تو سیل کی اسکرین روشن پا کر سیل اٹھا لیا، کچھ مسڈ کالز اور اسماعیل کا ایک میسج اس کا منتظر تھا۔

"میں چند دنوں تک لندن جا رہا ہوں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لئے، فی امان اللہ۔" وہ اسے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں سکی، آنکھوں میں جلن سی ہونے لگی تھی سو اس نے سختی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں، اگلے ہی لمحے پیغام سمیت اس کا نمبر بھی موبائل سے ختم کر دیا۔

☆☆☆

گھر میں داخل ہونے کے بعد نیلی آنٹی کو سلام کرنے کی خاطر اس نے قدم ان کے کمرے کی طرف بڑھا دیئے مگر کمرے کے قریب پہنچ کر اندر سے آتی آواز نے اس کے قدموں کو وہیں ساکت کر دیا، اس بات نے اس کی ذات کے یوں پرخچے اڑائے کہ اسے خبر بھی نہ ہو سکی، اندر سے سنائی دینے والے الفاظ ایٹم بم تھے، جو اس کے نازک دل پر گرے تھے اور پھینکنے والا کوئی غیر نہیں بلکہ اس کے اپنے تھے۔

"تم ماورا سے شادی کرنا چاہتے ہو، تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا۔"

"جی ماما، وہ بہت اچھی لڑکی ہے، ہر وقت حجاب میں رہتی ہے اور یونیورسٹی میں عبایا لیتی ہے۔"

"اسماعیل، ماورا نوشی کی بیٹی ہے اور نوشی نے ساری جوانی دوستیاں کرنے میں گزاری ہے اور اس ماورا کو تم معصوم سمجھتے ہو، یہ سب نقاب حجاب دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے کے طریقے ہیں، بہت شاطر لڑکی ہے، حجاب اور نقاب جمائے نا جانے کیا کیا گل کھلاتی ہو گی، اسماعیل وہ یونیورسٹی میں لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہے اور تو اور محترمہ کے پاس ذاتی موبائل بھی ہے، خدا جانے کس کس سے باتیں کرتی ہو، تم نوشی کے چال چلن سے واقف نہیں ہو میرے بیٹے اور بیٹی تو ماں کا پرتو ہوتی ہے اور تو اور ایک دو دفعہ نوشی کی حرکتوں کی وجہ سے بات طلاق تک بھی جا پہنچی تھی۔"

"خیر میری ایک بات دھیان سے سن لو، تم ماورا سے رابطہ رکھنا چاہتے ہو تو رکھو مگر شادی کی بات ذہن سے نکال دو اور ویسے بھی مجھے نہیں لگتا وہ بھی تم سے شادی کے لئے تیار ہو، نا جانے کس کس کو آس لگائے بیٹھی ہو، سو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے جس طرح نورا اور رانیہ سے دوستی رکھی ویسے ہی ماورا تک محدود رہو، کوئی ضرورت نہیں اتنا آگے جانے کی، ایسی لڑکیاں صرف دل لگی کے لئے ہوا کرتی ہیں، دل کی سلطنت پہ راج کرنے کے لئے نہیں۔"

"ایسی لڑکیاں...... کیسی لڑکیاں؟" اس کا دل بری طرح رو رہا تھا۔

کرچی کرچی کرتے ہوئے اس کے وقار کو پیروں تلے روند رہی تھیں۔

"انعم نے بھی تو کالج پڑھا ہے، بوائز سیکشن الگ تھا، یونیورسٹی کی بجائے ایم اے پرائیویٹ کیا، اب مزید ایم فل کے لئے مجبوراً یونیورسٹی گئی، مگر ماورا جیسی لڑکیوں کو تو شروع ہی سے لڑکوں

کے ساتھ پڑھنے کا چسکا پڑ جاتا ہے۔"
اور ماورا کا جی چاہا، وہ چیخ چیخ کر پوچھے کہ انہوں نے کب ایسا کرتے دیکھا، مگر وہ خاموش رہی آخر اسماعیل اس کی گواہی دینے کو موجود تھا۔

"یعنی آپ ماورا سے شادی کے لئے رضا مند نہیں۔" اتنی دیر بعد وہ بولا تو فقط یہی چند الفاظ، کوئی وضاحت، کوئی دلیل، کوئی گواہی نہیں دی۔

"ماورا میں ہے کیا؟ تم اپنی ماموں زاد حنا کو دیکھو۔" وہ بڑھ کر بولیں۔

"میرا خیال ہے مجھے شادی کا خیال ذہن سے نکال کر ایم فل کے لئے ابراڈ چلے جانا چاہیے، ضروری نہیں کہ ماورا یا کوئی اور میری زندگی میں آئے۔" وہ کچھ اور بھی کہہ رہا تھا مگر اب کچھ بھی مزید سننا اس کی برداشت سے باہر تھا۔

"کیا میرا انتخاب اتنا برا ہے، کیا میرا کردار ایسا ہے کہ مجھے دل لگی کے لئے موزوں سمجھا جا رہا تھا اور نوشی کا کردار، کیسا تھا میری ماں کا چال چلن۔" من میں ڈھیروں سوال لئے وہ وہیں سے لوٹ آئی، شاید نہیں یقیناً ہمیشہ کے لئے اور اب لوٹ جانا ہی بہتر تھا۔

☆☆☆

اپنی طرف سے اس نے سب کچھ ختم کر ڈالا تھا، مگر ابھی بھی کچھ تکلیف اس کے حصے میں تھی، وہ پچھلے دو دن سے بہت خاموش تھی، اس نے سوچا نائلہ کے ساتھ کہیں آؤٹنگ پر چلی جائے، شاید وہ خود کو پرسکون کر سکے، وہ اس پریشانی اور ڈیپریشن سے باہر آ سکے، اس نے سیل فون اٹھایا، اسکرین پہ One message recieved دھمک رہا تھا۔

"انعم تمہاری کزن ہے نا اور ہے کس کردار کی مالک ہے؟" میسج نائلہ کا تھا۔

"ہاں میری کزن ہے اور کریکٹر وائز بھی اچھی ہے۔"

"ہاں جی اندازہ ہو گیا ہے مجھے اس کے کریکٹر کا۔" اس کا انداز طنزیہ تھا۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوئی۔

"مطلب یہ کہ ابھی میرا نکاڑ سے رابطہ ہوا، اس نے بتایا کہ انعم صاحبہ اس کے ساتھ ایم فل کر رہی ہیں اور محترمہ اس کے عشق میں پور پور ڈوب چکی ہیں، بلکہ اظہار عشق فرمانے کے ساتھ ساتھ اس کی شادی کی خواہش بھی ظاہر کر دی، نکاڑ کے انکار پہ خودکشی کی دھمکی بھی ڈالی۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔" وہ نا جانے کیوں ڈر سی گئی۔

"اور بھی سنو، محترمہ نے بڑی سہولت سے گھر سے بھاگ جانے کا بھی مشورہ دے ڈالا۔" وہ شاکڈ تھی۔

"خود بات کر لو نکاڑ، میں ابھی خبر دیتی ہوں۔" ماورا قدرے سہم گئی، وہ نوشی کی کہانی دہرانا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

نوشی دسویں جماعت کی طالبہ تھی، پڑھنے کے لئے پچھلے ایک سال سے برقع اوڑھے دوسرے گاؤں پڑھنے جاتی تھی، مگر کچھ روز سے تین لڑکے نوشی اور اس کی دوسری دو دوستوں، صاعقہ اور امیقہ کو تنگ کرتے ہوئے فقرے کسنے لگے تھے، نوشی بہت پریشان تھی۔

نوشی کے گھر والوں کے اپنے ہمسایہ سے بہت اچھے مراسم تھے اور اسی راہ رسم کے باعث ان کے بچوں میں بھی بہت اتفاق تھا، نوشی کی قاسم سے بہت بنتی تھی وہ نوشی سے چند سال بڑا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کب اور کیسے اس کی دوستی

پسند میں بدل گئی اور وہ نوشی کو چاہنے لگا، مگر ظاہر کچھ بھی نہیں ہونے دیا، وہ قاسم سے اپنی پریشانی شیئر کرنا چاہتی تھی مگر موقع نہیں ملا، تب تک اس بات کی خبر نوشی کے والد کو ہو گئی، انہوں نے نہ صرف نوشی کا سکول چھڑوا دیا بلکہ اپنے بھانجے سے اس کی نسبت بھی طے کر دی، نوشی بہت روئی مگر وہ نہیں مانے، آخر وہ سترہ سال کی لاابالی عمر میں 26 سالہ اشرف کے ساتھ بیاہ کر سسرال کی سیج پہ جا بیٹھی، ماں باپ کی رضا تھی، مگر ایک بہت بڑا انکشاف اسے چند ماہ بعد ہی ہوا کہ وہ بھلے اشرف کی بیوی تھی مگر اس کے دل میں قاسم کی چاہت بھی تھی، ایک تو اشرف کو کام سے فرصت نہیں تھی اور نہ ہی اس نے نوشی کو کبھی کوئی خاص اہمیت دی تھی، جس کا نقصان یہ ہوا تھا کہ وہ اب زیادہ وقت میکے میں گزارنے لگی تھی، گھنٹوں قاسم سے باتیں کرتی، جس کی خبر اس کی پھپھو زاد نیلم ہو گئی۔

قاسم سے ملاقاتوں کا سلسلہ بہت تھوڑے عرصے کا تھا، لیکن یہ مختصر عرصہ بھی نیلم کی برداشت سے باہر تھا، وہ قاسم سے بے پناہ محبت کرتی تھی، نوشی کو بھی اس بات کا علم تھا، مگر اسے قاسم کی صورت میں بہت اچھا دوست ملا تھا، لیکن چند ہی دن بعد اسے نئے وجود کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ گویا سب فراموش کر گئی۔

لیکن نیلم نے اس بات کو پلو سے باندھ لیا کہ قاسم اور نوشی کا عشق چل رہا تھا، جس کی بڑی وجہ اس کی محبت تھی اور قاسم کا اس سے شادی کرنے سے انکار تھا، وہ نوشی کو اپنی دشمن سمجھنے لگی تھی، لیکن جونہی نیلم کو انکار کا علم ہوا تو اس نے قاسم سے نیلم کے ساتھ کرنے کیلئے التجا کی تھی، جو کہ قاسم نے بلاتردد پوری کر دی تھی، لیکن نیلم اپنا دل نوشی کے حوالے سے کبھی صاف نہیں کر سکی اور اکثر اوقات وہ قاسم کو بھی ایسے طعنے دے ڈالتی کہ وہ خاموشی اختیار کر لیتا۔

☆☆☆

"میں ماورا بات کر رہی ہوں، مجھے نائلہ نے جو باتیں بتائیں ہیں وہ درست ہیں کیا، کیا انعم نے واقعی تم سے وہ سب باتیں کی۔"

"ہاں واقعتاً ایسا ہے، میں اسے بہت کچھ کہہ سکتا تھا مگر تمہاری کزن ہونے کے ناطے خاموش ہی رہا۔"

"ہوں لیکن تم جو بھی چاہے کرو، بس میرا نام تمہاری زبان پہ نہیں آنا چاہیے نکاڑ اور ہاں ردعمل کا وقت آن پہنچا ہے، امید ہے تم مجھ سے کوئی امید نہیں رکھو گے خدا حافظ۔" اس نے اپنی ہی کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور سم نکال کر دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دی، آنسو اس نے ہرگز نہیں بہائے۔

"میں نوشی کی کہانی دہرانا نہیں چاہتی، نہ ہی یہ چاہتی ہوں کہ کل کو میری بیٹی کو کوئی ایسے القابات سے نوازے۔" سوچتے ہوئے اس نے اسماعیل کا دیا گیا گفٹ پوری قوت سے ٹیرس پہ کھڑے ہو کر دور سڑک پہ پھینک دیا اور دھیرے سے اس کھڑکی کو ہمیشہ کے لئے بند کرنا چاہا، جس میں ماضی کی یادیں تھیں مگر وہ اس بات سے ناواقف تھی کہ ایسے در و بام چاہے کتنی دفعہ بند کیے جائیں وہ ہمیشہ ادھ کھلے رہتے ہیں۔

زندگی میں آگے اس کے ساتھ کیا ہوگا، وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی، نیلی آنٹی کے الفاظ، اسماعیل کی بے رخی اور انعم کے جذبات سب تکلیف دہ تھے، وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ سب کب تک اس کا پیچھا کریں گے مگر وہ پرسکون تھی کہ اب مزید کچھ بھی برا اور دردناک لمحہ اس کی زندگی میں نہیں آ سکے گا۔

☆☆☆

منی کہانیوں کا سلسلہ

شگفتہ شاہ

محبت نامے

وقت کی الماری کو، آج کتنے عرصے کے
حد کھولا اور اس کے اندر جمی، یادوں کی مٹی کو
جھاڑا اور صاف کیا تو...... اچانک...... دل کی
دراز میں رکھے، تمہارے نام...... لکھے گئے کئی
حبت نامے ملے، جو وقت پر پوسٹ کرنا بھول گئی
تھی۔

یادیں

دل کی کتاب کھلی جو...... تو محبت کے باب
کے وہ تمام ورق، جو تمہارے نام تھے، وقت کی
بائینڈنگ سے نکل کر یوں بکھر گئے ہیں، جیسے......
بت جھڑ کی اس رت میں، درختوں سے جھڑے
بے شمار پیلے پتوں کے ڈھیر کے درمیاں، بوگن
ویلیا کی گھنی بیلوں سے، سفید، سرخ اور گلابی
پھول گر کر پھیل گئے ہیں۔

وقت

(حسن، شہرت اور دولت کے عروج کے
وقت)

''چودھویں کے چاند کو تو ذرا دیکھنا، کس قدر
خوبصورت لگ رہا ہے۔''

''تمہیں جو روز ہی دیکھتا ہوں، چاند کی کیا
اہمیت......؟''

(جوانی ڈھلنے اور شہرت اور دولت کے
زوال کے بعد......)

''ڈھلتے ہوئے سورج کو تو دیکھنا ذرا......''

''روز ہی آئینے میں دیکھتی ہوں......
ڈوبتے سورج کو......''

کل اور آج

کل: لڑکی والے لڑکی کی شادی کے لئے،
کماؤ پوت، ڈھونڈتے تھے۔

آج: لڑکوں اور ان کے والدین کی خواہش
ہوتی ہے کہ وہ، کماؤ بیوی، گھر میں لائیں۔

کل: والدین اولاد کی قسمت، شادی کے
فیصلے کرتے تھے اور ذہنی ہم آہنگی یا اختلافات کے
باوجود آخری دم تک رشتوں کے تقدس کو سمجھتے
ہوئے نباہ کرتے تھے۔

آج: سالوں کی ملاقاتوں اور محبت کے
دعووں کے بعد پسند کی شادی کرنے والے
جوڑے اکثر کچھ ہی عرصے بعد علیحدگی کے فیصلے کر
لیتے ہیں یا اختلافات اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ
اکثر یہ جملے سننے میں آتے ہیں۔

''اس نے مجھ سے دھوکا کیا، شادی کے بعد
وہ بدل گئی، گیا......''

وجہ: اس کی وجہ کہیں یہ تو نہیں کہ اب خواتین
باہر کی دنیا میں آ کر اسقدر عام ہو گئیں ہیں کہ
مردوں کے پاس Choices بڑھ گئیں
ہیں......!!؟؟

محور

وقت اور مجبوری کی دو انتہاؤں کے الگ
الگ کنارے پر کھڑے ہیں ہم۔

محبت کے محور کے گرد گھومتے، چکر لگاتے
ہم دونوں وہ سیارے ہیں جو کبھی مل نہیں سکتے
کیونکہ ہم الگ الگ مدار میں ہیں، سو کبھی قریب
آتے ہیں تو کبھی، دور، ملنا ہمارا نصیب نہیں۔

چادر اور چار دیواری

اپنی معصوم بہن کے وارثت کے حق کو غصب
کر کے اور اس کی شادی ذات اور برادری کی انا
کی خاطر دوسری ذات میں نہ کر کے، سسکا سسکا
کر مارنے کے بعد اسے ''کفن کی سفید چادر'' پہنا
کر، حویلی کی ''چار دیواری'' کے اندر بنے
خاندانی قبرستان میں دفن کروانے والا وزیر
''عورتوں کے حقوق'' کے سیمینار میں جوش سے
تقریر کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ہم نے چادر اور چار دیواری کے تقدس کو
بحال کیا ہے اور خواتین کے حقوق کی حفاظت کی
ہے۔''

غیرت مند

''یہ لیں رکشا کا کرایہ۔''

''اب اتنا بے غیرت بھی نہیں کہ بہن سے
کرایہ لوں۔''

''بہن! کیا مطلب؟ میں تو آپ کو جانتی
بھی نہیں۔''

''میری بہنا نے غربت میں مجھے پہچانا بھی
نہیں اب......؟''

''کیا مطلب...... آپ......''

''یونیورسٹی میں پڑھنے کے دوران آپ نے
بھائی کہا تھا اور میں نے آپ کو سگی بہن کا درجہ دیا
تھا۔''

''اوہ خدایا! بھائی آپ ہو؟ آپ کی یہ
حالت آپ تو انتہائی شریف، نفیس لڑکے تھے،
گولڈ میڈلسٹ اور تقریری، مقابلوں میں ہمیشہ
اول آنے والے...... آپ کی ذہانت اور کردار
کے گن تو یونیورسٹی کے اساتذہ بھی گاتے تھے،
آپ آج اس حال میں...... اور...... رکشا چلاتے
ہیں؟''

''اس دور میں سفارش اور پیسے کے بغیر کوئی
ڈھنگ کی نوکری کہاں ملتی ہے، تو کیا گلے میں
سونے کے میڈل پہنے اور ہاتھوں میں ڈگریاں
اور ایوارڈ لے کر بیروزگار بیٹھا رہتا...... اور
معاشرے کی ناقدری کا رونا روتا رہتا......؟''

''پھر بھی...... یہ...... رکشا چلانا۔''

''نہیں...... نہیں...... مجھ پر رحم مت
کھائیں، مجھے فخر ہے کہ میں محنت کش ہوں، کسی
کا غلام نہیں نہ ہی کسی سے بھیک مانگتا ہوں، جیتی
رہو پیاری بہنا...... اللہ حافظ۔''

المیہ

لڑکا:۔ ''ہماری آدھی عمر تو نا سمجھی میں نکل
جاتی ہے، پھر زندگی کے معاملات اور الجھنوں
میں اس قدر پھنس کر رہ جاتے ہیں کہ کوئی ذاتی
زندگی بچتی ہی نہیں۔''

''ہم اپنی جوانی، محبت کے حسین پل ہے
اور تمام جذبے زندگی کی مارکیٹ میں محض روزی
روٹی کے لئے بیچ دیتے ہیں۔''

☆

لڑکی:۔ ''رسم و رواج کی صلیب پر لٹکتی،
سسکتی اور تڑپتی ہوئی ہم لڑکیوں کے جذبات تو
اندر ہی گھٹ کر مر جاتے ہیں، نہ ہماری آنکھوں
میں خواب سجتے ہیں اور نہ ہی دل کی دھڑکنوں کو
تیز کرنے والی محبت، ہم تو صرف...... خالی دامن
...... خالی نصیب۔''

کرچی کرچی دل

میرا دل کو پیار کے جذبوں سے بھرا تھا مگر
اس کا دروازہ مقفل تھا۔

میں تمام عمر ایک ایسے شخص کی تلاش میں
رہی جو میرے دل کے مقفل دروازے کے قفل
کی چابی ڈھونڈھ کر اسے کھولتا اور میرے ان
خوبصورت جذبو کو سمیٹ لیتا۔

مگر...... افسوس...... اصل چابی لانے کے

بجائے کوئی دھوکے کی چابی لایا تو کوئی، کوئی کی، کوئی فلرٹ کی چابی لایا تو کوئی محض خوبصورت الفاظ کے جال سے بنی ہوئی کھوکھلی محبت کی، چابی ساتھ لے کر آیا، یہاں تک کہ میرے دل کے دروازے پر دکھوں کی پڑتی ضربوں کی وجہ سے میرا دل کرچی کرچی تو ہو گیا مگر دروازہ مقفل ہی رہا۔

صد افسوس، میرے دل پر لگے قفل کی چابی تو بہت قریب ہی موجود تھی جو کسی نے اٹھانے کی زحمت نہیں کی، وہ چابی تھی۔

میری خاطر کچھ وقت نکالنا۔

یہ سمجھنا کہ کون سی باتیں مجھے خوشی دیتی ہے اور کون سی باتیں دکھ دیتی ہیں۔

یہ یقین اور اعتماد دینا کہ میں کسی محبوب ہستی کے لئے بہت اہم اور پیاری ہوں۔

بہن

''یوسف! کیا ہوا؟ اس قدر غصے میں کیوں ہو۔''

''کچھ نہیں، دانیال سے جھگڑا ہوا ہے کچھ دیر پہلے۔''

''کیوں؟''

''میری بہن کے پیچھے پڑا ہوا ہے تو کیا میں بے غیرت ہوں کہ اسے چھوڑ دوں؟''

''مگر ایسا کچھ نہیں ہے یوسف! تمہاری بہن بھی اسے چاہتی ہے اور وہ اچھا لڑکا ہے۔''

''میں اسے بھی جان سے مار ڈالوں گا اگر آئندہ وہ اس سے ملے گی، ہمارے خاندان میں ذات برادری سے باہر شادی کا رواج نہیں ہے۔''

''میں بھی تو تمہاری ذات برادری سے نہیں ہوں پھر ہم بھی تو ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور تم نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا ہے۔''

''وہ الگ بات ہے۔''

''بہن کی بات الگ کیوں ہے۔''

''ہمارے ہاں لڑکیاں اپنی شادی کا فیصلہ خود نہیں کرتیں اور وہ بھی ذات برادری سے باہر، یہ غیرت کا معاملہ ہے۔''

''بہن کا معاملہ غیرت کا اور اپنا اور میرا......؟''

''ارے...... کیا ہوا؟ کہاں اٹھ کر چلیں۔''

''میرا بھائی میرا انتظار کر رہا ہے، لینے آیا ہے اور ہاں، آئندہ مجھ سے ملنے کی کوشش مت کرنا، اب میرا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں۔''

''کیوں...... کیوں...... کیا ہوا؟''

''کیونکہ...... میں بھی کسی کی بہن ہوں، کسی کی غیرت ہوں۔''

کڑوا سچ

ہر غیر معمولی عورت کی طرح...... اسے...... آج تک کسی مرد نے قبول نہیں کیا۔

زخمی

حق اور سچ کے سفر میں...... میرے ہاتھ زخمی اور میں آبلہ پا ہوں۔

قلم

''قلم، تلوار سے زیادہ طاقتور ہے۔''

درست...... کسی زمانے میں یہ کہاوت سچ ہوگی مگر اب تو یہ طاقت یا تو کسی بڑے عہدے دار، راشی آفیسر کے قلم یا پھر کسی وزیر کے قلم دان میں رہ گئی ہے۔

سچ لکھنے والے کا قلم یا تو موڑ دیا جاتا ہے یا پھر توڑ دیا جاتا ہے۔

☆☆☆

آب گم

مشتاق احمد یوسفی

مشتاق احمد یوسفی کے سر پر اگر اردو طنز و مزاح کے بادشاہ کی حیثیت سے تاج سجا دیا جائے تو وہ بے جا نہ ہوگا، وہ رشید احمد صدیقی اور پطرس بخاری سے بڑھ کر جدید اردو مزاحیہ ادب کے سرخیل ہیں۔

ان کی دیگر کتب ''خاکم بدہن، زرگزشت، چراغ تلے ہے اور پھر آب گم۔''

''آب گم۔'' جس کے منفرد اسلوب کا اعتراف خود مصنف نے بھی کیا، اس کتاب میں مشتاق احمد یوسفی کا مخصوص رنگ تو ہے، مزاح کی چاشنی، کٹیلے جملے، لطیف پیرائے میں طنز جملے کی گہرائی مگر ذائقے کے جدا ہونے کا بھرپور احساس بھی، خود مشتاق یوسفی کہتے ہیں۔

''میں نے زندگی کو اور اپنے آپ کو ایسے ہی افراد و حوادث کے حوالے سے جانا پہچانا اور چاہا ہے، یہ ایسے ہی عام اور درماندہ لوگوں کا تذکرہ ہے جو اپنی ساخت، ترکیب اور دانستہ و آراستہ بے ترتیبی کے اعتبار سے منوعا پھیلاؤ اور نقابندی کے لحاظ سے ناول کے قریب ہے۔'' اور پھر خود ہی اپنے ناقد ہی بن جاتے ہیں، یہ بتاتے ہوئے کہ کچھ تفصیلات و جزئیات کی کثرت کی بنا پر پلاٹ کا فقدان نظر آئے گا مگر بقول یوسفی۔

''میں نے پہلے کسی اور ضمن میں عرض کیا ہے کہ پلاٹ تو فلموں، ڈراموں ناولوں اور سازشوں میں ہوتا ہے ہمیں تو روز مرہ کی زندگی میں دور دور اس کا نشان نہیں ملا، انگریزی کے عظیم ترین (بغیر پلاٹ کے) ناول Ulysses کی

کتاب نگر سے

تبصرہ ـــ سیمیں کرن

کہانی 16 جون 1966 کو صبح آٹھ بجے شروع ہو کر اسی دن ختم ہو جاتی ہے۔''

غنودیم غنودیم جو کہ دراصل (پس و پیش لفظ) ہے کہ بعد کتاب میں پانچ مضامین ہیں جن کی تفصیل یوسفی صاحب سے ہی سنیے۔

''حویلی کی کہانی اک متروکہ ڈھنڈار حویلی اور مغلوب الغضب مارک کے گرد گھومتی ہے ''اسکول ماسٹر کا خواب'' اک دکھی گھوڑے، حجام اور منشی سے متعلق ہے، شہر دو قصہ، ایک چھوٹے سے کمرے اور اس میں چہتر سال گزار دینے والے سنکی آدمی کی کہانی ہے، دھیرج گنج کا پہلا یادگار مشاعرہ'' میں ایک قدیم مقباتی اسکول اور اس کے ٹیچر اور بانی کے کیری کیچریشن کیے گئے ہیں اور کار، کابلی والا اور الہ دین کے چراغ'' اک کھٹارا کار، ناخواندہ پٹھان آڑھتی اور ہنجی خورے اور لپاڑی ڈرائیور کا حکایتی طرز میں اک طویل خاکہ ہے۔''

لیکن اگر مشتاق احمد یوسفی کا ہم یا آپ صرف مزاح نگار یا طنز نگار کہہ کر اختصار سے کام لیتے ہیں تو یقیناً ان کے ساتھ اور اردو ادب کے ساتھ ناانصافی کرتے ہیں، ان کے مزاح میں چھپی ان کی دانش، انسانی نفسیات کا گہرا مشاہدہ اور فلسفہ حیات و کائنات جا بجا ملتا ہے، وسیع مطالعہ دیار غیر میں قیام نے ان کی تحریر کو وہ چاشنی ولذت دی ہے اور وہ ذائقہ عطا کیا ہے، جس کو چکھنے و لطف اندوز ہونے کے لئے خواص کے زمرے میں آنا پڑتا ہے۔

جزئیات نگاری ان کا خاصہ ہے اور ان کے گہرے مشاہدے کا غماض، مشتاق احمد یوسفی کی تحریر کی اک خاص خاصیت جو بہت نکھر کر سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ بہت سنجیدہ بات کہتے کہتے یکدم اسے لطیف پیرائے میں دے کر مسکراہٹ بکھیرنے کے فن پر قادر ہیں اور اسی طرح لطیف و پر مزاح بات میں بہت سنجیدہ و گہری بات کہہ دینے کا فن بھی انہیں خوب آتا ہے۔

مثال دیکھئے لندن کے بارے میں کتنے لطیف پیرائے میں معلومات دے رہے ہیں۔

''یوں لندن بہت دلچسپ جگہ ہے اور اس کے علاوہ بظاہر اور کوئی خرابی نظر نہیں آتی، کہ غلط جگہ واقع ہوا ہے، تھوڑی سی بے آرامی ضرور ہے مثلاً مطلع ہمہ وقت ابر و کہر آلود رہتا ہے، صبح و شام میں تمیز نہیں ہوتی اسی لئے لوگ A.M اور P.M بتانے والی ڈائل کی گھڑیاں پہنتے ہیں، موسم ایسا جیسے کسی کے دل میں بغض بھرا ہو، گھر اتنے چھوٹے اور گرم کہ محسوس ہوتا ہے کمرہ اوڑھے پڑے ہیں۔''

اور یہ بھی دیکھئے۔

''کچھ دیر بعد کلف لگے ململ کے کرتے کی آستین الٹ کر مسودے کے ورق گردانی کرتے ہوئے بولے ''دواب خانہ، سنگوٹیاں، آر اور چھو چھنا شرفائے لکھنؤ نہیں بولتے، عرض کیا ''میں نے اسی لئے لکھے ہیں پھڑک اٹھے، کہنے لگے'' بہت دیر بعد آپ نے اک سمجھ داری کی بات کہی۔''

اسی طرح اس کتاب کے باب ''اسکول ماسٹر کا خواب'' میں مشتاق یوسفی کی یہ دونوں صلاحیتیں آپ کو عروج پر ملیں گی، مزاح اور رلا دینے کی صلاحیت، بشارت اور کوچوان کے درمیان تکرار ہنسنے مسکرانے پر مجبور کرتی ہے اور اسی طرح ''سطح سمندر اور خط ناداری سے نیچے'' اور خاندان مغلیہ کا زوال و نزول اور پلید ہاتھ، مشتاق یوسفی کا قلم نشتر کی طرح چلتا ہے اور آنکھوں کو خون کے آنسو رلا دیتا ہے۔

مشتاق یوسفی اس ہنر مند اور بیباک مزاح نگار کا نام ہے جو خود اپنے اوپر ہنسنے سے بھی باز نہیں آتا۔

''لاوڈ کونسٹن کے ذاتی کتب خانے میں بیس ہزار سے زائد کتابیں ہیں وہ خود کہتا ہے کہ میں خود نوشت سوانح عمری کو سوانح عمری کے ساتھ کبھی نہیں رکھتا، مزاح کی الماری میں رکھتا ہوں، عاجز اس کی ذہانت پر ہفتوں عش عش کرتا رہا کہ اس کی خود نوشت سوانح نو عمری زرگزشت پڑھے بغیر وہ زیرک اس نتیجے پر کیسے پہنچ گیا۔''

وہ نہ صرف خود پہ ہنسنے پہ قادر ہیں بلکہ مزاح نگار کے ساتھ پیش آنے والے المیے سے بھی واقف ہیں۔

''قدیم زمانے میں چین میں دستور تھا کہ جس شخص کا مذاق اڑانا مقصود ہوتا، اس کی ناک پر سفیدی پوت دیتے تھے، پھر وہ دکھیا کتنی بھی گمبھیر بات کہتا، کلاؤن ہی لگتا تھا، کم و بیش یہی حشر مزاح نگار کا ہوتا ہے، وہ اپنی فوکس کیپ اتار کر پھینک بھی دے تو لوگ اسے جھاڑ پونچھ کر دوبارہ پہنا دیتے ہیں۔'' جبکہ مزاح نگار باطنی طور پر کس فطرت و کیفیت سے دوچار ہوتا ہے یہ بھی یوسفی کے الفاظ میں ہی جانیے۔

''یہ اقرار کرنے میں خجالت محسوس نہیں ہوتی کہ میں طبعاً، اصولاً اور عادتاً یاس پسند اور بہت جلد شکست مان لینے والا آدمی ہوں، قنوطیت غالباً مزاح نگاروں کا مقدر ہے، مزاح نگاری کے باوا آدم ڈین سوفٹ پر دیوانگی کے دورے پڑتے

تھے اور اس کی یاس پسندی کا یہ عالم تھا کہ اپنی پیدائش کو اک المیہ سمجھتا تھا، چنانچہ اپنی سالگرہ کے دن بڑے التزام سے سیاہ ماتمی لباس پہنتا اور فاقہ کرتا تھا، مارک ٹوین پر بھی اخیر عمر میں کلبیت طاری ہو گئی تھی، مزاح کو میں دفاعی میکنزم سمجھتا ہوں، یہ تلوار نہیں، اس شخص کا زرہ بکتر ہے جو شدید زخمی ہونے کے بعد اسے پہن لیتا ہے۔''

اور مشتاق یوسفی کی تحریر اس بات کی غماض ہے کہ زندگی کی تلوار سے زخمی ہو کر یہ زرہ بکتر انہوں نے پہنی ہے، یہی چیز ان کی تحریر میں فلسفہ حیات کی روشنی بکھیرتی ہے۔

''میں نے زندگی کو ایسے ہی لوگوں کے حوالے سے دیکھا، سمجھا، پرکھا اور چاہا ہے، اسے اپنی بدنصیبی ہی کہنا چاہیے کہ جن بڑے اور کامیاب لوگوں کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، انہیں بحیثیت انسان بالکل ادھورا، گرہ دار اور یک رخا پایا، کسی دانا کا قول ہے کہ جس کثیر تعداد میں قادر مطلق نے عام آدمی بنائے ہیں، اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں بنانے میں اسے خاص لطف آتا ہے ورنہ اتنے سارے کیوں بناتا اور قرن ہا قرن سے کیوں بناتا چلا جاتا ہے۔''

اور پھر دل کو چھو لینے والی یہ لائنز دیکھئے اور سوال کی گہرائی کو جانچیے، انسانی نفسیات کہاں کہاں پناہ طلب کرتی ہے۔

''شکست خوردہ انا اپنے لئے کہاں کہاں اور کیسی کیسی پناہیں تراشتی ہے، یہ اپنے اپنے ذوق، ظرف، تاب ہزیمت اور طاقت فرار پر منحصر ہے، تصوف، تقشوف، مراقبہ، شراب، مزاح، سیکس، ہیروین، ویلیم، ماضی تمنائی، فینٹسی، (خواب نیم روز) جس کو جو نشہ راس آجائے۔''

انسانی نفسیات و انا کی پرت در پرت چھلکے اتارتی یہ لائنیں جیسے پوری حیات سمٹ کر آن بسی ہو۔

مشتاق احمد یوسفی کا وسیع مطالعہ، گہرا مشاہدہ ان کی تحریر کے اسلوب میں بہت نمایاں ہے مگر اس کے باوجود عاجزی کا یہ عالم ہے کہ کتاب میں جابجا فارسی اشعار دیئے گئے ہیں اور نیچے ان کے معنی درج ہیں، اس کے باوجود قاری کو یہ اطلاع بہم پہنچا رہے ہیں کہ میں فارسی سے نابلد ہوں اور اس فارسی دانی کا سارا سہرا اپنے دوستوں کے سر باندھ دیتے ہیں۔

اس کے باوجود جب تحریر کو مزاح کے سانچے میں ڈھالتے ہیں تو مبالغہ آرائی کا عنصر بھی ہمیں ملتا ہے۔

''ایک دن تو ان کی ایکٹنگ اتنی مکمل تھی کہ سیدھی آنکھ سے ایک سچ مچ کا آنسو سری لنکا کے نقشے کی طرح بلک رہا تھا، سائز بھی وہی۔''

تشبیہات، مبالغہ آرائی، گہرا مشاہدہ وسیع مطالعہ، حرف و زباں پہ مضبوط گرفت، ان خصوصیات سے مرصع یوسفی نے جب کچھ لکھا تو وہ ضرب المثل بن گیا، اس کے باوجود جب ان کے کردار گفتگو کرتے ہیں تو وہ ان کے لہجے کی کیا خوب عکاسی کرتے ہیں اور ان لفظوں کو باقاعدہ احاطہ تحریر میں لاتے ہیں۔

اس کتاب میں آپ کو کئی جگہ اردو کے وہ لفظ بھی نظر آئیں گے جو آپ متروک ہو چکے یا بہت کم مستعمل ہیں۔

بلاشبہ اردو ادب میں مشتاق یوسفی اپنی زندہ و تابندہ تحریروں کے سبب ہمیشہ سربلند و یاد رکھے جائیں گے۔

☆☆☆

حاصلِ مطالعہ

تحریم محمود

القرآن

O ”اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ تو کافر ہیں۔“ (سورۃ المائدہ:۴۴)

O ”بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر اللہ اپنی روزی بند کرے۔“ (سورۃ الملک:۲۱)

O ”اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔“ (ال عمران:۸۵)

O ”لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر۔“ (سورۃ البقرہ:۱۷۷)

سعدیہ جبار، ملتان

احادیث

☆ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”جس کی عصر کی ایک نماز جاتی رہی (اس کا اس قدر نقصان ہوا کہ) جیسے اس کے اہل و اولاد اور سارا مال ختم ہوگیا۔“

☆ ہر فرض نماز کے بعد شخص آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرے، اس کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ ”ایسے شخص کو جنت میں داخل ہونے سے صرف موت ہی روکے ہوئے ہے۔“

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان نمازوں کا وضو اچھی طرح کیا اور ان کو بروقت پڑھا اور رکوع وسجود پوری طرح ادا کیے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اور اس کا عہد ہے کہ اللہ اس کو بخش دے گا اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے ذمے کوئی عہد (بخشش کا) نہیں، چاہے بخش دے، چاہے عذاب دے۔“

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

سنہرے موتی

O مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ (البیرونی)

O کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ دل دکھانا ہے۔ (حضرت مجدد الف ثانیؒ)

O محبت اور عداوت کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ (محمود غزنوی)

O ہزار دوستوں کی دوستی ایک شخص کی عداوت کے بدلے نہ خریدو۔ (امام شافعیؒ)

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

عزت کا درجہ

خلیفہ ہارون الرشید نے دیکھا کہ اس کا بیٹا اپنے استاد کو وضو کروا رہا ہے اور لوٹے سے اپنے استاد محترم کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے، ہارون الرشید یہ دیکھ کر بہت برہم ہوئے اور اپنے بیٹے کو خوب ڈانٹا۔

استاد نے کہا۔

”نماز کا وقت جا رہا تھا اس لئے میں نے شہزادے کو زحمت دی۔“

خلیفہ نے کہا۔

”میں تو ناراض اس لئے ہو رہا ہوں کہ

شہزادے کا ایک ہاتھ خالی تھا، وہ اس ہاتھ سے آپ کے پاؤں کیوں نہیں دھوتا۔“

نازیہ کمال، حیدرآباد

بکھرے موتی

☆ آنکھیں اندر کی بھیدی ہوتی ہیں بشرطیکہ کسی کو پڑھنے کا فن آتا ہو۔

☆ ذوق بھی موڈ اور سچویشن کے تابع ہوا کرتا ہے۔

☆ جن افراد کی آنکھوں میں ہنستے وقت آنسو آجائیں وہ سچے ہوتے ہیں اور پرخلوص بھی۔

☆ ہر دل تخت کی مانند ہوتا ہے اس کے حکمران بدلتے رہتے ہیں۔

☆ نفرت اور ضد آکاس بیل کی طرح انسان کے وجود کو بنجر کر دیتے ہیں۔

☆ عشق جن کی رگوں میں سرایت کر جاتا ہے وہ ظاہری زندگی گزارنے کے قابل کہاں رہتے ہیں۔

☆ ہر انسان اپنے ظرف کے مطابق دوسروں سے پیش آتا ہے۔

☆ سچی محبت کا جذبہ دل میں وحی کی طرح اترتا ہے اور پھر رگ رگ میں پھیل جاتا ہے۔

مریم رباب، خانیوال

معلومات

۱۔ دنیا کا سب سے بڑا اور گہرا سمندر بحرالکاہل ہے۔

۲۔ دنیا کا سب سے گرم سمندر بحیرہ قلزم ہے۔

۳۔ چاند پر اب تک بارہ افراد جاچکے ہیں۔

۴۔ سب سے طویل دن سیارہ زہرہ پر ہوتا ہے۔

۵۔ برطانیہ کے معمار گلبرٹ اسکاٹ نے سب سے زیادہ عمارات تعمیر کی ہیں۔

ام خدیجہ، شاہدرہ لاہور

رشتہ داروں سے سلوک

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے فرماتے سنا۔

”جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کا رزق کشادہ ہو اور اس کی عمر لمبی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔“

ثناء حیدر، سرگودھا

کبھی سوچا ہے تم نے

O ہم باتیں اس وقت کرتے ہیں جب ہمارے خیالات میں سکون باقی نہیں رہتا اور جب ہم اپنے دل کی تنہائی میں بسر نہیں کر سکتے، تب ہم اپنے ہونٹوں پر بسر کرتے ہیں، آواز سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور وہ تفریح کا وسیلہ بنتی ہے۔

O بعض لوگوں کی زندگی میں اگر غم بڑھ جائیں تو قہقہوں میں شدتیں آجاتی ہیں، کبھی شعوری طور پر کبھی لاشعوری طور پر۔

O من موجی وہ لوگ ہیں جنہیں ٹھکرائے جانے یا نظر انداز کیے جانے کی پرواہ نہیں ہوتی اور جن کے پاؤں تلے زمین ہو نہ ہو وہ خود کو کسی طرح بہلاتے ہیں یہ آپ نہیں جان سکتے۔

در ثمن، میاں چنوں

محبت

☆ محبت دل میں ہوتی ہے دل چیر کے دکھایا نہیں جاتا۔

☆ محبت ایک گھنٹہ سو برس کی بے محبت زندگی سے بہتر ہے۔

☆ کسی کے پیار کا مذاق نہ سمجھنا شاید کوئی آپ کے پیار کو مذاق سمجھے۔

☆ اعتماد محبت کی پہلی سیڑھی ہے۔

☆ کسی کا دل مت دکھاؤ کیونکہ اس میں محبت رہتی ہے اور دکھی دل کی فریاد آسمان کا سینہ

چرتی ہے۔
☆ کسی سے محبت کرو تو سچے دل سے کرو مرتے دم تک کرو۔
☆ کسی کو جب حد سے زیادہ چاہو تو وہ مغرور ہو جاتا ہے۔
☆ کسی کا دل نہ توڑنا کیونکہ تم بھی دل رکھتے ہو۔
☆ کسی پتھر دل سے محبت نہ کرو ایسا نہ ہو اس کے موم ہونے تک تم خود پتھر بن جاؤ۔
☆ اگر تم کسی کو خوشی نہیں دے سکتے تو اسے غم بھی نہ دو۔"

آسیہ وحید، لاہور

نفرت

نفرت کیا ہے......؟
نفرت چار لفظوں پر مشتمل ہے۔
یہ لفظ اپنے اندر کیا معنی رکھتا ہے؟
ن: سے "نرگ"
ف: سے "فاصلے"
ر: سے "روگی"
ت: سے "تباہی"
یعنی یہ لفظ جب کسی کے اندر جنم لیتا ہے تو نرگ بنا دیتا ہے، پھر نفرت کرنے والے سے فاصلے قائم ہو جاتے ہیں اور یہ فاصلے روگ بن جاتے ہیں جو تباہی کی طرف لے جاتے ہیں، اپنی زندگی کو خوشی کا گہوارہ بنانے کے لئے اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔

جویریہ ناصر، گلبرگ لاہور

ادب

ایک بڑے عالم ممبر پر بیٹھے درس دے رہے تھے، درس دیتے دیتے اچانک رک گئے اور کھڑے ہو گئے، پھر چند لمحے بعد بیٹھ کر درس شروع کر دیا۔

لوگ بہت حیران ہوئے کہ نہ جانے انہیں کیا ہو گیا تھا، درس کے بعد وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔

"حضرت کیا بات تھی آپ نے اچانک درس روک دیا تھا اور کھڑے ہو گئے تھے؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"میرے استاد کا بیٹا دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، کھیلتے کھیلتے وہ اچانک مسجد کی طرف آ گیا، میں اس کی تعظیم میں کھڑا ہوا تھا۔"

اُم ایمن، گوجرانوالہ

آپ ﷺ کا ارشاد

"قابل رشک دو ہی شخص ہیں ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دولت عطا فرمائی اور وہ شب و روز اس پر عمل کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا اور وہ شب و روز (اس کے حکم کے مطابق) اس مال کو خرچ کرتا رہتا ہے۔"

عابدہ سعید، گجرات

اقوال زریں

۱۔ انسان کے کمال کی نشانی یہ ہے کہ وہ پہاڑ بھی مسمار کر دیتے ہیں۔
۲۔ لوگو اپنی پاکیزگی نہ جتایا کرو پرہیزگاروں کو وہی خوب جانتا ہے۔
۳۔ اپنی نگاہیں جھکی رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں۔
۴۔ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا اللہ سے کلام کرنے کے مترادف ہے۔
۵۔ اپنے فن اور قابلیت سے کمانا قابل تحسین ہے۔
۶۔ جب تک کسی سے بات چیت نہ کرو اسے حقیر نہ سمجھو۔

☆☆☆

سعدیہ جبار ---- ملتان

ہم جتلائے عشق تھے ہرگز نہ کہہ سکے
خاموش ہی رہے کہ تقاضا وفا کا تھا
ترک تعلق کا اسباب کیا بتائیں
بس ہو گئے جدا سوال انا کا تھا

....

راتیں ہجر میں اب بھی نزع کے عالم میں کٹتی ہیں
دل میں وحشت ہے تن میں جان ابھی باقی ہے
دیئے منڈیر پہ رکھ آتے ہیں ہم ہر شام نجانے کیوں
شاید اس کے لوٹ آنے کا کچھ امکان ابھی باقی ہے

....

اس سے کہنا کہ پلٹ آئے اب تو
جدائی درد بنتی جا رہی ہے
آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان
تمہارے بعد تو اک دن بھی زندہ نہ رہا
اور تم آ کے پوچھتے ہو اک سال کے بعد

....

اسی کو احساس دلایا ہے تو ملتا ہی نہیں
اجنبی تھا تو روز ملا کرتا تھا
اب وہ مجھ سے میری ہر بات کے معنی پوچھے
وہ جو میری سوچ کی تعبیر لکھا کرتا ہے

....

مدتیں ہو گئیں خطا کرتے
شرم آئی ہے دعا کرتے
فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ
چند بڑے لوگوں سے مل کر میں نے محسوس کیا
اپنی بابت نہ اہلوں کو کیا کیا دلچسپ گماں ہوتے ہیں

....

میری دھرتی محبت کی وفا کی علامت تھی
یہ کس نے نفرتوں کے بیج بو دیئے زمینوں میں

....

مت کر ذکر میری ادا کے بارے میں
میں جانتا ہوں بہت کچھ وفا کے بارے میں
سنا ہے وہ بھی محبت کا شوق رکھنے لگے
جنہیں خبر ہی نہیں وفا کے بارے میں
نازیہ کمال ---- حیدر آباد
بکھروں گا ایک بار تو نہ آسکوں گا ہاتھ
اے دوست احتیاط سے ٹھوکر لگا مجھے

....

تیرے وعدے پہ ستمگر ابھی وہ صبر کرتے
اک اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

....

بے اعتبار وقت پہ جھنجلا کے رو پڑے
کھو کر کبھی اسے تو کبھی پا کے رو پڑے
خوشیاں ہمارے پاس کہاں مستقل رہیں
باہر بھی ہنسے بھی تو گھر آ کے رو پڑے
مریم رباب ---- خانیوال
کس طرح بجھتی ہیں شمعیں ٹوٹتے ہیں کیسے خواب
دوستوں کی بے رخی کا زخم کھا کر دیکھنا
کیسی کیسی حسرتوں سے یہ نگر آباد ہے
اک ذرا فرصت ملے تو دل میں آ کر دیکھنا

....

بچھڑ کر مجھ سے حبیب میرے اداس ہونا تو لوٹ آنا
اکیلے پن کی پہاڑ راتیں نہ کاٹ سکنا تو لوٹ آنا
پرائے دیسوں میں کون تجھ کو سوائے میرے منا سکے گا
کسی سے یونہی مذاق میں روٹھ جانا تو لوٹ آنا

....

لاکھ دوری ہو مگر عہد نبھائے رہنا

جب بھی بارش ہو میرا سوگ منائے رہنا
تم گئے ہو تو سرشام یہ عادت ٹھہری
بس نہر کنارے کھڑے ہاتھ ہلائے رہنا
مینا توحید ---- جھنگ

وہ خواب تھا بکھر گیا خیال تھا ملا نہیں
لیکن دل کو کیا ہوا یہ بجھا کیوں پتہ نہیں
ہر اک دن اداس تمام شب اداسیاں
کسی سے کیا بچھڑ گئے جیسے کچھ بچا نہیں

....

یہ بھی ممکن ہے کسی روز نہ پہچانوں اسے
وہ جو ہر بار نیا بھیس بدل لیتا ہے

....

اس لئے کوئی زیادہ نہیں رکتا یہاں
لوگ کہتے ہیں میرے دل پہ تیرا سایہ ہے
فرح عامر ---- جہلم

زندگی بھر جدا نہیں ہوتے
درد بھی با اصول ہوتے ہیں

....

رکوں تو منزلیں ہی منزلیں ہیں
چلوں تو راستہ کوئی نہیں ہے

....

مجال ہے کبھی حرمت پہ حرف آیا ہو
نجانے سیکھی تھی عشاق نے کہاں تہذیب
فائزہ قاسم ---- سکھر

نہ جینے کی حسرت نہ مرگ تمنا
غم زندگی کے تقاضے نرالے
یہ ممکن ہے اشرف کفن بھی نہ ڈالیں
وہ بچے جو ہم نے لہو دے کے پالے

....

نوک شمشیر پہ یوں ہم نے گزارے لمحے
کانچ کی آنکھ سے خوابوں کا گزر ہو جیسے

....

تمہاری یاد کے جگنو سنبھال کے رکھیے
کہیں تو رات پڑے گی جناب رستے میں

نعیم امین ---- کراچی

تیرے آنے کی خواہش عجب تر رکھی
آنکھوں میں اس کی روشنی بھر رکھی
ہر لمحہ امید کا دیا میں نے جلایا
ترے جانے کی اک راہ بھی کھلی رکھی

....

خوشیاں آنسوؤں میں پوشیدہ ہوتی ہیں
جیسے قوس و قزح بارش کے بعد نکلتی ہے

....

چراغ کی لو دھیمی کر لو
محبت کی شدت کم کر لو
کل تو ایسا رہے نہ رہے
ابھی سے عادت ختم کر لو
ہمارائے ---- کراچی

بے تابی جاں کا چرچا نہیں کرتے
ہر وقت ایک ہی شخص کو ڈھونڈا نہیں کرتے
سو بار قیامت سے گراں وقت پڑا ہے
ایک ہم ہیں تیرے عشق سے توبہ نہیں کرتے

....

میری ذات پہ یہ احسان کسی روز میرا خدا کرے
وہ نہیں جو میرے نصیب میں مجھے حوصلہ عطا کرے
میں یہ جانتا ہوں اس شہر میں مجھ سا کوئی نہیں
مجھے اس بارے میں فکر کیا جسے چاہے جا کے ملے

....

تیرے سوا مانگنا میرے مسلک میں کفر ہے
لا دے اپنا ہاتھ میرے دست سوال میں
نبیہ آصف ---- قصور

پھر یوں ہوا کہ راستے یکجا نہ رہے
انا پرست وہ بھی تھا انا پرست میں بھی

....

پرکھنا مت پرکھنے میں کوئی اپنا نہیں رہتا
ایک ہی آئینے میں دیر تک چہرہ نہیں رہتا
بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلہ رکھنا
جب دریا سمندر سے ملا دریا نہیں رہتا

بے اختیار وقت پہ جھنجلا کے رو پڑے
کھو کے کبھی اسے تو کبھی پا کے رو پڑے
خوشیاں ہمارے پاس کہاں مستقل رہیں
باہر بھی ہنسے بھی تو گھر آ کے رو پڑے
ناصر حسن ---- خانیوال

تم کو احساس ندامت ہو تو بس اتنا کرنا
پھر اس طرح سے نہ کسی اور کو رسوا کرنا

....

پہلے تو بارشوں میں بدن بھیگتا تھا
پھر اس کے بعد ٹوٹ کے نیند آ گئی مجھے

....

کیسے زندہ ہیں ان سازشوں کے موسم میں
اب کوئی خواب نہیں خوابوں کے موسم میں
اسے مجھ سے محبت تھی اس طرح کی جیسے
ہلکی سی دھوپ ہو بارشوں کے موسم میں
عاصمہ سلیم ---- ملتان

خود کو سبز ہی رکھا آنسوؤں کی بارش میں
ورنہ ہجر کا موسم کس کو راس آتا ہے

....

اسے بارشوں نے چرا لیا کہ وہ بادلوں کا مکین تھا
کبھی مڑ کے یہ بھی تو دیکھتا کہ میرا وجود زمین تھا
کبھی ساحلوں پہ بکھر گئے تمہیں سیپیاں ہی بتائیں گی
میری آنکھ میں جو سمٹ گیا وہ شخص سب سے حسین تھا
فریدہ جاوید فری ---- لاہور

جب سے آباد ہوئی ہے تیری خوشبو مجھ میں
جگنوں سا چراغاں میری تحریر میں ہے
میں نے چھائیوں سے لڑنے کا ہنر سیکھ لیا
اک ستارہ سا ترے لمس کی تحریر میں ہے

....

آنکھ میں آنسوؤں کی طرح
پھول میں خوشبو کی طرح
تم میرے دل میں ہوتے ہو
دل میں دھڑکنوں کی طرح
دیویا سوئی ---- ٹنڈو الہ یار

کل شام تم سے ملنے کی خواہش بھی تیز تھی
دل بھی بہت اداس تھا، بارش بھی تیز تھی

....

اسی امید پہ اس سے خفا ہو بیٹھے ہیں
شاید اب کے ساون میں وہ منانے آئے

....

اے شان کریمی مجھے مایوس نہ کرنا
تقدیر بدلتی ہے دعاؤں کے اثر سے

....

اے خداوند قیامت تک تیرا قرآن زندہ باد
اس قرآن کے صدقے پہ پاکستان زندہ باد
فوزیہ حسن ثناء ---- راولپنڈی

فقط اک سانس کی بات تھی ساری
جس کی خاطر ہم نے ساری عمر گنوا دی

....

زندگی تیری آنکھوں کے سمندر کنارے بسر ہو
کچھ ایسا اب میری دعاؤں میں اثر ہو
تیری بانہوں کے سہارے آخری سانس لیں
یوں ختم اپنی محبت میں وفاؤں کا سفر ہو

....

مجھے سپنوں کی دنیا سجا لینے دے
مجھے دو پل سکوں کے گزار لینے دے
ابھی نہ جا، رک جا تو، اے بے وفا
مجھے ضبط آنسوؤں کو کر لینے دے
مریم ماہ منیر ---- لاہور

اب کے کرنا تو کسی ایسے کی چاہت کر
جس کو آتا ہی نہ ہو شکوہ شکایت کر
پہلے خوشبو کے مزاجوں کو پرکھ لو اشرف
پھر گلستاں میں کسی گل سے محبت کر

....

گھر میں چھپی ہیں لڑکیاں کتوں کے خوف سے
کیا بادشاہ وقت کی بیٹی جواں نہیں
نوک شمشیر پہ یوں ہم نے گزارے لمحے
کانچ کی آنکھ سے خوابوں کا گزر ہو جیسے

....

اپنے اندر ہی کشش پیدا کرو
ہر چہرے کو حسرت سے دیکھا نہیں کرتے
ہر شخص کہاں ہوتا ہے ہر شخص کے قابل
ہر شخص کو اپنے لئے پرکھا نہیں کرتے
ثمینہ ریتی ---- کورنگی کراچی
جیون کے اس موڑ پر دل پریشان تھا
وہ بھی بدل جائے گا کب مجھ کو گمان تھا
اس کی تو شاعری سے چڑ تھی مگر یہ کیا
اس شخص کے سرہانے میرا دیوان تھا

....

ہوتا نہیں ہے ختم اس کا سفر
پاؤں کٹے ہوئے ہیں مگر جل رہے ہیں لوگ

....

صبا کے ہاتھ میں نرمی ہے ان کے ہاتھوں کی
ٹھہر ٹھہر کے یہ ہوتا ہے آج دل کو گماں
رمشہ ظفر ---- وہاڑی
نظر میں زخم تبسم چھپا چھپا کے ملا
خفا تو تھا وہ مگر مجھ سے مسکرا کر ملا

....

عمر بھر کا فاصلہ طے کرکے مجھ پہ یہ کھلا
جس پہ میں چلتی رہی وہ راستہ میرا نہ تھا

....

وہ آج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے
ڈھونڈا تھا جسے وقت کی دیوار گرا کر
عاصمہ سرور ---- بہاولپور
عشق جنوں سہی مگر عشق فقط جنوں نہیں
ہوتے ہیں کچھ مطالبے عشق کے آگے کے بھی

....

یہ لوگ کیا ہیں کہ دو چار خواہشوں کے لئے
تمام عمر کا پندار بیچ دیتے ہیں
جنون زینت و آرائش مکاں کے لئے
کئی مکین در و دیوار بیچ دیتے ہیں

....

یہ چراغ بے نظیر ہے یہ ستار بے زماں ہے
کبھی تجھ سے ملتا جلتا کوئی دوسرا کہاں ہے
کبھی پا کے تجھ کو کھونا کھو کے تجھ کو پانا
جنم جنم کا رشتہ تیرے میرے درمیاں ہے
رابعہ ارشد ---- فیصل آباد
مجھے کچھ طلب نہیں مجھے اور چاہیے کیا
تیرا غم جو مل گیا ہے مجھے بس وہی بہت ہے

....

گنگناتی ہوئی آتی ہیں فلک سے بوندیں
کوئی بدلی تیری پازیب سے ٹکرائی ہے

....

اب تک اسی خیال سے سوئے نہیں سلیم
ہم سو گئے تو پھر یہاں دیدہ بیدار کون ہے
مسرت مصباح ---- لاڑکانہ
کیا جانتے کیا بات ہے اب دہشت کی نسبت
دل خامشی شہر سے ڈرتا ہے زیادہ
اندر کا وہی رنگ اسے بھی ہے مجھے بھی
بنتا ہے زیادہ وہ سنورتا ہے زیادہ

....

دروازہ کھلا ہے کہ کوئی لوٹ نہ جائے
اور اس کے لئے جو کبھی آیا نہ گیا ہو

....

میرے اندر ہی تو کہیں گم ہے
کس سے پوچھوں ترا نشاں جاناں
ثمینہ بابر ---- لاہور
دل کو تیری چاہت پہ بھروسا بھی بہت ہے
کلام تجھ سے نظر کو بڑے ادب سے ہے

....

دلوں کے بھاگ میں گھر بھرنا بھی کٹ جانا بھی
تم اس حسن کے لطف و کرم پہ کتنے دن اترو گے

....

کسی کو ان کی رہائی کا غم نہیں ورنہ
رہا تو وہ بھی نہیں جو قفس سے باہر ہے

☆☆☆

پیغام محبت

میری ہم درس میری بات ذرا غور سے سن
قبل اس کے کہ یہ خلقت کی زباں تک پہنچے
میں کسی طور شادی کا نہیں ہوں قائل
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

پتھر

مرا حسن ہے فسادی میں ہوں پتھروں کا عادی
مرے دل پہ پتھروں کا بڑا سخت ہے دباؤ
پکھراج اور نیلم یاقوت اور زمرد
انہی پتھروں کو لے کر اگر آ سکو تو آؤ

ڈر لگتا ہے

مستورات سے ڈر لگتا ہے
تین سو سات سے ڈر لگتا ہے
اس کے شہر کو جانے والی
ہر برات سے ڈر لگتا ہے

فرح طاہر، جہلم

اطلاع

تمہاری گردن پر ایک عجیب چیز ہے
جسے دیکھ کر خوف آتا ہے
کیا چیز ہے وہ؟
تمہارا چہرہ

سارا حیدر، مظفر گڑھ

نیا تماشا

نئی نویلی، شرمیلی دلہن نے سرائے کی مالکن سے کہا۔
”مہربانی فرما کر اپنے ہاں ٹھہرنے والوں کو یہ نہ بتایئے کہ ہم یہاں ہنی مون منانے آئے ہوئے ہیں۔“

اس نے اپنے شوہر کو بھی بتایا کہ اس نے سرائے کی مالکن سے کیا کہا ہے۔

دوسری صبح جب وہ ناشتے کے لئے ڈائننگ ہال پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سب لوگ انہیں مڑ مڑ کر غور سے دیکھ رہے ہیں، دلہن کے شوہر کو غصہ آیا اور اس نے فوراً مالکن سے جا کر کہا۔

”ہم نے آپ کو منع کیا تھا کہ کسی کو ہمارے بارے میں نہ بتائیں؟“

”میں نے یہ قطعاً نہیں بتایا کہ آپ لوگ ہنی مون منانے آئے ہیں بلکہ میں نے لوگوں کو کہا ہے کہ آپ دونوں غیر شادی شدہ ہیں۔“ سرائے کی مالکن نے جواب دیا۔

فرح راؤ، کینٹ لاہور

محبت

☆ اگر ہم محبت میں شدت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بچھڑ جانا چاہیے دوریاں محبت کو امر بنا دیتی ہیں۔
☆ یاد رکھنا محبت کی ایک صورت ہے۔
☆ محبت اور شک ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔
☆ ڈوبتا ہوا شخص بارش کے چھینٹوں کی پرواہ نہیں کرتا۔

نادیہ شیخ، سیالکوٹ

انڈے

باپ: ”بیٹا بتاؤ وہ کون سا جانور ہے جو سب سے زیادہ انڈے دیتا ہے۔“

بیٹا: "ہمارے ماسٹر صاحب، وہ کاپیوں پر ہر روز سینکڑوں انڈے دیتے ہیں۔"

فرضی کہانی

"امی کیا ساری فرضی کہانیاں، ایک دفعہ کا ذکر ہے، سے شروع ہوتی ہیں؟" ننھے گڈو نے ماں سے پوچھا۔
"نہیں بیٹے۔" ماں نے جواب دیا۔
"کچھ کہانیاں اس طرح بھی شروع ہوتی ہیں، معاف کرنا جان من آج دفتر میں کام بہت تھا۔"

فائزہ قاسم، سکھر

وجہ

ایک صاحب نے دفتر میں اپنے ساتھی کو بتایا۔
"میرے اور میری بیوی کے درمیان پانچ ماہ بے حد خوشیوں بھرے گزرے مگر آج سے ہمارے درمیان زور دار جھگڑے شروع ہو گئے ہیں۔"
دوست نے پوچھا۔
"اس تبدیلی کی وجہ......؟"
ان صاحب نے جواب دیا۔
"وہ پانچ ماہ کے بعد آج ہی اپنے میکے سے واپس آئی ہے۔"

وردہ نور، ساہیوال

منی اسٹوری

ایک صاحب ایک خاتون کا پیچھا کر رہے تھے، خاتون تیز تیز چلتی ہوئی گھر پہنچی، مگر وہ کسی نہ کسی طرح گھر میں بھی داخل ہو گئے، خاتون کچھ غصے اور کچھ خوف سے بولی۔
"میرے شوہر کاروباری دورے پر لاہور گئے ہوئے ہیں، وہ اب پہنچنے والے ہیں، وہ بہت خطرناک آدمی ہیں، جنہیں دیکھتے ہی شوٹ کر دیں گے۔"
اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی، عورت جلدی سے بولی۔
"میرے شوہر آ گئے۔"
"میں کہاں چھپوں؟" اجنبی نے گھبرا کر پوچھا۔
"الماری میں۔" خاتون نے گویا ترس کھا کر کہا۔
اجنبی الماری میں چھپ گیا، بیوی نے گرم جوشی سے شوہر کا استقبال کیا، چند لمحوں کے بعد شوہر نے کوٹ لٹکانے کے لئے الماری کھولی تو اجنبی کو کھڑے پایا۔
"کمینے...... مردود کون ہو تم؟" شوہر غصے سے بولا۔
پھر اس کے لہجے میں کچھ پریشانی جھلک آئی۔
"لگتا ہے میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔"
"جی ہاں، لاہور میں میرے گھر میں دیکھا تھا۔" اجنبی نے جواب دیا۔
"اس وقت آپ الماری میں تھے۔"

مینا توحید، جھنگ

ارادہ

دریا میں قطرے کی صورت
گم ہو جاؤں
اپنے آپ سے نکلوں
تم ہو جاؤں

شیبا بٹ، اوکاڑہ

دست بدست

دوران جنگ جبری بھرتی اسکیم کے تحت ایک نوجوان کو پکڑ کر دفتر لایا گیا، اس کی نظر کمزور تھی لہٰذا اسے امید تھی کہ اسے بھرتی نہیں کیا جائے گا، جب نظر ٹیسٹ کرانے کا مرحلہ آیا تو ڈاکٹر نے اسے سامنے کے بورڈ کی عبارت پڑھنے کے لئے کہا۔
نوجوان نے معذرت کر دی کہ کچھ نظر نہیں آ رہا۔
ڈاکٹر نے ذرا قریب جا کر پڑھنے کو کہا تو نوجوان پھر بھی نہ پڑھ سکا۔
اب ڈاکٹر نے اسے بالکل قریب جا کر پڑھنے کو کہا، تو وہ فر فر پڑھنے لگا۔
"بہت خوب۔" ڈاکٹر نے اچھل کر کہا۔
"دست بدست جنگ میں تمہارے جوہر خوب کھلیں گے۔"

جاوید علی، مردان

ذہانت شرط ہے

ایک برطانوی اور ایک امریکی سیلز مین ایک ہی جہاز میں سفر کر رہے تھے اور اسی جہاز سے افریقہ کے ایک پسماندہ ملک میں پہنچے، بندرگاہ پر سیاہ فام افریقیوں کی کافی بھیڑ موجود تھی جو سب کے سب ننگے پاؤں چل رہے تھے، یہ حال دیکھ کر برطانوی سیلز مین نے اسے ہیڈ آفس اتار دیا۔
"یہاں جوتے کوئی نہیں پہنتا، میں اگلے جہاز سے وطن واپس آ رہا ہوں۔"
مگر امریکی سیلز مین نے جو تار اپنے ہیڈ آفس بھیجا، وہ اس طرح تھا۔
"یہاں جوتے کوئی نہیں بناتا، ایک لاکھ جوتے فوراً بھیج دیں وسیع مارکیٹ ہے۔"

نعیم امین، کراچی

سگھڑاپا

ایک عورت سے اس کی سہیلی نے پوچھا۔
"ارے بھئی تمہاری بیٹی کی شادی ہونے والی ہے تم نے اسے سکھایا بھی ہے یا نہیں؟"
اس عورت نے کہا۔
"کیوں نہیں، سب کچھ تو سکھا دیا، بس اب بیلن کا استعمال سکھا رہی ہوں۔"

لائبہ رضوان، فیصل آباد

جواباً عرض ہے

محاذ جنگ سے زخم سپاہی نے بیوی کو خط لکھوایا کہ میں سخت زخمی ہو گیا ہوں، بیوی نے فوراً تار بھیجا۔
"تو کیا میں دوسری شادی کر لوں؟"

نبیلہ نعمان، لاہور

بہت خوب

ایک بے وقوف سردیوں میں بلی کو ٹھنڈے پانی سے نہلا رہا تھا، ادھر سے ایک شخص گزرا اس نے کہا کہ۔
"یہ کیا کر رہے ہو؟ اس طرح تو یہ مر جائے گی۔"
بے وقوف بولا۔
"جاؤ جاؤ اپنا کام کرو بڑے آئے سمجھانے والے۔"
وہ شخص اپنا سامنہ لے کر چلا گیا، تھوڑی دیر بعد دوبارہ ادھر سے گزرا تو دیکھا کہ بلی مری پڑی ہے، اس نے کہا۔
"دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ یہ مر جائے گی۔"
بے وقوف بولا۔
"یہ نہانے سے نہیں مری بلکہ نچوڑنے سے مری ہے۔"

ہما رائے، کراچی

ماموں جان

عشق میں ہم بن کے الو رہ گئے
اب تصور کے بھی قلعے ڈھ گئے
ان کے بچے ہم کو ماموں کہہ گئے
دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے

☆☆☆

صائمہ محمود

فرزانہ حسن: کی ڈائری سے ایک غزل
بچھڑے ہوئے لوگوں کو اک اک بات رلا دیتی ہے
ہم کو تو ہر جانے والی رات رلا دیتی ہے
ویسے تو ہم دل کے بڑے ہی پکے ہیں ہر عمر میں
وہ تو کبھی کبھی یونہی برسات رلا دیتی ہے
جیسے پتھر کر دیتی ہے بعض اوقات خوشی بھی
جیسے بعض اوقات کوئی بارات رلا دیتی ہے
جنہوں نے ہار کبھی نہیں دیکھی ہوتی جیون میں
ایسوں کو تو چھوٹی سی اک بات رلا دیتی ہے
غموں سے تو کچھ اور بھی بڑھ جاتا ہے ضبط ہمارا
ہاں البتہ خوشیوں کی بہتات رلا دیتی ہے
کہکشاں انور: کی ڈائری سے ایک نظم
"ہم سفر"
وہ چند لمحے
وہ چند سانسیں
کہ جن میں تیری محبتوں کی، نوازشوں کی عنایتوں کی
عجیب خوشبو بسی ہوئی تھی
نظر چرا کے، وہ چپکے سے دیکھنا، وہ قہقہے وہ نزاکتیں
شگفتہ چہرے پہ کھلتی، مسکراہٹوں کی عبارتیں
وہ تیرے لہجے کا دھیما پن اور وہی تیری آواز کی نغمگی
کبھی سرگوشیاں، کبھی چھوٹی چھوٹی شرارتیں
انہیں اپنی جھولی میں ڈال کر
انہی خوشیوں کو سمیٹ کر
میں جا رہا ہوں
میرے ہم سفر
میرے مہرباں

تیرا شکریہ
فرخ راؤ: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم
کتنا آسان لگتا ہے
کبھی کبھی زندگی میں سب کچھ کہہ دینا
خود کو بے پروا کر لینا
اپنی ہر بات کسی سے شیئر کر لینا
دل میں ہر خوشی کو بسا لینا
خوشبو کو پھولوں سے چرا لینا
اکٹھے مل کر کوئی شعر کہہ دینا
اور موسم کی بدلتی رتوں سے باتیں کرنا
رات کو ٹھنڈی ہوا میں بیٹھنا
اور صرف تجھ کو یاد کرنا
کتنا آسان لگتا ہے تمہیں سب کچھ کہہ دینا
نبیہ آصف: کی ڈائری سے ایک نظم
"بارشوں کا موسم"
بارشوں کا موسم اداس نہیں ہوتا
ہاں اگر دل میں اداسی کا ڈیرا ہو
تو بارش کا ہر قطرہ دل کو
اک کسک، اک درد، اک سوز دیتا ہے
روح کو تشنگی کا احساس دیتا ہے
اور دل میں خوشیوں کا بسیرا ہو
تو بارش کے ہر قطرے کی زمین پر
گرنے سے جو صدا سنائی دیتی ہے
اس صدا کے سنگ دل جھومنے کو کرتا ہے
تو پھر یہ کیوں کہنا کہ
بارشوں کا موسم اداس ہوتا ہے
وردہ نور: کی ڈائری سے پروین شاکر کی نظم
وہ جو ایک خواب سی بات تھی
میرے بخت میں

یونہی اک پل میں گزر گئی
وہ گزر گئی تو پتہ چلا
وہی ایک کام کی چیز تھی
میری زندگانی کے رفت میں
ثمینہ رفیق: کی ڈائری سے پروین شاکر کی نظم
تیرا کہنا مجھے تسلیم ہے
میں مانتی ہوں
اس نے میری ذات کو بے حد نوازا ہے
خدائے بزرگ و برتر کے سامنے
میں بھی دعا گو ہوں، سراپا شکر ہوں
اس نے مجھے اتنا بہت کچھ دے دیا لیکن
تجھے دے دے تو میں جانوں!!!
اقصیٰ بٹ: کی ڈائری سے وصی شاہ کی نظم
"لاسٹ کال"
کل ہمیشہ کی طرح اس نے کہا یہ فون پر
میں بہت مصروف ہوں مجھ کو بہت سے کام ہیں
اس لیے تم آؤ ملنے میں تو آ سکتی نہیں
ہر روایت توڑ کر اس بار میں نے کہہ دیا
تم جو مصروف ہو تو میں بھی بہت مصروف ہوں
تم جو مشہور ہو تو میں بھی بہت معروف ہوں
تم اگر غمگین ہو تو میں بھی بہت رنجور ہوں
تم تھکن سے چور ہو تو میں بھی تھکن سے چور ہوں
جان من ہے وقت میرا بھی بہت ہی قیمتی
کچھ پرانے دوستوں نے ملنے آنا ہے ابھی
میں بھی اب فارغ نہیں مجھ کو بھی لاکھوں کام ہیں
ورنہ کہنے کو تو سب لمحے تمہارے نام ہیں
میری آنکھیں بھی بہت بوجھل ہیں سونا ہے مجھے
رتجگوں کے بعد اب نیندوں میں کھونا ہے مجھے
میں ہوا اپنی اناؤں کا بہا نہیں سکتا
تم نہیں آتیں تو ملنے میں بھی نہیں آ سکتا
اس کو یہ کہہ کے میں نے ریسیور رکھ دیا
اور پھر اپنی انا کے پاؤں پہ سر رکھ دیا۔
سارا حیدر: کی ڈائری سے امجد سلام امجد کی نظم
میں اس کا نام لیتا ہوں
تو ہونٹوں پر تبسم کی
دھنک لہرانے لگتی ہے
میں اس کو یاد کرتا ہوں
تو اک مانوس سی خوشبو
مجھے مہکانے لگتی ہے
وہ میرے دل میں رہتا ہے گل امید کی صورت
زمانے کی شب تاریک میں خورشید کی صورت
شہر یار بانو: کی ڈائری سے ایک غزل
عرصہ ہوا کہ لکھا نہیں تم نے اب تم کیسے ہو
ساتھی ملے ہیں تم کو کیسے کام جہاں پر کرتے ہو
اس سمت وہ موسم آیا ہے ساون کا جو پہلے آتا ہے
شہر کی بارش کیسی ہے جس شہر میں اب تم رہتے ہو
کوئی دوست وہاں بنا ہے جسے دل کا حال کہو
اس کو میری آنکھیں بخشو جس کو تم بھی دیکھتے ہو
کوئی وہاں پر ایسا ہے جو ساری دعائیں تم کو دے
مدت سے معلوم نہیں کچھ لکھو مجھ کو اچھے ہو
جس رشتے سے ہم پاگل تھے وہ نسبت ابھی باقی ہے
مجھ کو پگلی کہنے والے تم تو ابھی تک پاگل ہو
اپنا حال سناؤں کیا کچھ سننا ہے تو یہ سن لو
رستہ میں یوں دیکھتی ہوں جیسے کہ ابھی تم آتے ہو
رمشہ ظفر: کی ڈائری سے ایک غزل
محبت خوبصورت ہے
اک خواب ہو جیسے
محبت کھولتے جاؤ
کوئی کتاب ہو جیسے
محبت ہے تھکن دیتی
لگے سراب ہو جیسے
محبت زندگی کا ہی
کوئی باب ہو جیسے
محبت خوشبو رکھتی ہے
کوئی گلاب ہو جیسے
لگے کہ آب ہو جیسے
محبت کرنے والا تو
بہت بے تاب ہو جیسے

کبھی یہ دکھ بھی دیتی ہے
لگے عذاب ہو جیسے

عاصمہ سرور: کی ڈائری سے ایک غزل

میں اس حصار سے نکلوں تو کچھ اور سوچوں
تمہارے پیار سے نکلوں تو کچھ اور سوچوں
تری گلی کے علاوہ بھی اور کوچے ہیں
میں اس دیار سے نکلوں تو کچھ اور سوچوں
تمہارے ہجر کی صدیاں تمہارے وصل کے دن
جو اس شمار سے نکلوں تو کچھ اور سوچوں
رچا ہوا ہے تیرا عشق میرے پوروں میں
میں اس خمار سے نکلوں تو کچھ اور سوچوں
تمہارے جسم کی خوشبو نے کر دیا محصوز
اس آبشار سے نکلوں تو کچھ اور سوچوں
یہ بیقراری تری روح کا اجالا ہے
میں اس قرار سے نکلوں تو کچھ اور سوچوں

فرح راؤ: کی ڈائری سے ایک نظم

''سپنا آگے جاتا کیسے؟''

چھوٹا سا اک گاؤں تھا جس میں
دیے تھے کم اور بہت اندھیرا
اتنی بڑی تنہائی تھی جس میں
جاگتا رہتا تھا دل میرا
بہت قدیم فراق جس میں
ایک مقرر حد سے آگے
سوچ نہ سکتا تھا دل میرا
ایسی صورت نہ پھر دل کو
دھیان آتا کس خواب میں تیرا
راز جو حد سے باہر تھا
اپنا آپ دکھاتا کیسے
سپنے کی بھی حد تھی آخر
سپنا آگے جاتا کیسے

رابعہ ارشد: کی ڈائری سے ایک نظم

''بہاریں''

مارچ اپریل کے دن بھی
کتنے عجیب ہوتے ہیں
جب جب پھول کھلتے ہیں
دل مرجھانے لگتے ہیں
کچھ بچھڑے لوگ یاد آنے لگتے ہیں
یوں تو بھری بہار میں ہر طرف خوشبو ہوتی ہے
دل کو نہ جانے کس کی جستجو ہوتی ہے
جب بھی یہ مہکی فضا یاد آتی ہیں
گزرا وقت یاد دلاتی ہیں
یہ جو ہر طرف گل کھلے ہوتے ہیں
دل میں یادوں کے نشتر چبھتے ہیں
کون کہتا ہے
بہاریں خوشیاں لاتی ہیں
یہ تو اداسیوں سے دامن بھر جاتی ہیں

مسرت مصباح: کی ڈائری سے ایک نظم

''چلو اب مان بھی جاؤ''

تیرا یوں روٹھنا
اس موسم گل میں کیا بتلائیں
کہ ہم سے دل فگاروں کو بڑی تکلیف دیتا ہے
تیرا یوں روٹھنا ہمدم
کہاں تک ٹھیک ہے سوچو
ابھی تو عشق پہ اپنے بہار بس ایک گزری ہے
ابھی سے روٹھ جانا یوں تیرا معنی کیا رکھتا ہے
تیرا یوں روٹھنا جاناں
کہ دل پہ بار ہے اپنے
ابھی تو کتاب زیست کے
بہت اوراق خالی ہیں
انہیں رنگوں سے بھرنا ہے
مری مانو تو آ جاؤ سفر بہت سا کرنا ہے
یہ ساری خواہشیں دل کی
خدارا جان بھی جاؤ
چلو اب مان بھی جاؤ

علینہ طارق: کی ڈائری سے ایک غزل

تراش کر مرے بازو، اڑان چھوڑ گیا
ہوا کے پاس برہنہ کمان چھوڑ گیا
رفاقتوں کا مری اس کو دھیان کتنا تھا

زمین لے لی مگر آسمان چھوڑ گیا
عجیب شخص تھا، بارش کا رنگ دیکھ کے بھی
کھلے دریچے میں ایک پھول دان چھوڑ گیا
جو بادلوں سے بھی مجھ کو چھپائے رکھتا تھا
بڑھی ہے دھوپ تو بے سائبان چھوڑ گیا
نہ جانے کون سا آسیب دل میں بستا ہے
کہ جو بھی ٹھہرا وہ آخر مکان چھوڑ گیا

شمائل وہاب: کی ڈائری سے ایک غزل

آؤ کہ آج غور کریں اس سوال پر
دیکھے تھے ہم نے جو وہ حسین خواب کیا ہوئے
دولت بڑھی تو ملک میں افلاس کیوں بڑھا
خوشحالی عوام کے اسباب کیا ہوئے
جمہوریت نواز، بشر دوست، امن خواہ
خود کو جو خود دیے تھے القاب کیا ہوئے
مذہب کا روگ آج بھی کیوں لا علاج ہے
وہ نسخہ ہائے نادر و نایاب کیا ہوئے
کوچہ کوچہ شعلہ زار ہے ہر شہر قتل گاہ
یکجہتی حیات کے آداب کیا ہوئے
صحرائے تیرگی میں بھٹکتی ہے زندگی
ابھرے تھے جو افق پہ وہ مہتاب کیا ہوئے

شازیہ نواب: کی ڈائری سے ایک غزل

آنکھوں کے اضطراب نے جینے نہیں دیا
اک حسن لا جواب نے جینے نہیں دیا

افشاں اشرف: کی ڈائری سے ایک غزل

ہر آن میری آنکھ میں منظر وہی رہا
مجھ کو کسی کے خواب نے جینے نہیں دیا
اپنوں نے اپنے شہر سے جب دربدر کیا
ہجرت کے پھر عذاب نے جینے نہیں دیا
کانٹوں سے کٹ گئیں مری انگلیاں سبھی
پھولوں کے انتخاب نے جینے نہیں دیا
آکاش سے حکیم زمیں پر جب آ گیا
شہرت کے آفتاب نے جینے نہیں دیا
تلاش رزق میں بھٹکی ہوئی تکان کے بعد
پرندے اپنے گھروں کو پلٹنا چاہتے ہیں
ہمیں نہ دیکھ زمانے کی گرد آنکھوں سے
تجھے خبر نہیں ہم تجھ کو کتنا چاہتے ہیں
وفا ہے شرط تو پھر اپنے درمیاں اب بھی
یہ لوگ کس لئے دیوار رکھنا چاہتے ہیں
امیر شہر سلامت، مصاحبان سمیت
ہم اہل صبر اب ان سے مکرنا چاہتے ہیں

تحسین اختر: کی ڈائری سے ایک نظم

''محبت مر رہی ہے''

وہی میرے دل کی تیرے خیالوں سے
شاداب دھڑکن ہے
وہی تیرے تصور کو سوچتی میری آنکھ
دعائیں کرتی ہے
وہی شب ہے، وہی سب ہے
وہی دن ہیں، وہی تحن ہے
وہی بھیگی شامیں، اب اداس ہیں
وہی شناسا راستے محو آس ہیں
وہی گلریز ہنسی تیری منتظر ہے

☆☆☆

''اعتزاز''

ہماری مصنفہ سندس جبیں علیل ہے، اسی وجہ سے وہ اس ماہ ''کاسہ دل'' کی قسط نہیں لکھ پائی، قارئین سے سندس جبیں کی صحت یابی کے لئے دعا کی درخواست ہے

حنا کی محفل

عین غین

افشاں اشرف ---- عارف والا

س: عین غین بھیا دل کا دروازہ کس طرف ہوتا ہے؟

ج: آنکھوں کی طرف۔

س: عین غین بھیا سر پر کتنے بال ہوتے ہیں؟ اگر آپ کے ہیں تو گن کر بتائیں؟

ج: جتنے آسمان پر ستارے نظر آتے ہیں اگر آپ کی آنکھیں ہیں تو گن لیں۔

س: عین غین بھیا سنا ہے آپ اپریل میں اپنی سوویں سالگرہ منا رہے ہیں؟ کیا واقعی؟

ج: یہ آپ کو خواب آیا ہے۔

س: عین غین یکم اپریل کو ''ان'' سے کیا شرارت کروں؟

ج: ''ان'' کے سامنے آجانا وہ ڈر جائیں گے۔

نائلہ ہارون ---- حافظ آباد دٹی

س: ''مدت ہوئی ہے آپ کو پریشان کیے ہوئے'' اگلا مصرع لکھیں تو جانیں؟

ج: اس لیے پھر تنگ کرنے آگئے ہیں ہم۔

س: انو غنو جی کل آپ کو انگلیوں پہ کون نچا رہا تھا؟

ج: وہی جو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں پر آپ کو نچا رہا تھا۔

س: میرے بی اے کے پیپرز سر پر ہیں کوئی جلدی سے ایسا وظیفہ بتائیں پیپرز بھی دے دوں اور فیل بھی نہ ہوں؟

ج: محنت کا وظیفہ کرو۔

س: اصول اور فضول میں کیا بنیادی فرق ہے؟

ج: اگر اصول آپ کو اچھا انسان بناتا ہے تو اصول ہے وگرنہ فضول ہے۔

سارا رمضان ---- ملیر کالونی

س: عقلمندی اور بیوقوفی میں کتنا فاصلہ ہے؟

ج: بہت کم۔

س: کبھی کی دن بڑے کبھی کی راتیں، آپ کا کیا خیال ہے؟

ج: نیک خیال ہے۔

رابعہ اسلم ---- رحیم یار خان

س: مائیکل جیکسن کی روح یہ بتا کل تو لنڈے بازار کی طرف کیوں جا رہا تھا؟

ج: تمہاری تلاش میں۔

س: ہائے ٹونی ناراض تو مت ہو بات سنو نجانے کیوں تم بڑے اپنے اپنے سے لگتے ہو؟

ج: لگتا ہے کہ ٹونی کا خط تم نے غلطی سے مجھے بھیج دیا ہے ویسے یہ ٹونی تمہیں اپنا کیوں لگتا ہے کہیں تم بھی تو......؟

س: اپنی ایک تصویر لفافے میں رکھ کر بھجوا دو؟

ج: تصویر کا کیا کرنا ہے۔

س: سن وے بلوری اکھ والیا...... بھلا کیا؟

ج: آگے پورا گانا سن لو۔

س: میرا شعور بہلتا نہیں ہے لفظوں سے؟

ج: رحیم یار خان بہت دور ہے کیا کروں۔

سمیرا انور ---- رحیم یار خان

س: صرف ایک بات پوچھنا تھی اگر محبت پر ٹیکس لگ جائے تو؟

ج: گرلز کالجوں کے دروازے سے رش ختم ہو جائے گا۔

فارہ حیدر ---- سرگودھا

س: مسٹر عبداللہ ایک مدت بعد اس محفل میں حاضر ہوئی ہوں کیا سماچار ہیں کیسے رہے اتنا عرصہ کیا کبھی ہماری یاد آئی؟

ج: دوبارہ خوش آمدید، سماچار سننے ہیں تو ٹی وی لگا لو۔

س: تمہاری سوال پہ سوال کرنے کی عادت نہ گئی پچھلی بار آمنہ کاظمی نے پوچھا دنیا تمہیں اس موڑ پہ لے آئی گی تمہارا جواب تھا کس موڑ پر جواب دیا کرو سوال نہ کیا کرو؟

ج: یہ تم آمنہ کاظمی کی طرف سے کیوں پوچھ رہے ہو......؟

س: میری روح کی دھرتی پر ہی دکھوں کی فصل کیوں لگتی ہے؟

ج: دھرتی پر جس کا بیج بوؤ گے وہی فصل اگے گی۔

س: اجاڑنے والے بھی کیوں اکثر بھول جاتے ہیں؟

ج: اگر بھولیں نہ تو ان کا جینا حرام ہو جائے۔

رابعہ نورین ---- عارف والا

س: ہیلو مسٹر غین تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے ایک ہاتھ سے کیوں نہیں؟

ج: ایک ہاتھ سے بھی بج سکتی ہے ذرا ہاتھ زور سے اپنے منہ پر تو مارو۔

س: اے مسٹر عورت یہ کب کہتی ہے ''لگیاں دے دکھ وکھرے''؟

ج: جب کوئی تم جیسا ایک ہاتھ سے تالی بجانے کی کوشش کرتا ہے۔

س: ارے دل دے جانی ناراض ہو گئے ہون تینوں لگن تے فیر میں پوچھاں؟

ج: میں نے ناراض کیوں ہونا ہے تالی تو تم نے بجائی ہے۔

اقرا صغیر ---- فیصل آباد

س: عین غین جی قربانی کے جانور کو تو اس لیے سجایا جاتا ہے کہ اس کا آخری وقت قریب ہوتا ہے مگر دلہن کو اس طرح سجانا کیا ظاہر کرتا ہے؟

ج: کہ دولہے کا وقت قریب ہے۔

س: عین غین جی میری ساس مجھے اس واسطے اپنا بیٹا نہیں سمجھتیں کیونکہ پھر میں ان کی بیٹی کا بھائی لگوں گا پلیز اس کا کوئی حل بتایئے؟

ج: تم بھی اپنی ساس کو ماں نہ سمجھنا ورنہ ان کی بیٹی تمہاری بہن لگے گی۔

س: لگتا ہے بڑھاپے نے آپ کے جواب دینے کی سکت پر قبضہ جما لیا ہے اگر ایسا ہے تو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم مر گئے ہیں کیا؟

ج: اسی کی تو فکر ہے۔

س: کہتے ہیں کہ کسی کو ذلیل کرنا ہو تو اسے الیکشن میں کھڑا کر دیں یا پاکستانی کرکٹ ٹیم کا کپتان بنا دیں، ان دونوں میں سے آپ کون سی سیٹ لینا پسند کریں گے؟ (صرف اپنی بات کرنی ہے)

ج: میں تو کرکٹ ٹیم کا کپتان بننا پسند کروں گا کیونکہ الیکشن میں کھڑے ہو کر جو تمہارے ساتھ ہوا ہے اس کے بعد تو میری توبہ۔

مہناز کوثر سومرو ---- رحیم یار خان

س: عین غین جی آداب محبت؟

ج: تسلیم۔

س: محبت میں دل ہی کی چلتی ہے دماغ کیوں نہیں؟

ج: اگر دماغ کی چلتی ہوتی تو تم ایسے سوال نہ کرتے۔

☆☆☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

چکن نگٹس

اشیاء

چکن بوٹی (کیوبز بنالیں)	آدھا کلو
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
بل روٹی کا چورا	ایک پیکٹ
یدہ	آدھی پیالی
چکن کیوب ملا ہوا میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
فید مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
ڈے	دو عدد
ک	حسب ضرورت
ل	حسب ضرورت

کیب

چکن میں تمام مصالحہ جات شامل کر لیں، ھی طرح ملا کر آدھے گھنٹے کے لئے رکھ دیں، ب کڑاہی میں تیل گرم کریں، جب گرم ہو ئے تو چکن میں ڈبل روٹی کا چورا لگا کر ہلکی آنچ ں ڈیپ فرائی کریں، جب گولڈن ہو جائیں تو ل کر اخبار پر رکھیں اور ایک چٹکی بیسن چھڑک ں۔

بیف روسٹ

یاء

ئے کا گوشت کا ایک ٹکڑا	دو سے ڈھائی کلو
ید سرکہ	آدھی پیالی
یا ساس	دو کھانے کے چمچے
ک، لہسن پسا ہوا	دو کھانے کے چمچے
ں	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
لیموں	چھ عدد

ترکیب

گوشت کو اچھی طرح دھو کر سارے مصالحہ جات گوشت میں لگا کر کانٹے سے گود لیں اور ایک گھنٹے کے لئے رکھ دیں، ایک دیگچی لے کر مصالحہ لگا گوشت ڈال کر اتنا پانی ڈالیں کہ گوشت پانی میں ڈوب جائے ہلکی آنچ میں ڈھانک کر پکنے دیں، جب پانی خشک ہو جائے تو چھری لگا کر دیکھیں کہ گوشت گل گیا کہ نہیں، اگر کم گلا ہو تو پھر سے گرم پانی ڈال دیں، جب پانی خشک ہو جائے تو ایک کھانے کا چمچہ سویا ساس اور ڈال دیں، مزے دار بیف روسٹ تیار ہے۔

ڈرم اسٹکس

اشیاء

چکن ونگز (ڈرم اسٹکس بنوالیں)	ایک کلو
چکن کیوب ملا ہوا میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
میدہ	آدھی پیالی
انڈے	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
سفید مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
بیکنگ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب

ایک بڑے پیالے میں ڈرا اسٹکس اور

ساری اشیا اچھی طرح ملا کر ایک گھنٹے کے لئے رکھ دیں، ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں، جب گرم ہو جائے تو ڈرم اسٹکس ڈال کر ہلکی آنچ پر ڈیپ فرائی کر لیں، چمچہ چلاتی رہیں، جب گولڈن براؤن ہو جائیں تو نکال کر اخبار میں پھیلا کر رکھ دیں تا کہ چکنائی جذب ہو جائے، ایک چٹکی بیسن چھڑک دیں۔

فروٹ چاٹ

اشیاء

کیلے	دو عدد
سیب	دو عدد
خربوزہ	ایک عدد
انار	دو عدد
آڑو	دو عدد
انگور بڑے والے	بیس دانے
چینی	ایک پیالی
پانی	ایک پیالی
لیموں	تین عدد
چاٹ مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ
سفید مرچ پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب

ایک طعام چینی یا اسٹیل کی دیگچی لے کر چینی اور پانی ملا کر شیرا پکا لیں، تار بننے سے پہلے اتار لیں، سارے پھل اچھی طرح سے دھو کر چھیل لیں اور چھوٹے چھوٹے چوکور ٹکڑے کاٹ لیں، جب شیرا ٹھنڈا ہو جائے تو ایک لیموں کا رس ڈال دیں، کٹ ہوئے پھلوں پر بھی لیموں کا رس ڈال دیں، تھوڑی سی چینی چھڑک دیں تا کہ کالے نہ ہو جائیں، ٹھنڈے شیرے میں پھل ڈال کر فریج میں رکھ دیں، جب کھانے کے لئے پیش کرنا ہو تو چاٹ مصالحہ اور کالی مرچ چھڑک دیں۔

سادا پلاؤ

اشیاء

بکرے کا گوشت	ایک کلو
باسمتی چاول	تین پیالی
ادرک	ایک چھوٹا سا ٹکڑا
لہسن بغیر چھلا ہوا	ایک ڈلی
نمک	حسب ذائقہ
دھنیا ثابت	ایک کھانے کا چمچہ
سونف	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
بڑی الائچی	دو عدد
تیز پات	دو عدد
پیاز (ثابت رکھیں)	دو عدد

ترکیب

ایک دیگچی میں گوشت چار گلاس پانی اور تمام اشیا سوائے پیاز، لہسن اور ادرک کے باقی تمام اشیا پوٹلی میں باندھ کر ڈالیں، ڈال کر ہلکی آنچ میں یخنی تیار کر لیں، جب گوشت گل جائے تو یخنی تیار ہے۔

پلاؤ بگھارنے کے لئے:

اشیاء

پیاز باریک کٹی ہوئی	چار ڈلی
ادرک، لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
چھوٹی الائچی	چھ عدد
ہری مرچ	چار عدد
سیاہ زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سفید سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
تیل، گھی	ایک پیالی

ترکیب

ایک دیگچی میں تیل ڈال کر پیاز گولڈن براؤن کرلیں جب گولڈن براؤن ہو جائے تو آدھی نکال کر اخبار پر پھیلا دیں تاکہ خستہ ہو جائے، تیار کی ہوئی یخنی سے گوشت نکال لیں اور یخنی چھان لیں، پیاز لہسن کو دبا دبا کر سارا عرق نکال لیں، آدھی تلی پیاز میں ادرک، لہسن، دہی، سیاہ زیرہ، ہری مرچ اور چھوٹی الائچی ڈال کر ہلکا سا بھن کر گوشت ڈال دیں دوبارہ سے ہلکا سا بھون کر یخنی ڈال دیں جب یخنی میں جوش آ جائے تو بھیگے ہوئے چاول کا پانی نکال کر ڈالیں نمک اور سرکہ ڈال کر چمچہ چلا کر ڈھکن ڈھانک دیں، جب پانی خشک ہونے لگے تو دیگچی کو توے کے اوپر ہلکی آنچ میں دم پر رکھ دیں جب بھاپ اوپر آ جائے تو تیار ہے، پیش کرتے وقت تلی ہوئی پیاز پلاؤ کے اوپر ڈال دیں، دہی کا رائتا اور اچار ساتھ رکھیں، جب بھی اس طریقے سے چاول پکائیں دھیان رہے کہ چاول کا پانی تقریباً ایک ڈیڑھ انچ اوپر ہونا چاہیے چاول کھلے کھلے پکیں گے۔

دہی میں سوکھی ہوئی ہری مرچیں

اشیاء

ہری مرچ — ایک کلو

(درمیانے سائز کی اچھی طرح دھو کر کپڑے سے پونچھ کر خشک کرلیں اور چیرا لگالیں۔)

نمک — ڈیڑھ کھانے کا چمچہ

ادرک لہسن پسا ہوا — دو کھانے کے چمچے

سفید زیرہ کٹا ہوا — ایک کھانے کا چمچہ

بھنے ہوئے چنے (باریک پیس لیں) دو کھانے کے چمچے

دہی — ڈیڑھ کلو

ترکیب

ایک دیگچی میں دہی اور ایک گلاس پانی، زیرہ، چنے، نمک، ادرک اور لہسن اچھی طرح ملائیں، دھلی اور خشک مرچیں وہی میں ڈال دیں۔

یہ دھیان رکھیں کہ مرچیں دہی میں ڈوبی ہوئی ہوں، دھوپ میں دیگچی باہر رکھ دیں ڈھکن ڈھانک دیں، شام کے پہلے دیگچی اندر رکھ دیں، دو تین دن اسی طریقے سے دیگچی اندر باہر رکھتے رہیں، تین دن بعد مرچوں کو دہی سے نکال کر کسی بڑی تھالی میں ڈال کر دھوپ میں سکھالیں، ایک دو دن دھوپ میں رکھیں رات میں اندر، جب بالکل سوکھ جائیں تو مرتبان میں بند کرکے رکھ لیں، یہ مرچیں کئی دن تک استعمال کر سکتے ہیں، جب کھانا ہو تو تھوڑی مرچیں نکال کر کم تیل میں تل لیں، جب براؤن ہو جائیں تو نکال کر کھائیں بے حد خستہ اور مزے دار مرچیں تیار رہیں۔

ڈرائی بیف چلیز

اشیاء

گائے کا گوشت — ایک کلو

بڑے بڑے ٹکڑے کروالیں، ایک سے دو گھنٹوں کے لئے فریز کردیں۔

ہری مرچ — پندرہ عدد

(بیج نکال کر لمبی لمبی باریک کٹی ہوئی)

سویا ساس — دو کھانے کے چمچے

کارن فلور — ایک چائے کا چمچہ

کالی مرچ (کٹی ہوئی) — ایک چائے کا چمچہ

سفید مرچ (پسی ہوئی) — ایک چائے کا چمچہ

چینی — ایک چائے کا چمچہ

چکن کیوب ملا ہوا میدہ — ایک چائے کا چمچہ

سفید سرکہ — ایک چائے کا چمچہ

لہسن کے جوے چھلے ہوئے آٹھ عدد

باریک چل لیں

تیل — چار کھانے کے چمچے

تل کا تیل — چند قطرے

ترکیب

فریز کیے ہوئے ٹکڑے نکال کر تیز چھری کے ساتھ باریک پارچے کاٹ لیں پھر ان پارچوں میں نمک، چینی، کالی اور سفید مرچ، سویا ساس، سرکہ، لہسن، کارن فلور اور میدہ ڈال کر اچھی طرح ملا کر ایک گھنٹے کے لئے رکھ لیں، جب کھانا نکالنا ہو تو ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں پھر مصالحہ لگے پارچے ڈال کر تیز آنچ پر فرائی کرلیں جب پانی خشک ہونے لگے تو آنچ ہلکی کر دیں، دوسرے فرائنگ پین میں ایک کھانے کا چمچہ تیل ڈال کر ہری مرچوں کو فرائی کر کے گوشت میں ڈال دیں پھر تل کا تیل ڈال کر گرم گرم کھانے کے لئے پیش کریں۔

ہنٹر بیف

اشیاء

گائے کی ران کا گوشت بغیر ہڈی کا تین کلو

املی کا رس یا سرکہ — دو بڑے چمچے

قلمی شورہ — ایک چٹکی

نمک — آدھ پاؤ حسب منشاء

سنگترے کا رس — ایک پیالی

گرم مصالحہ پسا ہوا — ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

قلمی شورے کو الٹے توے پر رکھ کر ہلکا سا جلا لیں، جب ٹھنڈا ہو جائے تو پیس لیں اور گوشت کے ٹکڑے پر خوب ملیں، سارے مصالحے نمک اور سنگترے کے رس میں گھولیں، ایک بڑے برتن میں گوشت کا ثابت ٹکڑا رکھ کر اس کے اوپر یہ مصالحے کا اور سنگترے کا بنایا ہوا محلول الٹ دیں گوشت پر رس لگا لگا کر بیس تا پچیس منٹ تک خوب کانٹا ماریں، تاکہ رس اور مصالحہ اندر تک رچ جائے، اب یہ گوشت تین دن کے لئے فریج میں نسبتاً ٹھنڈی جگہ پر رکھ دیں اور روز الٹ پلٹ کر کانٹے سے خوب گودیں۔

چوتھے دن پانی ڈال کر گوشت کو گلا لیں، گوشت گل جائے تو پانی جلا کر گوشت بالکل خشک کرلیں، ہنٹر بیف تیار ہے قتلے کر کے سلاد یا چٹنی کے ساتھ تناول فرمائیں۔

باربی کیو فش

اشیاء

مچھلی — آدھا کلو (قتلے)

لیموں — ایک عدد

نمک — ایک چھوٹا چمچہ

سرخ مرچ — آدھا چھوٹا چمچہ

مکھن — ایک بڑا چمچہ

ترکیب

مچھلی کو نمک مرچ اور لیموں لگا کر رکھ دیں، مچھلی پر مکھن لگائیں اور انگیٹھی کی سلاخوں پر رکھ دیں، گرم انگیٹھی سے مچھلی چار یا چھ انچ دور رہے، پہلے ایک طرف سرخ کریں اور پر مکھن لگائیں پھر دوسری طرف سرخ کر کے مکھن لگا کر تاری جائیں، اس طرح کی مچھلی آپ کوئلوں کی آگ پر بھی بھون سکتی ہیں، کسی بھی ساس کے ساتھ پیش کریں۔

☆☆☆

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ کی خوشیوں اور سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

مارچ کا مہینہ بہاروں کی آمد اور موسم بدلنے کا مژدہ سناتا ہے، خزاں کے بعد بہار اور سردی کے بعد گرمی، قدرت کا یہ نظام روز اول سے یونہی چلا آرہا ہے، ایک کے بعد ایک موسم بدلتے رہتے ہیں، وقت کا کام گزرنا ہے اور یہ گزرتا چلا جارہا ہے یہ آگے کی طرف رواں رہتا ہے، پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا، نہ یہ رکتا ہے نہ پلٹتا ہے، جو اس کے ساتھ نہیں چلتا وہ پیچھے رہ جاتا ہے، ترقی اور کامیابی اس کی منزل ہے، لیکن ترقی صرف وہی ہے جو صحیح راستے سے ہمیں اپنی منزل کی طرف لے جارہی ہو، جو حرکت منزل کے برعکس سمت لے جائے وہ ترقی نہیں تنزلی ہے۔

آنے والی ہر صبح کا سورج ایک خوشگوار امید کے ساتھ طلوع ہوتا ہے، آسودگی، خوشحالی اور مسرتوں کی بہار اور کچھ ناخوشگوار واقعات کے ساتھ ہمارا ملک بہت سارے مدوجزر سے گزرتا رہا ہے، یہ ابھی ترقی کی منازل طے کررہا ہے، اسے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے، جو لوگ اپنی ذمہ داریوں کو ایمانداری سے نبھاتے ہیں، ان کا نام تاریخ کے صفات میں لوگوں کے دلوں اور افسانوں کی یادداشت میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذمہ داریاں بہ احسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

آپ کے خطوط کی جانب بڑھنے سے پہلے وہی ایک اچھی بات کہ درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد، کثرت سے کریں۔

بے شک اللہ اور اس کے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر میں ہی ہمارے دلوں کا سکون پوشیدہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل صالح کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

یہ پہلا خط ہمیں رابعہ نواز کا جہلم سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

فروری کے حنا نے لیٹ دیدار کرانے کے اگلے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے، مگر جونہی حنا کے ٹائٹل پر نظر پڑی دل کھل اٹھا، صنم جھنگ اپنی خوبصورت مگر دھیمی سی مسکراہٹ بکھیرتی نظر آئیں، سب سے پہلے حمد ونعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے مستفید ہوئے، پھر انشاء جی کے ساتھ، "بادشاہت کی تلاش" میں نکلے کہ اچانک یاد آیا اب تم ہمارے ملک بھی بادشاہت ہی ہے، آگے بڑھے اور حمیرا خان سے ملے جہاں حمیرا کے ہر لفظ میں اپنے بھائی کے لئے محبت چھپی ہوئی تھی خوش رہیں حمیرا، اللہ تعالیٰ آپ بہن بھائیوں کی محبت تاعمر یونہی قائم ودائم رکھے آمین، اس کے بعد اُم مریم کے ناول "تم آخری جزیرہ ہو" میں جا پہنچے، ہمیشہ کی طرح اس ماہ بھی پسند آئی، فوزیہ غزل کا ناول "وہ ستارہ صبح امید کا" اس ماہ اختتام کو پہنچا اور فوزیہ کے اس

ناول شروع سے آخر تک قارئین کو اپنی گرفت میں رکھا، بہت سی تحقیق فوزیہ کی معلومات خصوصاً دوسرے مذاہب کے بارے میں بہت اچھی رہی۔

فوزیہ نے اپنے ہر کردار کے ساتھ انصاف کیا اور تحریر کے کسی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا، ویلڈن فوزیہ جی اتنی اچھی تحریر لکھنے پر، حنا میں یونہی اپنی تحریروں کی خوشبو بکھیرتی رہیے گا۔

اب بات ہو جائے "کاسہ دل" کی، سندس جبیں بھی اچھا لکھ رہی ہیں، بہت سارے کردار واقعات ایک ساتھ ساتھ لے کر چلنا، بہت خوب تحریر پر آپ کی توجہ اور محنت بہت نمایاں نظر آتی ہے، خالدہ نثار کا ناولٹ بھی اچھی کاوش تھی مصنفہ کی۔

سدرۃ المنتہیٰ کا "اک جہاں اور ہے" ابھی تک تو کافی الجھا ہوا ہے، دیکھتے ہیں آگے چل کر کس جہاں سے متعارف کروائی ہیں سدرۃ صاحبہ، افسانوں میں سائرہ غفار کا "ننو کی گڑیا" اور کنول ریاض کا "گندے لوگ" نمایاں رہے، جبکہ یسمی کرن اور سباس گل کے افسانوں کا موضوع بھی بے حد اہم تھا اور ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت، ثمینہ بٹ اور فرح طاہر نے بھی اچھا لکھا، مکمل ناول میں صدف اعجاز کا "محبت کا گمان" کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکا جبکہ مصباح نوشین کی تحریر بے حد تلخ تھی۔

مستقل سلسلے بھی بے حد اچھے تھے خصوصاً "چٹکیاں" کے نام سے جو نیا سلسلہ شروع کیا گیا ہے بے حد پسند آیا، چند سطروں میں بڑی بات کرنا اور بھی ایسے کہ سمجھ کے سارے دروا کرتی چلی جائے، شگفتہ سید صاحبہ اتنا اچھا سلسلہ شروع کرنے پر مبارک باد قبول کریں، "کتاب نگر" سے یسمی کرن صاحبہ، ثمینہ دورانی صاحبہ کی داستان حیات کے ساتھ نظر آئیں، یسمی صاحبہ نے اچھا تبصرہ لکھا۔

باقی حاصل مطالعہ، رنگ حنا، ڈائری، بیاض، حنا کا دستر خوان بھی سلسلے شاندار رہے، کس قیامت کے یہ نامے کے بارے میں کیا کہیں فوزیہ آپی نے محبتوں کی ڈور میں سب کو باندھ رکھا ہے۔

آپی پلیز آپ ہمیں سدرۃ المنتہیٰ اور سندس جبیں سے بھی ملوائیں۔

رابعہ نواز کیسی ہیں آپ؟ کہاں رہیں اتنا عرصہ، فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی پسندیدگی مصنفین کو پہنچا دی ہے، ادھر دیکھئے وہ بھی سب بھی مسکرا کر آپ کا شکریہ ادا کر رہی ہیں، یہ محفل آپ سب پھول جیسے قارئین کی خوشبو سے مہکتی ہے، آپ سب کی پر خلوص رائے ہمارے لئے بے حد قیمتی ہے، اپنی رائے اور تجاویز سے نوازتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

نازیہ سعید: کراچی سے لکھتی ہیں۔

فروری کے حنا کا ٹائٹل بے حد پسند آیا، سارہ سی جنگ بہت اچھی لگ رہی تھیں، صفحات پلٹے اور جلدی سے اُم مریم کو پڑھا، اس کے بعد فوزیہ غزل کے ناول کی آخری قسط پڑی دونوں مصنفین نے تحریر کے ساتھ انصاف کیا، ناولٹ دونوں ہی اچھے تھے جبکہ افسانوں میں "ننو کی گڑیا" اور "دیے سے دیا جلے" بے حد پسند آئے، مکمل ناول مصباح نوشین کا بہتر لگا، صدف اعجاز کی تحریر کچھ خاص پسند نہیں آئی، اس ماہ ہم نے حمیرا خان کے شب و روز کے بارے میں جانا، اچھا مگر خاصا مختصر تھا، مستقل سلسلے بھی پسند آئے۔

نازیہ سعید خوش آمدید، حنا کو پسند کرنے کا

شکریہ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

نبیلہ نعمان: لاہور سے لکھتی ہیں۔

فروری کا شمارہ تیرہ کو خوبصورت سرورق سے مزین ملا، پہلے حمد و نعت اور پیارے نبیﷺ کی پیاری باتیں پڑھیں، سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ اس خوبصورت کام کو پیش کرنے پر سید اختر صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے، انکل سردار محمود کی باتیں قابل ستائش تھیں، اس کے بعد حمیرا خان کے روز و شب میں جا پہنچے، ''اک جہاں اور ہے'' ''تم آخری جزیرہ ہو'' اور ''وہ ستارہ صبح امید کا'' تینوں سلسلے وار ناول اس ماہ کی اقساط پسند آئیں، فوزیہ غزل نے بڑے بڑے خوبصورت انداز میں اختتام کیا، ناول میں اصلاح کا بڑا خوبصورت انداز نظر آیا، ناولٹ ''کاسہ دل'' اور ''محبت فاتح عالم'' دونوں ہی پسند آئے، افسانوں میں کس کی تعریف کروں اور کس کی نہ، بے حد مشکل کام ہے اس مرتبہ چھ کے چھ افسانے ہی بہترین تھے وہ چاہے کنول ریاض کا ''گندے لوگ'' ہو یا سباس گل کا ''حی الفلاح'' یا سائرہ غفار کا ''نبو کی گڑیا''، یمی کرن کا ''لبادے'' ثمینہ بٹ کا ''دیے سے دیا جلے'' اور فرح طاہر کا ''تضاد'' ہر افسانہ بہترین تھا، مستقل سلسلے بھی بہترین تھے نیا سلسلہ ''چٹکیاں'' بھی پسند آیا، جبکہ ''کتاب نگر'' سے ثمینہ دورانی کی کتاب ''میرا سائیں'' پر یمی کرن صاحبہ نے کچھ زیادہ ہی ثمینہ صاحبہ کو مظلوم ثابت کرنے کی کوشش کی، بہر حال ہر انسان کی اپنی اپنی پسند ہے۔

نبیلہ نعمان کیسی ہو ڈیئر؟ کافی عرصے سے تمہارا کوئی فون ہی موصول نہیں ہوا اور اس محفل میں کافی عرصے کے بعد آئی ہو خیریت تو تھی نہ؟ فروری کا شمارہ آپ کو پسند آیا ہمیں یہ جان کر اچھا لگا، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہا کریں اپنا خیال رکھیے گا شکریہ۔

ثمینہ بٹ: لاہور سے لکھتی ہیں۔

اس بار حنا نے دیدار کرنے میں بہت انتظار کروایا، ٹائٹل پر ''صنم جھنگ'' اپنی معصومیت اور سادگی کے ساتھ جلوہ افروز اچھی لگیں، اشتہارات کے صفحات تیزی سے پھلانگتے ہوئے سیدھی سردار سر کی باتیں سننے ان کی محفل میں جا پہنچی اور ہمیشہ کی طرح ان کی باتیں بہت اچھی لگی، واقعی اگر ارباب اختیار مخلص ہو کر عوام کے فائدے کے لئے اسکیمیں اور قرضوں وغیرہ کے لئے کچھ کر لیں تو شاید کچھ ہو ہی جائے، ورنہ تو بس اللہ ہی حافظ ہے، اسلامیات والا حصہ حسب معمول بہت روح پرور اور سکون آور رہا جزاک اللہ۔

''ابن انشاء جی'' اس بار ''بادشاہت کی تلاش'' میں سرگرداں نظر آئے اور ان کے ساتھ اس تلاش میں ہم بھی انگلستان جا پہنچے اور پھر انشا جی کے پیچھے پیچھے ہی فرنگستان کے راج پاٹ سے نگاہیں چراتے وطن آ ہی گئے۔

ہمیشہ کی طرح بہت دلچسپ تحریر شگفتہ، شگفتہ سی مگر اپنے اندر بہت گہرائی لئے ہوئے، پھر حمیرا خان سے ملاقات کی، بیچلر لائف کا اپنا ہی مزہ ہے اور حمیرا کے روز و شب بھی بالکل ایسے ہی لگے جیسے عموماً لڑکیوں کے ہوتے ہیں، سادہ سے اور معصوم سے۔

اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے، شگفتہ شاہ کی ''چٹکیاں'' سیدھی دل پر لگیں، کاش کہ ان چٹکیوں سے وہ سوئے ہوئے بے حس ضمیر جاگ سکیں جو سب کچھ جانتے بوجھتے خاموشی کی بکل مار لیتے ہیں، بہت خوب شگفتہ آپ کی آمد اور انداز دونوں بہت پسند آئے۔

کتاب نگر میں اس بار یمی کرن نے ''مینڈا سائیں'' سے ملاقات کروائی، ثمینہ دورانی کی خود نوشت پسند آئی، ''کاسہ دل'' سندس جبیں نے اس بار بھی بہت اچھا لکھا، سارے منظر کچھ کچھ واضح ہوتے جا رہے ہیں، اب دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے، انتظار رہے گا شدت سے، فوزیہ غزل کا ''وہ ستارہ صبح امید کا'' اپنے اختتام کو پہنچا، فوزیہ نے اس ناول میں جس طرح اسلام کی صحیح روح کی نشاندہی کی ہے وہ قابل تحسین ہے جزاک اللہ، اتنے حساس موضوع پر اتنے خوبصورت انداز سے اور اتنے تواتر سے لکھنا کوئی آسان کام بہر حال نہیں تھا۔

تما کرداروں کے ساتھ بھی فوزیہ نے بالکل ٹھیک انصاف کیا، ہر چیز واضح ہو گئی، کوئی تشنگی باقی نہیں رہی، عائشہ اور محمد احمد کا ملن پھر ان کا حج کعبۃ اللہ اور پھر وہاں کے روح پرور مناظر اور فوزیہ کی منظر نگاری، سب مسحور کر دینے والا تھا اور سب سے زیادہ دل کو چھو لینے والا حصہ ناول کے آخری پیرا گراف تھے، زبردست بہت زبردست، فوزیہ غزل آپ کو بہت بہت مبارک ہو، اتنا اچھا ناول لکھنے پر۔

کنول ریاض کا ''گندے لوگ'' ہمارے سو کالڈ صاف ستھرے لوگوں کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ ہی تھا اگر وہ سمجھ پائیں تو، سباس گل کی ''حی الفلاح'' بالکل حالات حاضرہ کی نشاندہی کرتی کہانی تھی۔

شدت تو کسی بھی چیز کی اچھی نہیں ہوتی اگر اعتدال میں رہ کر ہر کام کیا جائے تو سود مند ہے، سائرہ غفار کی ''نبو کی گڑیا'' بھی معاشرے کے سلگتے دکھ پر ایک سلگتی تحریر، غریب کی تو اپنی کوئی زندگی نہیں ہوتی شاید اس معاشرے میں، تو پھر اس کے بچے کیا اور ان بچوں کی خواہشات اور خواب کیا؟ نبو تو پھر بھی بہادر نکلی کہ اپنے ہاتھوں اپنے خواب، اپنی خواہش اپنے باپو کی قبر کے ساتھ ہی دفنا آئی، ورنہ ایسا کرنے کا حوصلہ تو بڑے بڑے جگر والے نہیں کر سکتے، بہت خوب سائرہ جزاک اللہ۔

یمی کرن کی ''لبادے'' بھی اپنے اندر بہت سے پیغام چھپائے ہوئے تھی، فرزانہ اور سنبل کے کرداروں کے ذریعے یمی نے ہمارے معاشرے میں پھیلی ایسی بہت سی اخلاقی اور نفسیاتی بیماریوں کی نشاندہی کی ہے، یمی جی آپ نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بہت اچھے موضوع پر بہت اچھے انداز میں لکھا۔

اب بات کروں گی سدرۃ المنتہیٰ کے ''اک جہاں اور ہے'' کی، سدرۃ ایک بڑا نام، ایک بڑی قلمکار اور ان کے قلم نے ہمیشہ بہترین شاہکار تخلیق کیے ہیں اور ''اک جہاں اور ہے'' یقیناً ان کی ایک اور بہترین تخلیق ہو گی انشاء اللہ، ابھی تو کہانی کا آغاز ہوا ہے، ابھی کرداروں سے تعارف ہو رہا ہے اور کہانی کے نقش و نگار ابھرنا شروع ہوئے ہیں۔

فرح طاہر قریشی کا ''تضاد'' بھی اچھی کاوش لگی، اُم مریم کا ''تم آخری جزیرہ ہو'' اپنے مخصوص انداز اور رفتار سے بڑی کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے، یہ قسط بھی اچھی رہی، ابھی سے شروع ہو گیا، خالدہ نثار کے ناولٹ ''محبت فاتح عالم'' نے خوب رنگ جمایا، بہت خوب خالدہ جی، آپ کی تحریر ہمیشہ کی طرح بہت اچھی تھی۔

مکمل ناول اس بار دو تھے، صدف اعجاز کا ''محبت کا گمان'' صدف بہت اچھا اور خوبصورت ناول لکھنے پر میری طرف سے بہت بہت مبارک باد۔

مصباح نوشین اس بار ''سلگتے خواب، زخمی آنکھیں'' لے آئیں اور چھا گئیں، بہت

خوبصورت اور دل کو چھونے والی تحریر، "شارٹ کٹ" کی تلاش میں جلد سے جلد زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی چاہ میں انسان ہمیشہ ہی خسارے کا سودا کرتا چلا جاتا ہے، حالانکہ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ تقدیر سے زیادہ اور وقت سے پہلے نہ تو کسی کو ملا ہے اور نہ ہی ملے گا، مصباح آپ کی یہ تحریر بھی بہت اچھی رہی۔

ثمینہ بٹ صاحبہ بے حد شکریہ آپ کی محبتوں کا آپ نے ہمیشہ کی طرح بے حد اچھا تبصرہ کیا، لیکن ہماری مجبوری کہ ہم مکمل شائع نہیں کر سکتے، صفحات کی کمی کی بناء پر، آپ ہر مصنفہ کی تحریر کے ہر پہلو کو بڑی خوبصورتی سے سامنے لاتی ہیں ہمیں آپ کا انداز بے حد پسند ہے ہمیشہ یونہی اپنی محبتوں اور حنا کے متعلق اپنی رائے سے نوازتی رہیے گا

ثمینہ شیخ: جڑانوالہ سے لکھتی ہیں۔

سالگرہ نمبر دو بیش قیمت شمارہ تھا، فوزیہ غزل کا ناول بالآخر اپنے اختتام کو پہنچا، فوزیہ کے ناول میں پلاٹ، کردار نگاری، منظر نگاری، اسلوب، نقطہ نظر، ہر چیز مربوط اور مضبوط نظر آئی اور ان کی عرق ریزی سے کی گئی ریسرچ اور بھی واقعات ایک ترتیب سے ہمارے سامنے آئے شگفتہ شاہ کی کہانیاں شروع ہونے پر خوشی ہوئی انہوں نے بڑے حساس مسائل پر قلم اٹھایا ہے سدرۃ المنتہیٰ کا ناول اردو ادب میں ایک خوبصورت اضافہ ہے انہوں نے اپنے ناول کے ہر کردار کی نفسیات کو بیان کرنے میں بڑی مہارت سے کام لیا ہے، ثمینہ بٹ نے محض اک تحریر نہیں لکھی بلکہ ہمیں ایک راہ سجھائی ہے نئی سمت دی ہے، وہ ہی نہیں ہماری ہر مصنفہ اپنے افسانوں کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کرتی نظر آتی ہیں

سارہ غفار اور کنول ریاض نے ایک ہی طبقے کی بہت اچھی تصویر کشی کی ہے فرح طاہر کا تضاد اور نیمی کرن کے لبادے حالات حاضرہ کے مسائل پر اچھی تحریریں تھیں، سپاس گل کا افسانہ بھی اپنے اندر ہمارے لئے سبق لئے ہوئے تھا، محبت کا گمان صدف اعجاز کی اتنی خوبصورت تحریر تھی، کاسہ دل میں سندس جبیں کی خصوصی توجہ نظر آ رہی ہے محبت فاتح عالم اچھی تحریر تھی مصباح نوشین کا مکمل ناول بہت خوبصورت پلاٹ کے ساتھ جلوہ افروز تھا، انہوں نے بہت اچھی طرح واضح کیا کہ دنیا مکافات عمل ہے ہمارا گناہ رائی جتنا ہو یا پہاڑ جتنا ہمیں اس کا حساب دنیا میں ہی دینا پڑتا ہے، ام مریم آپ کے ناول میں اب کوئی ٹوئسٹ نہیں آ رہا اس لئے یکسانیت کا شکار ہو رہا ہے پلیز ان کرداروں کو سمیٹنے کی کوشش کریں۔

حنا کا دستر خوان سے میری لعل سسٹر سمیرا اکثر فیض یاب ہوتی رہتی ہے اور قیامت کے نامے میں ہمیشہ کی طرح فوزیہ جی نے حالات حاضرہ پر تبصرہ کر کے ہماری تسلی بھی کر لی کہ ہم یعنی قارئین دل برداشتہ نہ ہوں مگر کیا کریں وطن عزیز کے حالات پر طوطا چشمی کیسے برتیں۔

ثمینہ شیخ کیسی ہیں؟ کافی عرصے سے آپ نے کوئی تحریر لکھ کر نہیں بھیجی خیریت ہے نا؟ فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی رائے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں، دعا گو ہیں کہ اللہ کرے حکومت سے آپ کے مزکرات کامیاب ہوں اور آپ سب کو اپنے جائزہ حقوق مل جائیں اپنا خیال رکھیے گا آپ کی تحریر کا انتظار رہے گا شکریہ